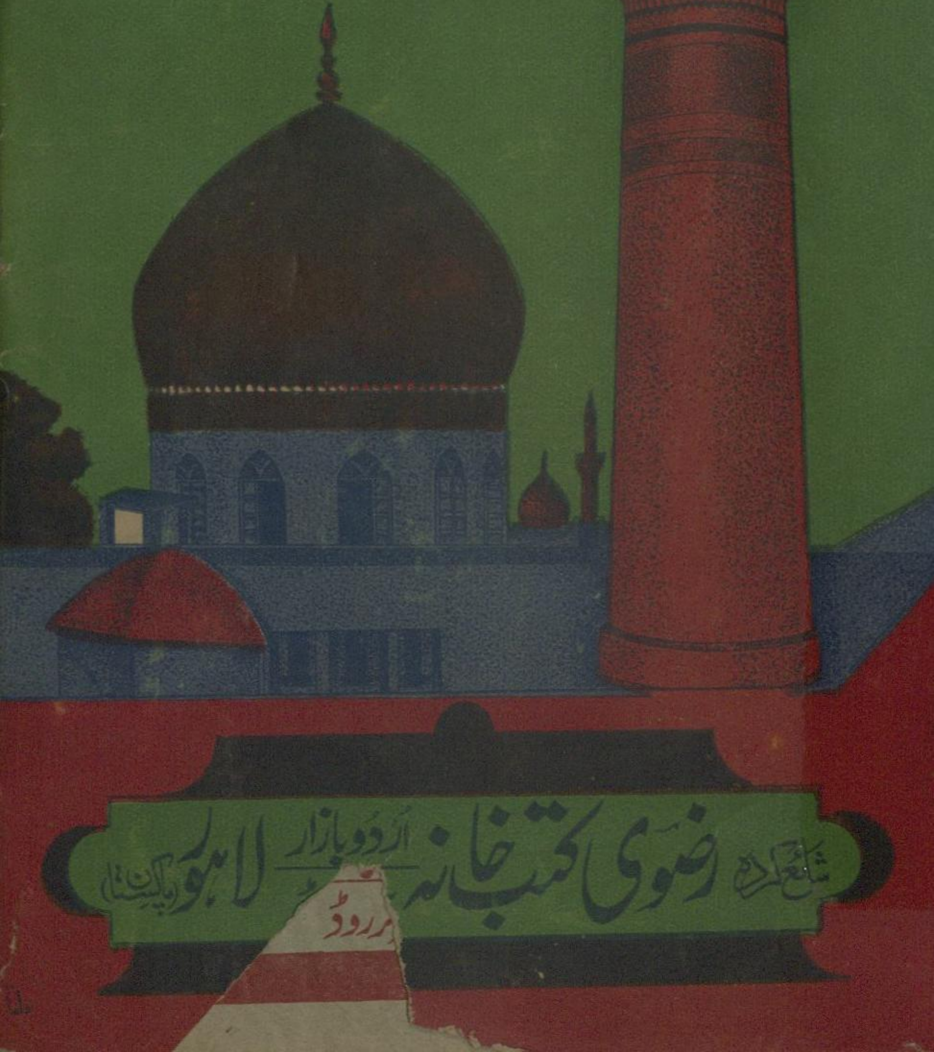
اوراقِ غم

مؤلفہ

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری نور اللہ مرقدہٗ



لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ط

اَوراقِ غم

مؤلفہ

علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری نور اللہ مرقدہٗ

ناشر

رضوی کتب خانہ

سرکلر روڈ ــــــ چوک اردو بازار ــــــ لاہور

اشاعت ——— پنجم
تعداد ——— ۱۰۰۰
ناشر ——— رضوی کتب خانہ اردو بازار لاہور
مطبع ——— ایور گرین لاہور
قیمت ——— ۵ اروپے

تاریخ طبع ۲۰ جنوری ۱۹۷۲ء
مطابق ۳ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ
بروز جمعرات

فہرست مضامین اوراقِ غم

مضمون	صفحہ
دیباچہ کتاب معہ سبب تالیف	د
ہبوط سیدنا آدم علیہ السلام	۱
مصائب سیدنا نوح نجی علیہ السلام	۱۰
کوائف ذبح سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام	۱۳
گریہ سیدنا یعقوب علیہ السلام در فراق یوسف	۲۴
ابتلا سیدنا یوسف	۳۸
ابتلا سیدنا ایوب علیہ السلام	۶۷
مصائب و شہادت سیدنا زکریا و یحییٰ علیہما السلام	۷۱
ولادت سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام معہ مختصر سوانح	۸۰
وفات سیدنا ابراہیم فرزند محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۱۲۳
ثبوت گریہ و ممانعت نوحہ و ماتم از احادیث صحیحہ	۱۲۴
وفات سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم معہ وصایا شریف	۱۲۷
آخری چہار شنبہ کی اصلیت	۱۳۷
قصہ حضرت عکاشہ اور ان کا اسلام	۱۴۵
گریہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا در فراق سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم معہ مختصر سوانح شریف	۱۵۸
سیدہ کی شادی کے حالات	۱۷۳
سیدہ کا جہیز	۱۷۶
وفات سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا	۱۸۲
زوجہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیدہ کو غسل دیا	۱۸۹
حضرت صدیق و فاروق جنازہ سیدہ میں کس وجہ سے شریک نہ ہو سکے اور سیدہ کے تعلقات رشتہ داری فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اعتراض حضرات شیعہ معاملہ فدک پر اور اس کا اطمینان بخش جواب	۱۹۰
خصائص و فضائل شیر خدا	۱۹۶
قضیہ خلاف پر تفصیلی بحث	۲۰۳
بقیہ فضائل و خصائل معہ شہادت	۲۱۰
تاریخ مجروح شدن شیر خدا و تاریخ شہادت	۲۳۵

مضمون	صفحہ
مختصر حالات و خصائل و فضائل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ	۲۴۷
صدیق کے اخلاق رضی اللہ عنہ	۲۵۰
صدیق کے خصائص رضی اللہ عنہ	۲۵۲
صدیق کی وفات رضی اللہ عنہ	۲۵۴
خلافت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ	۲۵۷
کرامات فاروق رضی اللہ عنہ	۲۵۹
شہادت فاروق رضی اللہ عنہ	۲۶۴
خلافت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	۲۶۴
اخلاص و للہیت عثمان رضی اللہ عنہ	۲۶۷
واقعات شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ	۲۶۸
ولادت سیدنا امام حسن سید الشہداء رضی اللہ عنہ معہ فضائل	۲۷۵
تاریخ زہر خورانی اور کس نے زہر دیا	۲۸۵
تاریخ شہادت امام حسن سید الشہداء رضی اللہ عنہ	۲۹۱
اس امر کا ثبوت کہ قرآن وحدیث کے مقابلہ میں تاریخ کی کوئی وقعت نہیں	۲۹۲
ولادت سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ	۲۹۹
مبادیات شہادت سید الشہداء رضی اللہ عنہ	۳۰۲
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی یزید کو وصیت بوقت وفات	۳۰۴
ابتدا اظہار رنج یزید بر سیدی امام	۳۰۸

مضمون	صفحہ
ہجرت امام از مدینہ بمکہ معظمہ	۳۱۵
آمدن خطوط از کوفیاں	۳۱۸
سبب عداوت یزید بہ امام ہمام	۳۲۳
روانگی حضرت مسلم بن عقیل بہ کوفہ	۳۲۷
قصہ شہادت حضرت ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہ	۳۳۳
شہادت حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ	۳۴۱
شہادت فرزندان مسلم رضی اللہ عنہ	۳۴۲
سزا قاتل فرزندان مسلم	۳۶۸
روانگی حضرت امام ہمام بہ سمت کوفہ	۳۷۱
شہادت حضرت قیس رضی اللہ عنہ قاصد امام ہمام	۳۷۲
امام فرات عراق پر زہیر بن قیس بجلی سے ملاقات	۳۷۴
امام مقام شقوقی پر	۳۷۵
منزل سراۃ سے آگے لشکر حُر کا نظر آنا اور حُر سے امام ہمام کا مکالمہ	۳۸۰
خفیہ ملاقات حُر امام ہمام سے اور عرض کو حضور رات میں کہیں تشریف لیجائیں	۳۸۲
مقام ماریہ یعنی زمین کربلا پر امام کی فائزی	۳۸۲
قیام امام و وصیت اولیٰ بہ اہلبیت کرام و منع کردن امام نوحہ زاری بہ اہلبیت کرام	۳۸۴

مضمون	صفحہ
حضرت بریر بن حصیر ہمدانی کی شہادت	۳۸۹
فہرست اسماء لشکر امام ہمام معہ فہرست اسمائے اہلبیت	۳۹۰
منتظر خونی صبح حمرا یعنی محرم الحرام کا عشرہ وصیت ثانی بہ ہمراہیان و جواب ہمراہیان	۳۹۳
جنگ کی تیاری	۳۹۷
اتمام حجت امام بہ لشکر اشقیاء و جواب شمر	۳۹۷
ابتدائے شہادت لشکریان امام ہمام نمبر دار اور نام بنام	۴۰۱
ہر ایک لشکری کے کارنامے	
شہادت ہاشم بن عتبہ برادر چچازاد ابن سعد خبیث	۴۱۴
کارنامہ حضرت حُر بن ریاحی معہ شہادت و شہادت	۴۱۹
رفقاء و ابنائے آل	
ہمشیرہ زادوں کی شہادت	۴۲۸
امام کے بھتیجوں کے کارنامے	۴۳۴
حضرت قاسم کی شہادت	۴۴۱

مضمون	صفحہ
شہادت عباس علمبردار رضی اللہ عنہ	۴۵۵
شہادت علی اکبر رضی اللہ عنہ	۴۷۳
شہادت امام حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ	۴۸۹
شجرۂ نسب امام ہمام و تاریخ شہادت	۴۹۹
اسیران بلا اہل بیتِ مصطفیٰ کی کربلا سے روانگی اور سر امام سے راہ میں ظہور کرامات	۵۰۲
مصیبت زدگان اہلبیت کا معمورہ پہنچنا اور حضرت شہرین کا صحیح قصہ	۵۱۲
یزید کا معافی مانگنا امام زین العابدین سے	۵۲۳
یزید کا استفسار امام سے کہ آپ کیا چاہتے ہیں اور اس کا جواب	۵۲۶
کاروان اہلبیت کا مدینہ پہنچنا	۵۳۴
مدینہ پہنچ کر امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی حالت	۵۳۶
حضرت محمد بن حنفیہ کی کوفہ پر چڑھائی اور سزائے قاتلان امام	۵۴۴
یزید کیسے مرا	۵۴۹
فضائل عاشورہ	۵۵۳
عرض مؤلف بخدمت ناظرین کرام	۵۵۵

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی اَمْطَرَ شَآبِیْبَ رَحْمَتِہٖ وَرِضْوَانِہٖ عَلَی الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ وَاَعْطٰی دَرَجَۃَ الشَّہَادَۃِ لِلْاِمَامَیْنِ الْھُمَامَیْنِ وَجَعَلَھُمَا اللّٰہُ السَّعِیْدَیْنِ الشَّہِیْدَیْنِ الْمَظْلُوْمَیْنِ وَوَضَعَ سَیْفَ الْغَضَبِ وَاللَّعْنِ عَلٰی اَعْدَآئِہِمَا فَاِنَّہٗ تَعَالٰی قَالَ لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ وَاَنْزَلَ سَکِیْنَتَہٗ وَرَحْمَتَہٗ عَلٰی اَحِبَّآئِہِمَا وَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ وَبَشَّرَ الصَّابِرِیْنَ بِاِعْطَاءِ الْکَوْثَرِ وَمَاءِ التَّسْلِیْمِ وَجَنّٰتِ النَّعِیْمِ وَبَشَّرَ الظّٰلِمِیْنَ بِالْمَاءِ الْحَمِیْمِ وَالْعَذَابِ الْاَلِیْمِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْکَوْنَیْنِ نَبِیِّ الْحَرَمَیْنِ غِیَاثِ الدَّارَیْنِ وَمُغِیْثِ الْمَلْوِیَیْنِ اِمَامِ الْقِبْلَتَیْنِ جَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ وَبَذَلُوْا اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ لِابْتِغَاءِ رِضَائِہٖ رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ ٥

ابتدا سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ ہر زمانہ میں زمانہ جدت پسند کرتا ہے اگرچہ واقعات شہادت میں ہزارہا مؤلف مستند موجود ہیں۔ مگر ہر زمانہ میں زمانے کی یہ آواز مسموع ہوتی رہی کہ اگرچہ واقعات میں بہت سی کتابیں ہیں۔ مگر کسی میں رطب و یابس روایات ملتی ہیں تو کسی میں انتہائی سادگی ہے۔ کوئی تاریخی حیثیت سے لکھ رہا ہے تو کوئی فسانہ گوئی کر رہا ہے۔ کسی کی تصنیف میں مرثیہ خوانوں کو مدد ملی ہے تو کسی تصنیف میں حضرات شیعہ کی روایات بھری ہیں اور جن کتابوں کو مستند مانا جائے وہ یا فارسی میں ملتی ہیں یا عربی میں۔ علاوہ ازیں احباب کا بھی اصرار رہا کہ میں کوئی ایسی کتاب واقعات شہادت میں لکھوں جو نہ مرثیہ خوانی سے ہی پر ہو نہ اس میں فسانہ گوئی کا رویہ ہو۔ رطب و یابس روایات سے پاک ہو۔ جہاں بہ سبیل تذکرہ ایسے واقعات آجائیں کہ اس میں حضرت شیعہ کو اعتراض ہو۔ وہاں محققانہ حیثیت سے ان کے اعتراض بھی اٹھائے جائیں۔ سنتا رہا اور سوچتا رہا۔ مگر ارادہ کرتا تو اس دشوار گزار پُرخار وادی میں گزرنے کی ہمت نہ پڑتی۔ مجبوراً ڈر کر رک جاتا۔ پھر میرے مخلص و محب برادر اسلامی جناب شیخ حمید اللہ پروپرائٹر و مینجر فیض اللہ ٹیلرنگ اینڈ کو نے اس بارگراں کو میرے سر ڈالنا چاہا۔ میں معذرت کرتا رہا۔ اپنی بے بضاعتی اور کم مائگی علم سے خائف رہا۔ مگر دیگر چند در چند

احباب کے اصرار نے مجھے مجبور ہی کر دیا آخر ہمت کر کے قدم رکھا اور سمجھ لیا کہ السعی منی والاتمام من اللہ مقولہ سلف صالحین ہے۔ اب ناظرین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ اگرچہ یہ کتاب میری ایک سال کامل کی جگر کاوی کا نتیجہ ہے مگر تاہم الانسان مرکب من الخطاء والنسیان اگر کسی مقام پر کہیں لغزش ملاحظہ فرمائیں۔ تو دامن کرم سے اسے مخفی فرما کر زبان طعن و دراز نہ فرمائیں۔ بلکہ فقیر کو اس غلطی سے مطلع فرما کر مشکوریت کا موقعہ بخشیں۔ میں نے اپنی دانست میں تحقیق و تدقیق کافی کی ہے اور میرا ماخذ مندرجہ ذیل کتب ہیں:۔

(۱) بخاری شریف (۲) روضۃ الشہداء (۳) بحر الحقائق (۴) ابوداؤد (۵) مخزون الرضاد (۶) صحیفہ رضویہ لامام علی موسیٰ رضا (۷) کنز الغرائب (۸) موطا امام مالک (۹) تفسیر مدارک (۱۰) تفسیر حسینی (۱۱) تفسیر کشاف (۱۲) تیسیر القرآن لامام مخدوم علی مہائی (۱۳) جواہر التفسیر (۱۴) تفسیر در منثور (۱۵) معالم التنزیل (۱۶) تفسیر ثعلبی (۱۷) انیس المریدین (۱۸) ترمذی شریف (۱۹) وسیط (۲۰) علین المعانی (۲۱) در السنیہ (۲۲) لطائف سبعین (۲۳) تبیان (۲۴) تفسیر الفاتحہ (۲۵) نور العین لعلامہ محمد حضرمی (۲۶) شواہد النبوۃ (۲۷) زلال الصفا (۲۸) درج الدرر (۲۹) کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن الاعلیٰ حضرت بریلوی (۳۰) مقتل نور الائمہ (۳۱) روح الارواح (۳۲) روضۃ الاسلام (۳۳) سیر امام شہید اسماعیل خوارزمی (۳۴) موالیہ ابو محمد خشاب (۳۵) کتاب الآل لامام حسن عسکری (۳۶) مناقب ابو مؤید خوارزمی (۳۷) ستین الجامع لابوبکر طرطوسی (۳۸) معارج النبوۃ (۳۹) نور العین فی مشہد الحسین للعلامہ ابی اسحاق اسفرائنی (۴۰) خصائص الکبریٰ لجلال الدین السیوطی (۴۱) بشائر المصطفےٰ (۴۲) سیرۃ ابن ہشام (۴۳) تاریخ ابن اثیر (۴۴) تاریخ ابوالفدا (۴۵) تاریخ الخلفاء (۴۶) تاریخ اعثم کوفی (۴۷) تاریخ حلبی (۴۸) مناقب ابن مردویہ (۴۹) مسند امام احمد حنبل (۵۰) فردوس الاخبار (۵۱) حلیہ (۵۲) صواعق محرقہ لابن حجر مکی (۵۳) دلائل ابن وہبی للشیخ اصفہانی (۵۴) تاریخ طبری (۵۵) عوالی القرش الی معالی العرش (۵۶) اصابہ فی معرفۃ الصحابہ (۵۷) سیرۃ حلبی (۵۸) مسدس حالی (۵۹) علام الوریٰ (۶۰) مقتل حنفیہ دینوری (۶۱) مرتنۃ الجنان نافعی۔ (۶۲) نور الائمہ خوارزمی (۶۳) بحر المصائب (۶۴) تاریخ ابو المؤید احمد ملی *

مگر تاہم معترف ہوں۔ کہ یہ مضمون میری قابلیت و منبع علم سے وری تھا اور شرم بھی ضرور آتی ہے کہ اتنا زبردست مضمون میں لکھ کر کس طرح اہل علم کے سامنے پیش کروں۔ مگر یہ سمجھ کر کہ جہاں بازار میں جواہرات کی دکانیں ہیں وہاں ایک بساطی سوئی انگشتانے بیچک ہٹی ریت سوت نوار لے کر اگر بیٹھ جاتا ہے تو خریدار اس کے پاس بھی آتے ضرور ہیں بلکہ اکثر جواہرات والے

اس لبساطی سے ریل پیپک ہی خرید کر اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ بنا بریں اعتراف بے مائیگی علم کرتا ہوا اس رسالہ کو لکھتا ہوں۔ اور نذر ناظرین کرکے اول دربار انبیاء علیہ التحیۃ والثنا میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ میری اس کج مج بے تکی تحریر کو مقبول عوام فرما کر خود بھی شرف قبولیت سے مشرف فرمائیں۔ پھر تمام اہل بیت اطہار و مقتولین خنجر آبدار اور شہزادہ کونین سیدی حسنین اور ائمہ کرام و خلفاء عظام کے حضور میں معروض ہے کہ اگرچہ یہ عجالہ ان کی مناقب و محامد کو کافی نہ ہوا نہ ہو سکتا تھا۔ مگر باقتضاء کرم عمومی اسے منظور فرما کر بذریعہ دعا و تصرف ارواح طیبہ مقبول عوام و خواص کرائیں اور آخرت میں یہی میری سند منظور ہو سے

اگرچہ لائق دربار خسروی ایں نیست   ز لطفِ تو چشمِ قبول میدادرم

عملی حیثیت سے بھی چونکہ بے بضاعت ہوں۔ اس لیے ناظرین کرام سے درخواست کرتا ہوں

ہر کہ خواند دعا طمع دارم   زانکہ من بندہ گنہ گارم

دربار الٰہی میں دعا ہے کہ خدا میرے اس عجالہ کو مقبول خلائق فرمائے اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔ آمین ثم آمین۔ بحرمۃ النبی الامین المکین علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیم ؛

خادم قوم خاکپائے حقیر و کبیر و ماندہ نفس شریر فقیر قادری ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رضوی اشرفی چشتی نظامی۔ صابری۔ نثاروی واحدی مشہدی الوری۔ لاہور خلف امام العلماء راس الفضلاء سید الواعظین سند المحققین حامی سنت ماحی بدعت حضرت قبلہ مولانا مولوی الحاج صوفی سید ابو محمد محمد دیدار علی شاہ صاحب نقشبندی مجددی قادری چشتی مشہدی رحمہ اللہ تعالیٰ ؛

کتبہ

محمد شریف منیر رقم تلمیذ جناب تنویر رقم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترے جلوے کے آگے اپنی ہستی کو فنا پایا
یہ پیغامِ بلا ہم نے دمِ "قالوا بلیٰ" پایا

انسان کو مادۂ موانست کیا ملا کہ جملہ بلا و مصائب کے لیے وقف کر دیا گیا۔ ابھی آدمِ صفی کتمِ عدم سے منصّۂ وجود میں نہ آئے تھے۔ زبانِ ملائکہ کے طعن سے مجروح ہوتے۔ فساد و خونریزی کا ارتکاب اُنہیں کے سر تھوپا گیا مگر اِنّی اَعلَمُ مَالَا تَعلَمُون کی آواز نے اُنھیں ساکت کر دیا۔ حتیٰ کہ آدمِ صفی کا وجود باوجود فضا وجود میں آیا۔ آپ کے جنبِ الیسر سے حضرت حوّا زینت بخش عالم ہوئیں۔ دربارِ احدیّت سے جنّت ملی اُسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ کا حکم ہوا۔ اس پر فَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا کی بشارت نے ساکنِ جنّت کو ہر قسم کی نعمتیں کھانے پینے کی اجازت دی مگر وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ نے درختِ گندم سے دور ہی رکھا اور ضرورت بھی تھی اس لئے کہ فردوسِ بریں مقامِ لطیف ہے اور وہاں اغذیۂ لطیفہ غذا ہوتی ہیں۔ بخلاف گندم کہ وہ غذائے کثیف عالمِ سفلی کے لئے مخلوق کیا گیا تھا:

شیطان سے خلودِ جنت آدم و حوّا

نہ دیکھا گیا۔ بوسیلہ طاؤس و مار بہشت میں آیا۔ جھوٹی قسموں سے اپنے آپ کو آدم و حوّا کا خیر خواہ ثابت کیا۔ اور خلودِ جنّت دانہ گندم کے کھانے پر موقوف بتاتے ہوئے آپ کو کھلا ہی دیا۔

اُدھر کھانا تھا ادھر لشکرِ بلا و مصائب کا آنا

وہ آدم جو سلطانِ مملکتِ بہشت تھے۔ وہ آدم جو متوّج بتاج عزت تھے آج مصائب میں مبتلا ہیں

حللِ نوری جسدِ نوری سے

جدا ہو گئے۔ آپ رونے لگے اور از خود رفتگی میں بدن مستور فرمانے کو جس درخت کی جانب جاتے وہ درخت آپ سے دور ہوتے۔ خطابِ الٰہی ہوا اَفَرَارٌ مِنِّیْ یَا اٰدَمُ

کیا آدم ہم سے بھاگتے ہو؟

عرض کی بَلْ حَیَاءً مِّنْكَ شرم گناہ سے پریشان ہو کر خجل ہوں۔ تجھ سے کہاں بھاگوں۔ تجھ سے چھپنا محال ہے شعر

کجا روم کہ بغیر از درت پناہ نہ دارم
جز آستانۂ لطفت گریز گاہ نہ دارم

بالآخر انجیر کے پتّوں سے جسمِ مبارک چھپایا۔ ارشادِ الٰہی ہوا کہ اب بہشت سے باہر تشریف لیجایئے۔ آدم علیہ السلام حضرت حوّا کا ہاتھ تھامے باہر تشریف لائے اور پھر پھر کر رحمِ الٰہی پر نظر ڈالتے کہ شاید اب بھی حکم دخولِ جنّت ہو جائے مگر اتنا سہارا ہوا کہ وقتِ خروج بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ زبانِ مبارک پر جاری تھا۔ جبریل نے اس کلمہ کے سنتے ہی آدم علیہ السلام کو بشارت دی کہ اگرچہ اس وقت عتاب ہے۔ مگر اسم الرحمٰن الرحیم آپ کا ساتھ دے گا اور جنابِ الٰہی میں عرض کی کہ خدایا اسم رحمٰن و رحیم پڑھنے والا اور معتوب ہو جواب الٰہی ملا کہ ہماری رحمت کم نہیں۔ مگر آج ان پر رحمت کی جائے گی تو صرف آدم و حوّا ہی اس سے استفادہ کر

سکیں گے۔ تھوڑا انتظار کرو۔ قیامت کو اس انتظار کے صلہ میں انہیں بہشت دے کر ہزار ہزار گنہگاران کی اولاد میں سے ان کے ہمراہ داخلِ جنّت کروں گا تا کہ وسعتِ رحمت کا پورا اظہار ہو۔

صاحب بحر الحقائق ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کا جنت سے باہر نکالنا محض اس غرض و غایت سے تھا کہ انہیں ذائقہ عشق و محبت چکھایا جائے اور مذوقاتِ عشق دار الملام میں حاصل ہو سکتی ہیں دار السلام میں اس کا حصول متعذّر ہے۔ اس لیے کہ عشق مقتضی کرب و بلا ہے اور عقل جویائے عزّ و علا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ نوشِ محبت بغیر نیشِ بلیت نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ شعر

عاشقاں را از بلا صد راحت است — کہ محبّت ہم نشین راحت است
عشق چوں دعویٰ جفا دیدن گواہ — چوں گواہت نیست دعویٰ شد تباہ
ہر کہ دعوائے محبّت ساز کرد — صد در از غم بر رخِ خود باز کرد

مختصر یہ کہ آدم علیہ السلام گلستانِ بہشت سے مصیبت گاہ دنیا میں تشریف لائے۔ حوّا ہمراہ تھیں کہ روح الامین نے حاضر ہو کر عرض کی۔ آدم حکم اس طرح ہے کہ حوّا آپ کے ساتھ نہ رہیں۔ لہٰذا ہاتھ چھوڑیئے کہ یہ کسی دوسری جگہ جائیں گی۔ آدم علیہ السلام غلبۂ محبّت و فرقتِ حوّا میں رونے لگے تو حوّا بھی غربت و کربت میں آدم پر اشکبار ہونے لگیں کہ اچانک حوّا نظر آدم سے گم ہو گئیں نہ آدم کو یہ خبر کہ حوّا کہاں ہیں نہ حوّا کو یہ معلوم کہ آدم کدھر ہیں۔

آدم علیہ السلام کوہ سراندیپ پر لائے گئے

حوّا علیہا السلام ساحل دریائے ہند پر اتاری گئیں۔ اسی وجہ سے مہبط حوّا کا نام جدّہ رکھا گیا۔

آدم علیہ السلام ۲۲ سال کامل اُسی پہاڑ پر روتے رہے۔ جبریل علیہ السلام بحکم الٰہی اکثر آدم علیہ السلام کے پاس آکر دلجوئی فرمایا کرتے۔ ایک روز آپ نے جبریل سے دریافت کیا کہ حوا کہاں ہیں۔ آپ نے فرمایا ساحل دریا پر تمہارے درد جدائی میں اشکبار ہیں۔ یہ سن کر فرطِ غم سے آپ بیہوش ہو گئے۔ روح الامین نے آپ کا سر اپنے پہلو میں رکھ لیا۔ بیہوشی میں آدمؑ، حواؑ کو دیکھتے ہیں کہ کنارۂ دریا پر رو رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں اے میرے پیارے رفیق آدم میرے مونس و ہمدم اَجَائِعٌ اَنْتَ اَمْ شَبْعَانُ اَلَابِسٌ اَنْتَ اَمْ عُرْیَانُ اَنَائِمٌ اَنْتَ اَمْ یَقْظَانُ۔

(تم بھوکے ہو یا کھانا کھائے ہوئے۔ تم کپڑے پہنے ہوئے ہو یا برہنہ تم سو رہے ہو یا بیدار)

آدم علیہ السلام جواب دینا چاہتے تھے کہ ناگاہ ہوش آگیا اور مشغول گریہ وزاری ہوئے۔ جبریل نے سبب گریہ دریافت فرمایا۔ آپ نے واقعہ گزشتہ اس درد سے سنایا کہ جبریل کے آنسو نکل آئے اور دربار الٰہی میں دعائے رحم فرمائی۔ جناب الٰہی سے ارشاد ہوا کہ جبریل آدم کو مژدہ دو کہ

شب فراق ختم ہوئی اور قمر مراد مطلع امید پر آنے والا ہے

یعنی آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی گئی۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ قبول توبہ آدم کے تین سبب تھے اوّل حیا۔ دوم بکا۔ سوم دُعا۔

شہر بن حوشب سے منقول ہے کہ ظہور حیا تو یوں ہوا کہ جب آپ زمین پر تشریف لائے۔ تین سو برس تک آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھا اور شرمساری سے گردن جھکائے رہے۔

بکا اس درجہ بڑھی کہ اکثر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر تمام روئے

زمین کے رونے والے جمع کئے جائیں تو گریۂ داؤد علیہ السلام بھی اُن سے زیادہ نکلے اور اگر گریۂ داؤد علیہ السلام کو تمام عالم کے ساتھ ملایا جائے تو گریۂ نوح علیہ السلام بڑھا رہے اور اگر گریۂ نوح علیہ السلام بھی اس میں ملا دیا جائے تو گریہ آدم علیہ السلام افزوں تر ثابت ہو۔

صاحب عیون الرضا نقل فرماتے ہیں کہ سیل اشک آدم چشم راست سے مثل دجلہ کے جاری تھا اور چشم چپ سے مثل فرات فراوانی میں رواں ۔

ایک روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام بائیس سال تک تو اس قدر اشکبار رہے کہ رخسارۂ مبارک پر دو چشمہ جاری نظر آتے تھے اور آبِ اشک سے مرغانِ ہوائی جب سیراب ہوئے تو ان میں باہمی گفتگو ہوئی۔ کہ ایسا شیریں و باذائقہ چشمہ ہم کو کبھی میسر نہ ہوا۔ آدم علیہ السلام نے اس گفتگو کو طنز سمجھ کر آہِ سرد دلِ پر درد سے کھینچ کر عرض کی کہ الٰہی کیا اب میں اس درجہ کو پہنچ گیا۔ کہ مرغانِ ہوا بھی میرا استہزاء کریں جواب آیا کہ اے صفی تمہیں خوش ہونا چاہیئے مرغانِ ہوائی سچ کہتے ہیں

اشکِ عاصی سے بہتر ہم نے کوئی پانی پیدا ہی نہیں کیا

گوہرے بس گراں بہا اشک است — سببِ آبروئے ما اشک است
گریہ مے کن کہ زاں ثمر یابی — اشک ریزی کنی گہر یابی
ابر تا گریہ بر چمن نکند — غنچہ ہم خندہ بر سمن نکند

اور یہ دعا قبول کیوں ہوئی۔ محض اس وجہ میں کہ وسیلہ ذات اقدس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے لیا۔ اور یوں عرض کیا کہ الٰہی بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری توبہ کو شرفِ قبولیت عطا فرما۔

جناب الٰہی کی طرف سے ارشاد ہوا

کہ آدم اس نام پاک کو تو نے کیسے پہچانا اور کیونکر جانا کہ اس کے توسّل سے شرفِ قبولیت عطا ہو جائے گا

عرض کیا

الٰہی ساق عرش پر اس نام نامی کو تیرے نام کے قریب دیکھا تھا۔ میں نے سمجھ لیا۔ کہ مخلوقات میں افضل خلائق یہی ایک ہستی ہے۔

بعد قبول توبہ آدم علیہ السلام کو حضرتِ حوّا سے ۹۔ ذی الحجہ کو ملایا اور اس دن کا نام عرفہ رکھا۔ اور جہاں ملایا اس مقام کا نام عرفات رکھ گیا اور پھر بعد قبول توبہ اس قصور کو قصور ہی نہ رکھا بلکہ صاف ارشاد فرمایا کہ وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۝

ہم نے جرم سے قبل آدم سے ایک عہد لیا تھا وہ بھول گئے اس میں ان کا قصد نہ تھا جو قصور مانا جائے۔

اس مصیبت سے نجات پائی تھی کہ دوسری بلا نے

ظہور کیا اور وہ یہ کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کر ڈالا۔ مختصر قصہ یوں ہے کہ بعد اتصال آدم حضرت حوّا بیس بار حاملہ ہوئیں اور ہر بار حمل میں ایک لڑکا، ایک لڑکی آپ سے متولّد ہوئے۔

طریقۂ عقد یوں تھا کہ ایک حمل کا لڑکا دوسرے حمل کی لڑکی سے منسوب کیا جاتا تھا۔ قابیل کے ساتھ جو لڑکی ہوئی اس کا نام اقلیما تھا۔ یہ حسن و جمال و خط و خال میں بے مثل تھی اور ہابیل کے ساتھ جو لڑکی ہوئی اس کا نام الیوذا تھا وہ اس قدر حسین نہ تھی۔

جب یہ چاروں بالغ ہوئے۔ تو آدم علیہ السلام نے الیوذا کو قابیل کے لئے نامزد کیا اور اقلیما کو ہابیل کے لئے قابیل نے اس تجویز سے انحراف کیا اور کہا کہ میری بہن حسین ہے اور میرے ساتھ رحم میں رہی ہے۔ بس اس کا حقدار ہوں۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا حکم الہٰی کے خلاف نہیں ہوگا۔ مجھے ترمیم کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

قابیل نے سرکشی کر کے کہا کہ تم ہابیل کو مجھ سے زیادہ محبوب رکھتے ہو۔ یہ سبب ہے کہ حسین ہابیل کے لئے اور معمولی میرے لئے نامزد کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا ایک ایک قربانی دونوں کرو۔ جس کی قربانی مقبول ہو جائے گی۔ اقلیما اُسے ملے گی۔

ہابیل نے ایک بکرا پہاڑ پر رکھ کر عرض کیا کہ اگر میری قربانی

نامقبول ہوئی تو میں اقلیما کو اپنے لئے نہ سمجھوں گا۔ ہابیل بکریاں ہی پالتا تھا۔ وہ ہی قربانی لایا۔ قابیل چونکہ کاشت کرتا تھا ایک دستہ گیہوں لایا اور وہاں ہی رکھ کر کہا کہ یہ قربانی مقبول ہو یا نہیں میں اپنی بہن سے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ ناگاہ ایک بجلی آئی اور بکرے کو لے گئی اور قابیل کی قربانی چھوڑ گئی۔

قابیل کی آتش خشم و غضب جوش زن ہوئی

اور تیرگی حسد دیدۂ بصیرت میں آئی۔ قتل ہابیل کا عزم بالجزم کر لیا اور راستہ میں بیٹھ گیا۔

آدم علیہ السلام زیارت بیت المعمور کے لئے تشریف لے گئے تھے

ہابیل دن بھر کام کرتا رہا۔ شب کو فرصت پا کر سویا۔ قابیل نے ایک بھاری

پتھر سے ہابیل کا

سر کچل ڈالا۔ اب اُسے فکر ہوئی کہ

اس لاش کا کیا کروں۔ پشتارہ باندھ کر لاش کو لے کر چلا اس سمت میں ہر طرف پھر رہا تھا کہ اس لاش کو کیا کیا جائے

اسی طرح چالیس روز تک برابر بیاباں نوردی کرتا رہا

آخر الامر ایک روز کوّے کو دیکھا کہ اپنی منقار (چونچ) سے گڑھا کر کے مردہ کوّے کو لایا اور اس گھڑے میں رکھ کر اس پر خاک ڈال دی کہ اس مردہ کوّے کی لاش چھپ گئی۔ قابیل نے بھی اسی طرح ہابیل کو خاک میں ملا دیا۔ پھر اپنی قوم میں آگیا۔ جب آدم علیہ السلام نے زیارتِ حرم سے مراجعت فرمائی تو تمام صاحبزادے استقبال کو حاضر آئے۔ مگر ہابیل نہ آیا۔ آپ کو ہابیل سے حقیقتاً محبت بھی بہت زیادہ تھی۔ آپ نے ہابیل کو نہ پاکر اس کی جستجو کی مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ آپ سات شبانہ روز کوہ و صحرا میں تلاش ہابیل فرماتے رہے۔ آٹھویں شب کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ ہابیل کھڑا پکار رہا ہے یَا اَبَتَاہُ الْغِیَاثُ آپ گھبرا کر چونک پڑے

اور ایک چیخ مار کر بیہوش ہو گئے

جب ہوش آیا تو روح الامین کو دیکھا کہ تشریف فرما ہیں۔ آپ نے بے تابانہ فرمایا کہ جبریل! ہابیل کی کیفیت سے بھی کچھ واقف ہو۔ میں ابھی خواب میں اُسے بحالِ مظلوم و بیچارہ دیکھ چکا ہوں اور وہ فریاد رسی چاہتا ہے۔

جبریل؈ نے فرمایا کہ جنابِ الٰہی فرماتے ہیں عَظَّمَ اَجْرَکَ تمہارا ثواب

زبردست ہوگیا ہے۔ اس لئے کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کردیا ہے اور وہ اسی وجہ سے فریاد کرتا ہے۔ مگر اس وقت سے اب تک کوئی اس کی فریاد کو نہ پہنچا۔

اور اسی طرح وہ فریاد کناں روزِ قیامت کو اُٹھے گا

آدم علیہ السلام جبریلؑ کو ساتھ لے کر قبر ہابیل پر پہنچے اور اس قدر اشک غم بہائے کہ ملائکہ سماوی کے دل ہل گئے۔ ارشاد الٰہی ہُوا کہ آدم مصیبت میں صبر کرو کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس قتل کے کیفر کردار میں تمام عذاب جہنم کا نصف حصّہ قابیل کے لیے مخصوص ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہمارے سرکار مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ آدم صفی سے زبردست ہے کہ وہاں صرف ایک فرزند آدم کے قتل کی سزا نصف عذابِ جہنم تجویز فرمائیں اور یہاں فرزندان مصطفٰے علیہ التحیۃ والثنا وجگر گوشہ سردار انبیا نور دیدۂ علی المرتضٰی کے قاتلوں پر کوئی سختی گوارا نہ فرمائیں۔ اور نہ روزِ قیامت کفن خونی حضرت سیدہ کے دست اقدس میں دیکھ کر فرمائیں۔ بیٹی اس کفن خونی کے صدقہ سے بخشش امت کی دعا کرو۔ بس یہی خون بہا ہے ؛

صحیفہ رضویہ میں ہے (جو سلطان خراسان حضرت علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کی مصنفہ ہے۔ جس کو آپ نے آبائے کرام سے احادیث نبویہ لے کر جمع فرمایا ہے، کہ قاتلان حسینؑ ایک تابوت آتشیں میں ہوں گے اور زنجیر ہائے آہنی و آتشیں سے دست وپا بستہ۔ اس تابوت سے اس قدر عفونت آتی ہوگی۔ کہ ملائکہ دوزخ خدا سے پناہ مانگیں۔ مگر یہ سب کچھ غضبِ الٰہی سے سزا ملے گی نہ کہ خواہش امام الانبیا محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ؛

نوح نجی اللہ

یہی کیفیت حضرت نوح نجی اللہ کی ہے کہ اپنے مرتبہ کے موافق صید بلاد مصائب بنے۔ آپ نے ۹۵۰ سال تک جور و جفائے قوم ستم شعار سہیں۔ مگر تبلیغ پیامِ الٰہی میں ایک لحظہ کمی نہ فرمائی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ تین قرن دنیا میں مقیم رہے۔ اور ایک قرن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے تین ہزار سال قیام فرمایا۔ مگر یہ روایت خبر قرآنی کے خلاف ہے۔ اور پہلی روایت مطابق قرآن مجید کے ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَلَبِثَ فِیْہِمْ اَلْفَ سَنَۃٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا ط یعنی نوح علیہ السلام کو ہم نے ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا۔ وہ ان میں ایک ہزار پچاس برس کم ٹھہرے۔ آپ پر یہ مصیبت رہتی۔ کہ جب آپ دعوتِ حق دیتے تو آپ کی قوم اس قدر پتھر برساتی۔ کہ آپ کی پسلیاں شکستہ ہو جاتیں۔ وہ ظالم کہتے بس اب وہ مر چکے خاطر جمع سے رہو شب کو جبریل تشریف لائے اور پر مبارک کی مس سے تمام جراحتہائے جسم درست فرماتے۔ صبح ہوتے ہی پھر اسی طرح قوم میں تشریف لا کر فرماتے :۔

قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا

یعنی لا الہ الا اللہ کہو نجات پاؤ گے۔ پھر وہ سب مل کر میدان بلا میں گوناگوں تکالیف پہنچاتے۔ آپ جوشنِ تسلیم پہن کر تمام مصائب برداشت فرماتے۔ خلقتاً قوم اپنے بچوں کو کندھوں پر چڑھا کر لاتے اور کہتے دیکھو یہ شخص دیوانہ ہے ہرگز اس کی فرمانبرداری مت کرنا۔ ایک روز ایک خبیث اپنے کندھے پر اپنے

لڑکے کو چڑھا کر لایا۔ اور نوح علیہ السلام کو دکھا کر کہا کہ (معاذاللہ) یہ ایسے ویسے ہیں۔ جوان ہو کر ان سے مقابلہ کیجو۔ لڑکے نے کہا۔ باپ ممکن ہے تیری نصیحت پر عمل کرنے سے قبل مجھے موت آسنبھالے اور اُس شخص کی ایذارسانی کے "ثواب" سے محروم رہ جاؤں۔ مجھ کو زمین پر اُتارا! اس کے باپ نے اسے زمین پر اتارا۔ اس خبیث زادے نے ایک پتھر اٹھا کر نوح علیہ السلام کے سر مبارک پر مارا۔ آپ کے سر مبارک سے خون کے فوّارے بہہ گئے۔ آپ نے صبر فرماتے ہوئے اُس خون کو صاف کیا اور جناب الٰہی میں دعا کی جو قرآن کریم میں ہے قَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا (اے رب میرے زمین پر اب ان سرکشوں کو چلتا نہ چھوڑ) إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (اور اگر تو نے انہیں اب بھی چھوڑ دیا تو تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور اُن سے جو پیدا ہوگا وہ بھی فاجر اور سخت سرکش ہی ہوگا)

بس یہ دُعا ہونی تھی کہ ارشاد ہوا۔ نوحؑ تم ایک کشتی تیار کر لو۔ اس میں اپنے متوسلین کو لے لو۔ چنانچہ جب کشتی بن گئی تو طوفان عذاب نمودار ہوا۔ یہ کشتی چھ ماہ تک برابر پانی میں چلتی رہی۔

صاحب کنزالغرائب لکھتے ہیں کہ یہ کشتی تمام روئے زمین پر گشت کرتے کرتے جب زمین کربلا پر پہنچی تو رُک گئی۔

نوح علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کی۔ الٰہی یہ کیا مقام ہے اور کشتی ٹھہرنے میں کیا مصلحت ہے۔ جواب ملاکہ:۔

مَثَلُ أَهْلِ بَيْتِي كَمَثَلِ سَفِينَةِ نُوحٍ یہ وہ مقام ہے جہاں اہل بیت اطہار کی کشتی گرداب خون میں غرقاب ہوگی اور ہمارے محبوب کے جگر گوشہ

اس مقام سے جامِ شہادت پی پی کر ہم سے مواصلت کریں گے ؎

ابراہیم خلیل اللہ

اِسی طرح بلاؤ مصائب میں مبتلا رہے اور کیوں نہ رہتے۔ خلیل اللہ تھے۔ جس کو جناب الٰہی اپنا پیارا بناتے ہیں شکارِ بلا کرتے ہیں۔ اکثر اکابر کا قول ہے نَحۡنُ نَفۡرَحُ بِالۡبَلَآءِ ہم ایسے مسرور و محظوظ بلاؤں سے ہوتے ہیں کَمَا یَفۡرَحُ اَھۡلُ الدُّنۡیَا بِالنِّعَمِ جیسے اہل دنیا نعمتوں سے اس واسطے کہ بلا صیقلِ دل ہے۔ آئینۂ قلب کو غبارِ ہوا و ہوس سے مجلّی کر دیتی ہے۔ اور زنگار خیال ماسوی اللہ سے صاف اور مصیبت کحل الجواہر ہے۔ کہ چشمِ بصیرت اس سے روشن ہوتی ہیں چنانچہ حضرت خلیل علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انہیں وجوہ سے کہیں آگ میں ڈلوادیا۔ کہیں مخالفین سے حملے کرائے مگر ہر صورت میں معاون و مددگار محمد حقیقی رہا۔ چنانچہ کتب سیر سے ثابت ہے کہ جب نار نمرودی کافی طور پر مشتعل ہوگئی اور ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق یعنی گوپیے میں ڈال کر آگ میں پھینکا گیا تو تمام ملائکہ میں کھلبلی پڑ گئی۔ حوران بہشتی بے چین ہوگئیں وحوش وطیور میں شور مچ گیا۔ ملائکہ عرش نے جناب الٰہی سے امداد کی اجازت لے کر ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم مدد کو حاضر آئے ہیں ؎

سب سے اول ملک الریاح آئے اور آپ کو سلام عرض کیا۔ آپ نے جواب سلام فرما کر پوچھا تو کون ہے کہ مصیبت زدوں کو سلام کہتا ہے۔ فرشتہ نے عرض کیا۔ میں موکّل فرشتہ ہوں میرا ہوا کی سلطنت پر قبضہ ہے۔ اگر ارشاد ہو تو ہوا کو حکم کروں تمام چنگاریاں اڑا کر نمرود کے محل سرا کو خاک سیاہ کر ڈالیں۔ آپ نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ میرے مددگار حقیقی کے سوا کسی سے مدد لوں اما الیک فلا ملک السحاب ابروں کا بادشاہ آیا۔ عرض کی کہ اجازت ہو ابر کا حکم کروں تمام آگ بجھادے۔ آپ

نے فرمایا میں اپنی مصیبت کو اپنے جلیب حقیقی کے سپرد کر چکا ہوں۔ وہ میرے حال سے بے خبر نہیں ہے۔ ملک الارض زمینوں کا بادشاہ آیا۔ عرض کی کہ اگر اجازت ہو زمین بابل کو حکم کروں کہ وہ دم زدن میں تمام نمرودیوں کو خورد برد کر دے آپ نے فرمایا:۔
خَلُّوْا بَیْنِیْ وَ بَیْنَ حَبِیْبِیْ۔ چھوڑ دو مجھے اور میرے جلیب کو۔ شعر

ما کارِ خود بہ یارِ گرامی واشتیم
گر زندہ ساز دار بکشد رائے رائے اوست

سب کے بعد روح الامین آئے۔ یہ وہ وقت ہے کہ خلیل منجنیق سے علیحدہ ہو کر آگ میں جانے والے ہیں۔ بآواز بلند پکارے
یَا خَلِیْلُ ھَلْ لَکَ مِنْ حَاجَۃٍ۔ اے خلیل کوئی حاجت رکھتے ہو۔ آپ نے فرمایا اَمَّا اِلَیْکَ فَلَا۔ حاجت تو رکھتا ہوں۔ مگر تجھ سے نہیں۔ جبریل نے عرض کی جس سے حاجت ہے اُسے بتاؤ۔ آپ نے فرمایا عِلْمُہٗ بِحَالِیْ حَسْبِیْ مِنْ سُوَالِیْ اسے مطلع کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ سوال سے پہلے میرے حال سے واقف ہے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا۔ اس سے کیا حاجت رکھتے ہو وہ ظاہر کرو۔ آپ نے فرمایا جب دوست دوست کو جلانا چاہتا ہے۔ تو زندہ رہنا جائز نہیں۔ حکم الٰہی ہوا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ اے آگ سلامت روی کی برودت ہمارے ابراہیم پر اختیار کر۔

اسماعیل ذبیح اللہ

پھر بھی ہجوم مصائب و سموم کرب نے ایسی ہی صورت دکھائی کہ قرآن کریم میں بھی جس

کی تصدیق آئی اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ بے شک کھلی بلا تھی۔ تاکہ محبانِ الٰہی اور مقربان احدیت پناہی سمجھ لیں۔ کہ دعویٰ محبت بغیر تکالیف شدیدہ وکرائب عدیدہ برداشت کئے بغیر نہیں ہو سکتا۔

واقعہ ذبح اسماعیل یوں ہے۔ کہ ایک روز آپ شکار سے واپس تشریف لائے۔ تو غبار راہ وگرد شکارگاہ رخسارۂ نوری پر نمایاں تھا۔ اور تمازتِ آفتاب سے عذار آشفتہ۔ حضرتِ خلیل نے سرراہ آپ کو دیکھا۔ تو فرطِ محبت وفراوانی مودّت سے آپ کے رخسارہ مثل گل شگفتہ نظر آئے۔ اور عذارہائے نوری ماہ دوہفتہ سے زیادہ تابندہ پائے۔ اِدھر شفقتِ پدری جو طبع بشری سے وابستہ ہے متحرک ہوئی۔ اُدھر غیرتِ الٰہی کو سلسلۂ محبت نے جوش زن کیا۔ شب ہوئی ابراہیم درود وظائف سے حسبِ عادت فارغ ہو کر آرام گاہ میں تشریف لائے۔ عالم رویا میں دیکھا کہ برسر بالین کوئی ندا کرتا ہے کہ اے خلیل دعوٰی محبت ہمارا اور مودّت فرزندی اس کے ساتھ دل میں۔ اے خلیل اگر ہماری محبت رکھتے ہو اور ہمارے وصل کے خواستگار ہو تو اٹھو اور حلقوم فرزند دلبند کو آب تیغ سے سیراب کردو۔

حضرت خلیل خائف ہو کر چونک پڑے۔ علی الصباح ذبیح کی والدہ حضرت ہاجرہ سے فرمایا۔ اٹھو اور خلعت فاخرہ اپنے فرزند دلبند کو پہناؤ۔ آنکھوں کو سرمہ سے سجاؤ۔ گیسوئے مشکیں شانۂ رضا وتسلیم سے سنوارو۔ کہ اس کو دوست کے یہاں مہمانی کے لیے لے جانا ہے۔ شعر

اندک آرائش مکن بسیار کن　　　　ہرچہ بتوانی ہمہ درکار کن

حضرت ہاجرہ نے بہ تعمیلِ ارشاد حضرت اسماعیل کو پوشاکِ فاخرہ سے مزیّن کیا۔ گیسوئے مشکیں دھو کر شانے سے سنوارے سینہ سے لگا کر خوب پیار فرما کر رخصت کیا۔ اور فرمایا۔ جانِ مادر۔ میں نہیں جانتی۔ کہ تم کہاں لے جا رہے ہو۔

مگر میں اپنے دل میں بے تابی۔ جگر میں خونناب پاتی ہوں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے ہاجرہ سے ایک چھری اور ایک رسی طلب فرمائی۔ آپ زار زار رونے لگیں اور اس طرح آہ و فغاں کی۔ کہ جگر حاملانِ عرش لرزاں ہو گئے۔ اور دست بستہ عرض کی کہ اے خلیل! مہمانی میں لے جاتے وقت چھری و رسی سے کیا تعلق ہے۔ آپ نے فرمایا شاید قربانی کی ضرورت ہو جائے۔ اور قربانی میں چھری رسی لازمی ہے۔ بدیں سبب لے جاتا ہوں۔ آپ کے دل میں یقین ہو گیا کہ خلیل اپنے لختِ جگر کو ذبیح بنانا تجویز کر چکے ہیں۔ چھری رسی دے کر نہایت صبر و استقلال سے رخصت کیا۔ مگر شفقتِ مادری نے ہیجان کر کے ہاجرہ کی زبان سے یہ الفاظ جاری کرا دیئے جو اشعار ذیل سے ظاہر ہیں ؎

دل کباب تست بر خواں کساں مہماں مرو جان من لطفے بکن زیں دیدۂ گریاں مرو
از تنم تا بر نیاید جان من اے جاں مرو چوں تو کردی عزم رفتن از تنم جاں می رود

آخر سنگِ صبر و شکیبائی سینہ رضا پر رکھ کر ہاجرہ نے خلیل و ذبیح کو وداع کیا۔ اور دولت سرائے میں بحال حرماں و گریاں واپس تشریف لائیں۔ خلیل و ذبیح میدان منیٰ میں تشریف لے جا رہے ہیں۔ حاجرہ بسترِ فراق و مہاجرت پر بے تاب ہیں۔ شیطان لعین کو خبر پہنچی کہ خلیل کا آج امتحان ہے۔ اور ان کے فرزند دلبند عنقریب ذبیح اللہ کے خطاب سے مشرف ہونے والے ہیں ؛

سوچتا رہا آخر یہ خیال دل میں جمایا کہ

کوئی ایسا مکر گانٹھنا چاہیئے۔ کہ خاندان خلّت ہی نیست و نابود ہو جائے۔ پھر دل میں سوچا کہ بہ نسبت مردوں کے عورتوں کی قوت کمزور ہوتی ہے۔ اور بالخصوص ماں کا دل اولاد کی طرف سے نہایت ہی رقیق واقع ہوا ہے۔ ہاجرہ

کو چل کر واقعہ کی صحیح خبر دوں۔ ممکن ہے ان کی واویلا۔ بے چینی اور بے تابی قدمِ خلیل کو صراطِ عشق سے متزلزل کر دے۔

ایک بزرگ صورت بن کر ہاجرہ کی خدمت میں حاضر آیا

اور رو کر کہنے لگا۔ ہاجرہ کچھ خبر بھی ہے تم لٹ رہی ہو اور بالکل لٹنے والی ہو۔ آپ نے متحیر ہو کر فرمایا آپ کون ہیں۔ اور یہ خیر خواہی کس معاملہ کی ہے۔ شیطان نے کہا اسمٰعیل کہاں ہے۔ آپ نے فرمایا دوست کے یہاں مہمانی میں اپنے باپ کے ساتھ گیا ہے۔ شیطان نے کہا تم غفلت نہ کرو ورنہ عنقریب اس کے رخسار خنجر آبدار سے گلنار ہو جائیں گے۔ اور گیسوئے مشکیں سنبل تاب خوناب نظر آئیں گے۔ ہاجرہ نے فرمایا اے بڈھے تو پیر مرد نہیں۔ شیطان معلوم ہوتا ہے۔ جو میرے دل میں اس کے باپ کی طرف سے یہ بدگمانی پیدا کر کے میرے دین و دنیا کو خراب کرنا چاہتا ہے۔ خلیل جیسا باپ اسمٰعیل جیسے فرزند دلبند کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ کوئی نہال میوہ رسیدہ کو باغ خلّت میں لگا کر اپنے ہاتھ سے کاٹ دے۔ شیطان نے کہا۔ ہاجرہ اس کا سبب یہ ہے کہ خلیل نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس کا محبوب حقیقی اس کے فرزند کے ذبح کا حکم کرتا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت ہاجرہ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو خلیل نے غلط نہ کہا۔ جب خدا کا حکم اس طرح ہوا ہے۔ تو ذبح کی دعوت حقیقی دعوت ہے اور ایسی دعوت پر ایک جانِ ہاجرہ کی کیا حقیقت ہزار جان ہاجرہ اور ہزارہا فرزندان و خان و مان فدا ہیں چل دور ہو خبیث تو دوست نما دشمن ہے

اس جواب سے ابلیس پر تلبیس مایوس ہو کر حضرت خلیل کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ ابراہیم! اسماعیل کے کمان ابرو پر ہزار جان فدا ہوں تو زیبا

ہے۔ تمہیں کیا ہوا ہے کہ محض خیال و خواب پر اپنے گھر کی شمع تاباں کو گل کرتے ہو۔ چراغ دودمان نبوّۃ اور روشنی دیدۂ محبت کو بجھاتے ہو۔ اس معاملہ میں ذرا غور کر لو۔ حضرت خلیل علی الفور تاڑ گئے کہ یہ مشورہ شیطانی ہے۔ تیر استعاذہ کو کمان لاحول پر رکھ کر اس کی طرف چھوڑا وہ اس تیر کی تاب نہ لا کر بھاگا اور پکار کر کہتا گیا کہ ابراہیم تیرا خواب شیطانی ہے پچھتائیگا۔ آپ نے جواب دیا کہ تو شیطان ہے تیرا داؤ انبیاء پر نہیں چل سکتا۔ خبیث میرا خواب کبھی شیطانی نہیں ہو سکتا وہ خواب رحمانی ہے اور جو حکم دوست نے مجھ کو دیا ہے وہ مشتمل بر حکمتہائے بیکران رازہائے نہاں ہے۔ شیطان پھر پکارا کہ خلیل انصاف سے کہو کہ ایسے لخت جگر کی ذبح کو تمہارا ضمیر اجازت دیتا ہے۔ حضرت خلیل کی آتش غضب مشتعل ہوئی۔ اور فرمایا اے مردود مطرود۔ جبکہ میں آگ میں ڈالا گیا تھا۔ تجھے معلوم ہے ملائکہ مقربین کی باتوں میں نہ آ کر اپنے محبوب کی رضاجوئی میں رہا۔ جبکہ تو ظاہر راندۂ درگاہ ہے تیرے دموں میں کیونکر آسکتا ہوں

قسم ہے جلال و جمال حسن محبوب کی

اگر مشرق سے مغرب تک میرے ایسے ہی لختِ جگر ہوں جیسا کہ اسمٰعیل ہے۔ تو حکم الٰہی کی تعمیل میں سب کو قربان کر دوں۔ شعر

جنونِ بے خودی میں پائے استقلال رکھتا ہوں ۔۔۔ صراطِ عشق سے لغزش نہیں کرتا قدم میرا

بالآخر ابلیس خسیس وسوسۂ خلیل جلیل سے محروم ہو کر حضرت ذبیح کی خدمت میں آیا اور عرض پیرا ہوا کہ اے غنچۂ گلستان رسالت وائے میوۂ بوستان عزت و جلالت کچھ خبر بھی ہے کہ تمہارا باپ تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہے اور کہاں لے جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا دوست کے یہاں مہمانی ہے۔ شیطان نے کہا اس نے غلط کہا وہ دوست کی مہمانی کو نہیں لے جا رہا ہے بلکہ تم کو ذبح کرنے جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ

کس قصور میں۔ عرض کی کہ محض خواب کی بنا پر کہ شب کو اُن کے خدا نے تمھاری ذبح کا حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا او پیر بد تدبیر تو شیطان دشمن انسان معلوم ہوتا ہے۔ اگر فرمان حضرت قدیم و قدیر اور حکم مالک الملک علی الکبیر سے یہ ارادہ ہے تو ایک جان اسمٰعیل کیا چیز ہے۔

ہزار جان فدا کرنے کو خود اسمٰعیل حاضر ہے

جانِ شیریں گر قبول چوں تو جانانے بود
کے بجانے باز ماند ہر کرا جانے بود

شیطان نے کہا صاحبزادے تم سے تحمل تکلیف تیغ آبدار مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا خبیث دور ہو۔ میں اپنے رب مجازی و حقیقی کے حکم سے سرتابی نہیں کروں گا۔ رباعی

دلدار من گفت کہ خونت ریزم
گفتم شرفِ من است ازان نگریزم
یک جان چہ بود ہزار جان بایستے
مے کشتی و بار دگر مے خیزم

شیطان نے پھر کچھ زور دے کر منع کرنا چاہا۔ آپ نے باآواز پکار کر خلیل اللہ سے فرمایا کہ ابّا جان! یہ خبیث بوڑھا گمراہ مجھے حیران کرتا ہے۔ آپ تشریف لائے۔ شیطان لعین فرار ہوا۔ آپ نے فرمایا جانِ پدر! یہ ابلیس روسیاہ ہے۔ یہ بدترین سگان درگاہ ہے۔ پتھر اٹھاؤ اور اس خبیث کو سنگسار کرو۔ یہ تین منارہ اب تک یادگار میں قائم ہیں۔ جہاں حاجی بعد حج رمی جمار سات سات کنکریوں سے کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا خبیث حضرت حق نے سچ فرمایا وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِىٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ط ہماری رحمت سے تو قیامت تک دور ہے۔

حتیٰ کہ پدر و پسر منیٰ میں پہنچ گئے اور ذبیح کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور

چھری رسی آستین سے باہر نکالی اور فرمایا اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ۔ میں خواب میں تمھاری ذبح کا حکم پاتا ہوں۔ کہو کیا رائے ہے۔ اسماعیل خوش ہو کر فرماتے ہیں یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ ابا جان جو حکم ہے ۔ اس کی فی الفور تعمیل کیجئے۔ اگر خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔

ابا جان کچھ خیال نہ کیجئے۔ اسماعیل جیسے ہزاروں ہو جائیں گے اور ربّ جلیل اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اس کا فراق چند روزہ ہے اور محبوب حقیقی کا صدمہ تا زیست بھی ہوگا۔ اب دیر نہ کیجئے۔ شعر

مرا سریست کہ خواہم فدائے پائے تو گردن　　قبول کن کہ جز ایں مایۂ دستگاہ ندادم

خلیل نے فرمایا۔ جانِ پدر، لختِ جگر کچھ وصیت کرنا چاہو تو کر لو۔ عرض کی ہاں تین وصیتیں قبول فرمایئے :۔

اوّل۔ وقت ذبح میرے ہاتھ باندھ دینا تاکہ دربار احدیت میں حاضر ہوتے وقت صدمہ تیغ سے ہاتھ مارتا نہ حاضر ہوؤں اور میرے خون سے آپ کا لباس مبارک آلودہ نہ ہو جائے شعر

گفتی کہ بر برزم از تو خون باکے نیست　　زاں می ترسم کہ دستت آلودہ شود

دوسری وصیت یہ ہے کہ وقت ذبح میرا سر زمین پر رکھ دینا۔ تاکہ میرے عجز و انکسار پر حضرت عزت کو رحم آ جائے اور وہ مجھے مقرب بنا لے۔ گرد آلودہ رُخ اور خاک فرسودہ جبیں دربار محبوب میں محبوب ہے۔

تیسری یہ کہ اولاد سے والدین کو انتہائی محبت ہوتی ہے۔ وقت ذبح اگر نظر سامی مجھ پر پڑی اور شفقتِ پدری نے ہاتھ روک دیا۔ تو میں ۔۔۔۔ شرف دعوۃ سے محروم رہ جاؤں گا۔ لہذا اپنا منہ پھیر لینا یا آنکھوں پر پٹی باندھ لینا۔ اور مکان پر

پہنچ کر والدہ کے سامنے یوں ہی نہ تشریف لے جانا۔ اس لئے کہ جب اس مادرِ فراق دیدہ ہاجرۂ ہجران کشیدہ کی نظر صرف آپ پر پڑے گی اور میں نہ ہوں گا تو وہ بے تابی سے از خود رفتہ ہو جائیں گی۔ ان سے سختی نہ کرنا۔ درشتی سے جواب نہ دینا۔ کہ فراق فرزند بغایت اشد ہوتا ہے۔ تلطف و ولداری سے تسکین کر دینا۔ اور میرا سلام انہیں پہنچا دینا۔ اور میری طرف سے فرما دینا کہ اسماعیل ذبیح نے بعد سلام عرض کیا ہے کہ درد فراق کے ایام صبر سے گزارنا کہ محبوب حقیقی صابر دل کو دوست رکھتا ہے۔

مختصر یہ کہ تمام وصایا ابراہیم علیہ السلام نے منظور فرما کر دست و پا اسماعیل حسب وصیت باندھے۔ ملاء اعلیٰ میں شور مچ گیا سبوحیان عرش کے دل ہل گئے

شعر

غلغلہ در گنبد خضرا افتاد ولولہ در قبۂ مینا فتاد

فرشتے اس منظر خونی کو دیکھ دیکھ کر لرز رہے تھے۔ حوران بہشتی جنت کے جھروکوں سے اس بے نیازی کا مشاہدہ کر کے کلیجہ تھامے محو حیرت تھیں۔ ملائکہ جناب الٰہی میں عرض کر رہے تھے کہ الٰہی ابراہیم کتنا صابر بندہ ہے کہ تیری رضا میں سر تسلیم خم کئے آگ میں گرا اور قدم شکیبائی ذرا پیچھے نہ ہٹایا۔ اب اپنے نونہال گلشن نبوت کو تیری رضا جوئی میں اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے کو تیار ہے۔ ارشاد ہوا کہ اسی وجہ سے ہم نے اسے خلعت خلّت پہنایا اور ساغر محبت پلایا ہے:

رباعی

ہر کہ با عشقِ مادر آمیزد ز غم وابتلا نہ پرہیزد
در بر و صد ہزار تیغ کشیم بکند سر فداؤ نگریزد

ایک روایت میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے تیغ تیز سے

حلقوم اسماعیل کاٹنا شروع کیا۔ ستّر بار چھری چلائی۔ مگر پوست وگوشت ورگ حلقوم پر ذرا اثر نہ ہوا۔ خلیل غصّہ میں آئے اور چھری ہاتھ سے پھینک دی اور فرمایا تو میرا حکم کیوں نہیں مانتی۔ چھُری نے زبانِ حال سے عرض کیا۔ ابراہیم غصّہ نہ فرمایئے اَلْخَلِیْلُ یَاْمُرُنِیْ بِالْقَطْعِ وَالْجَلِیْلُ یَنْہَانِیْ۔ میں حیران ہوں کیا کروں آپ کاٹنے کا حکم فرماتے ہیں اور رب جلیل ممانعت فرماتا ہے۔ کس کا حکم بجا لاؤں۔ مجھے آپ کے حکم کے مقابلے میں خدا کا حکم ماننا ضروری ہے۔

خلیل نے فرمایا تیرا کام کاٹنا ہے۔ تُو کاٹنے کو بنائی گئی ہے۔ چھری نے عرض کیا۔ آگ بھی جلانے کو بنی ہے۔ پھر آپ کو کیوں نہ جلایا۔ شعر

اگر تیغ عالم بجنبد زجائے نہ برد رگے تا نخواہد خدائے

فرشتوں میں گفتگو شروع ہوئی کہ خلیل انتہا درجہ کے سخی ہیں کہ اپنے فرزند دلبند کو فدا کر رہے ہیں۔ اور اسماعیل زبردست شجاع، دلیر اور جواں مرد بھی ہیں۔ کہ رضائے الٰہی میں جان عزیز جیسی چیز فدا کرنے کو تیار ہیں۔ جناب الٰہی کی طرف سے جواب ملا کہ نہ وہ سخی یکتا۔ نہ وہ جوانمرد بے ہمتا۔ ہم سب سے زیادہ جواد ہیں۔ کہ بغیر ذبح اسماعیل کو ذبیح بناتے ہیں۔ بغیر قربانی کئے ابراہیم کی قربانی قبول فرماتے ہیں۔ جبریل جاؤ اور ایک مینڈھا ابراہیم کے زیر زانو ذبح کرادو اور ہماری طرف سے بشارت دو کہ

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا۔ ابراہیم تمہارا خواب سچا ہو گیا

تمہارا جو کام کرنے کا تھا کر چکے۔ ہمارا کام جوادی کا تھا ہم کرتے ہیں۔ تم نے شرط فرمبرداری پوری کی۔ تم بیشک ہمارے خلیل ہو اور یہ ہمارے ذبیح۔ جس کا تذکرہ

قرآن کریم میں ہے۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ یعنی جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا۔ ہم نے ندا دی کہ اے ابراہیم بیشک تو نے خواب سچ کر دیا اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۵ ہم ایسا ہی صلہ نیکوں کو دیتے ہیں۔ بیشک یہ کھلی بلا تھی اور امتحان۔ ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے صدقہ میں دے کر اُسے بچا لیا۔ یعنی مینڈھا ذبح کرا دیا۔ حضرت ابراہیم نے آنکھوں سے پٹی کھول کر دیکھا تو اسماعیل کی بجائے مینڈھا ذبح ہوا پڑا ہے۔ جبرئیل نے عرض کی اے خلیل جلیل خدائے برتر آپ کو مبارک باد دیتا ہے۔ اور آپ کے فرزند کی قربانی قبول فرماتا ہے۔ اور خلعت خلّت سے آپ کو مشرف کرتا ہے۔ صاحبزادہ کے ہاتھ پیر کھولتے اور اُسے سلام الٰہی پہنچایئے۔ خلیل نے فرطِ مسرت سے سجدہ شکر الٰہی کیا اور ذبیح کو فرمایا بیٹا تم کو بذریعہ جبرئیل صبر و رضا کے صلہ میں سلام الٰہی آیا ہے۔ اور ارشاد ہے کہ اسماعیل تیغ بلا پر صبر کرنے کے صلہ میں ہم تمہیں مستجاب الدعوات فرماتے ہیں مانگو۔ جو مانگو گے پاؤ گے۔

ذبیح نے ہاتھ اُٹھائے اور عرض کی

الٰہی! نبی آخرالزمان کے جاں نثار جو محض اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے شہید ہوں۔ ان کے گناہ مجھے عطا فرما دے۔ جواب ملا۔ اسمٰعیل

اے محبوب و خلیل جلیل تمھاری مراد بر آئی

چوں شدی از صدقِ دل قربانِ ما　　سر نہ پیچیدی تو از فرمانِ ما

شدد عاہائے تو دردم مستجاب　　　عاصیاں راازتو باشد فتح باب

اے میرے ذبیح تیری وجہ میں نے گناہگارانِ اُمّت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بروز قیامت ہم نے مغفور کئے۔ امام علی بن موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب جناب الٰہی کی طرف سے فدائے اسماعیل کا معاوضہ گوسفند پر ہوگیا۔ تو خلیل کے دل میں خطرہ پیدا ہُوا کہ اگر اسماعیل ہی میرے ہاتھ سے ذبح ہوتا۔ تو بہ نسبت اس فدیہ کے ثوابِ عظیم ملتا۔ جناب الٰہی نے بذریعہ وحی خلیل سے دریافت فرمایا کہ تمام عالم میں کس کو زیادہ عزیز رکھتے ہو۔ خلیل نے عرض کی۔ تیرے حبیب لبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ ارشاد ہوا۔ انہیں دوست رکھتے ہو یا خود کو۔ عرض کی۔ الٰہی ان کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ ارشاد ہوا ایک ان کے جگر گوشوں کو زیادہ محبوب رکھتے ہو یا اپنے لختہائے جگر کو۔ عرض کیا ان کی اولاد کو پیارا رکھتا ہوں۔ ارشاد ہوا ایک ان کے فرزند دلبند کو غریب الوطنی بمصیبت زندگی بیکسی۔ تشنہ کامی کی حالت میں ہم شکار تیر بلا بنا کر جور وجفائے ستمگاران سے بھوکا پیاسا میدان کربلا میں شہید کرائیں گے۔ ابراہیم خلیل اس خبر کے سنتے ہی زار وقطار اشکبار ہوئے۔

ارشاد ہُوا کہ خلیل جو

ان کے غم میں روئے گا۔ اسے ثواب اس قدر ہم عطا فرمائیں گے۔ جتنا کہ تمھیں تمھارے فرزند کی قربانی میں عطا ہوا ہے۔ اور ماتم وسینہ کوبی مسلمان کو جائز نہیں۔

علامہ سہل بن عبد اللہ تستری فرماتے ہیں کہ عاشورہ کے دن غمِ حسین میں میں بہت رویا۔ دِل میں کہا کاش اس . . . .

دن تو کربلا میں ہوتا۔ تو اس شہنشاہ شہداء کے آگے اپنا خون بہاتا۔ اب رونے سے کیا حاصل ہے۔ میں نے اس خطرہ کی تصدیق کی اور اس افسوس پر رو دیا۔ شب کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ رونق بخش کلبۂ احزان ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے سہیل قسم ہے عزت وجلال ذوالجلال کی تیرا ایک قطرۂ اشک بھی جو میرے فرزند دلبند کے غم میں نکلا ضائع نہیں گیا اور یہ رونا جو تو آج رویا ہے۔ اس کا ثواب اس قدر بے حد ہے کہ محاسبان تختۂ خاکی و مستوفیان دفتر افلاکی کے حصر وحساب سے باہر ہوگا۔ یہ رونا دُرہائے اجر پر رونا ہے اور ماتم کرنا ان موتیوں کے ہاروں کو پراگندہ کرنا

بیادِ حسین رضؓ علی رضؓ گریہ کن | کہ زین گریہ پیدا شود آبروئے
ہر آں نامۂ کز خطا شد سیاہ | بدیں گریہ کردن تواں شست وشو

بعض احادیث میں وارد ہے کہ شہزادۂ کونین سیّدنا حسین سیدالشہداء رضی اللہ عنہ روز قیامت عرصۂ محشر میں خون آلودہ چہرہ لے کر تشریف لائے اور جنابِ الٰہی میں عرض کریں رَبِّ شَفِّعْنِیْ فِیْمَنْ بَکیٰ عَلیٰ مُصِیْبَتِیْ۔ الٰہی میری شفاعت اُس شخص کے حق میں قبول فرما۔ جو میری مصیبت کو یاد کر کے گریہ کناں ہوا۔ اگر شریعت مطہرہ میں ماتم اور سینہ کوبی کی بھی اصل ہوتی تو فِیْمَنْ بَکیٰ کے بجائے فِیْمَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ آتا۔ پس ثابت ہوا کہ اسلام میں غم و آلام پر گریہ رحمت ہے اور ماتم لعنت ؛؛

یعقوب علیہ السلام

پر بھی مصائب کچھ کم نہ آئے۔ ان کا سب میں بڑا صدمہ فراق فرزند دلبند یوسف

علیہ السلام ہے۔ جس کا مفصل تذکرہ سورۃ یوسف میں مذکور ہے۔ اس سورۃ کے شانِ نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعضے اس طرف گئے ہیں کہ خبر شہادت حسین تسکین قلب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے یہ سورۃ نازل ہوئی۔ چنانچہ صاحب روضۃ الشہدا اس کا نزول یوں لکھ رہے ہیں کہ ایک روز آقائے مدینہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معہ صحابہ رونق افروز تھے کہ لولو مرجان یعنی حسن و حسین علیہم السلام تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں گود میں بٹھالیا اور جبین مبارک چومنا شروع کی کہ روح الامین بحکم رب العالمین حاضر دربار ہوئے اور عرض کیا کہ حکم الٰہی ہے کہ اَتُحِبُّهُمَا کیا حسن و حسین کو دوست رکھتے ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں اَوْلَادُنَا اَكْبَادُنَا یہ دو لختِ جگر ہیں یا دونوں نور البصر فرزند ارجمند ہیں یا جگر گوشہ دلبند جبریل نے عرض کی۔ کہ دونوں میں سے کس کو زیادہ محبوب رکھتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل دونوں دُرِ یک صدف ہیں۔ دونوں بدرِ یک آسمان شرف ہیں۔ حسن و حسین نگہبان ایک مدینہ۔ ایک بادبان یک سفینہ ہیں۔ دونوں سرِ یک باغ ہیں۔ دونوں نورِ یک چراغ ہیں۔ اس لئے یہ دونوں جگر گوشہ رسول اور توشۂ دل بتول ہیں۔ میں تو دونوں کو محبوب رکھتا ہوں۔ جبریل نے عرض کی۔ حضور ربّ جلیل فرماتا ہے کہ اے محبوب تمہیں کیا خبر نہیں عنقریب تمھارے بعد دونوں نونہال زہر و قہر سے شہید ہوں گے۔ ایک زہر پلائے جائیں گے۔ دوسرے نہ تیغ بے دریغ فرمائے جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آبدیدہ ہو کر فرمایا یَا اَخِیْ جِبْرَئِیْلُ مَنِ الْفِعْلُ بِهِمَا۔ جبریل یہ تو بتاؤ کہ میرے جگر گوشوں کے ساتھ یہ بے رحمی کون کرے گا۔ جبریل نے عرض کی حضور کے امتیوں کی ایک جماعت۔ آپ نے فرمایا یُؤْمِنُوْنَ بِیْ وَیَرْجُوْنَ شَفَاعَتِیْ۔ یہ جماعت مجھ پر ایمان لا کر میری شفاعت کی امید کرتے ہوئے ایسا کرے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبریل کس قصور میں حسن کو زہر اور حسین کو بلوائے قہر میں قوم مبتلا کرے گی۔ عرض کی حضور کوئی قصور و خطا نہ ہوگا۔ بلا سبب

تابانی انوار نبوت سے حسد کر کے ایسا کریں گے۔ جیسا چاند کہ بے قصور ہے۔ مگر کتے اس کی تابانی کی تاب نہ لا کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں شعر

مہ فشاند نور سگ عو عو کند ہر کسے بر خلقتِ خود مے تند

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جفائے امت بے دین سے گریاں ہوئے۔ تو روح الامین اس سورۂ مبارکہ کو تسکین دل محزون کے لیے لائے۔ صاحب تفسیر حسینی یوں فرماتے ہیں کہ شان نزول اس سورہ مبارکہ کا یہ ہے۔ کہ یہود نے مشورہ کیا۔ کہ سبب انتقال آل یعقوب علیہ السلام دریافت کریں کہ وہ کیوں شام سے مصر گئے تو یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی۔ اور صاحب جواہر التفسیر فرماتے ہیں۔ کہ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ لَوْ قَصَصْتَ عَلَيْنَا۔ اگر ہم پر قصہ فرمائے جائیں تو اچھا ہو۔ تو یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی اور فرمایا نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ یعنی ہم بیان فرماتے ہیں آپ پر نفیس قصہ اس لیے کہ ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی وحی بھیجی ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے تمہیں بے شک خبر نہ تھی إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ۔ جبکہ کہا یوسف نے اپنے باپ سے اس وقت یوسف علیہ السلام کی عمر مبارک بارہ سال کی تھی۔ شب میں آپ اپنے والد کے پہلو میں آرام گزیں تھے کہ یکایک چونک پڑے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ بیٹا کیا بات ہے۔ عرض کی ابا جان میں نے عجیب و غریب خواب دیکھا ہے وہ یہ کہ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ۔ گیارہ ستارے اور آفتاب اور ماہتاب ہیں۔ اور میں ایک بلند پہاڑ پر ہوں۔ جس کے گرداگرد نہریں جاری ہیں اور سبز درخت ہیں اور وہ ستارے اور نیّرین مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ یوسف

مرتبہ رفیعہ پانے والا ہے اور گیارہ ستارے ان کے گیارہ بھائی ہیں - اور چاند وسورج ماں باپ - ان کی تعظیم کریں گے - مگر خوف سے کہ بھائی اس خبر سے کہیں رنج نہ کریں فرمایا قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ کہ اے میرے بچے اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہنا کہ وہ تمھارے ساتھ کوئی چال چلیں - بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ اور اسی طرح تم کو اعزاز نبوت کے لیے چن لیا ہے - تمھارے رب نے اور سلطنت رسالت کے واسطے مخصوص کر کے وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ تمھیں سکھائے گا حقائق ودقائق کتب منزلہ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ اور تمام کرے گا اپنی نعمتیں کہ متعلق بہ نبوۃ ہیں تم پر اور فرزندان یعقوب پر جو تمھارے بھائی ہیں - جیسے کہ پوری کیں ہم نے نعمتیں تمھارے دونوں باپ ابراہیم واسحاق پر تم سے پہلے یعنی تمھارے اجداد پر بے شک تمھارا رب زبردست دانا اور حکمت والا ہے -

اس کے بعد قصہ یوسف علیہ السلام ذکر فرمایا - اصل قصہ یہ ہے کہ حضرت یوسف کے گیارہ بھائی تھے ایک علینی یعنی ایک ماں سے ان کا نام بنیامین تھا اور چھ خالہ زاد بھائی مسمیان یہودا - روبیل - شمعون - لاوی - زیالون - یشجر تھے - اور چار علاتی جن کے نام ازد - سرہیہ - جاد - اسر تھے -

صاحب تفسیر حسینی تحریر فرماتے ہیں کہ جب یوسف علیہ السلام نے خواب مذکورہ بیان فرمانے کا عزم کیا اور یعقوب علیہ السلام نے اس کے کتمان کی وصیت فرمائی - تو بعض بھائیوں کی بیویاں اس قصہ کو سن رہی تھیں - جب

شام کو تمام بھائی گھر میں جمع ہوئے تو انہوں نے اپنے شوہروں سے قصۂ خواب یوسف اور وصیت یعقوب علیہما السلام مفصل کہہ دیا۔ ان کے دل میں ۔ ۔ ۔ رشک و غیظ بھڑکی اور علاتائی بھائی خاص طور پر متاثر ہوئے اور سب بھائیوں کو جمع کر کے کہنے لگے۔ جس کا تذکرہ قرآن پاک میں ہے اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ کہ جب بولے وہ سب کہ بے شک یوسف اور اُس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارا ہے۔ حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں اور کام کرتے ہیں اور یہ دونوں یعنی یوسف و بنیامین خورد سال ہیں۔ اس معاملہ میں ہمارے باپ کھلی وارفتگی میں ہیں۔

صاحب تفسیر تیسیر القرآن علامہ مخدوم علی مہائمی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جب شیطان لعین نے بھائیوں کے خیالات ایسے پائے تو خوش ہوا اور پیر مرد کی صورت بنا کر ان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ یوسف تمھیں عنقریب اپنا غلام بنانا چاہتا ہے۔ سب نے ایک دردمند سمجھ کر اس کی طرف رجوع کیا اور پوچھا کہ بڑے میاں ہمیں بتایئے اس ذلت سے کیونکر خلاصی ممکن ہے۔ اُس خبیث نے کہا اُقْتُلُوْهُ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ یوسف کو قتل کر ڈالو یا کہیں زمین میں پھینک آؤ تاکہ تمھارے باپ صرف تمھاری طرف متوجہ رہیں اور اس کے بعد توبہ کر کے نیک ہو جانا۔ یہاں یہ بھی ذہن نشین کریں۔ ضروری ہے کہ صالحین دو قسم کے ہیں ایک وہ جو صالح بن جاتے ہیں۔ دوسرے وہ جو بذریعہ دعا صالح ہوتے ہیں رَبِّ اجعلنی من الصّالحین جن کی یہ دعا مستجاب ہوتی ہے وہ صحیح صالح ہیں اور جو سب کچھ کرتے بھی ہیں اور صالح بنتے ہیں ان میں اور ان میں بعد بعید ہے۔ اس کو سن کر سب نے اتفاق کیا۔ مگر ایک

نے ان بھائیوں سے کہا کہ یہ کید شیطانی معلوم ہوتا ہے۔ کہ قتل نفس غیر عاصی کی رائے ہے۔ میری رائے میں قتل نہ کیا جائے کہ قتل بے گناہ گناہ عظیم ہے۔ بلکہ اَلْقُوْہُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ۝ اگر کرنا ہی چاہتے ہو تو یوسف کو کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو کہ کوئی چلتا ہوا اسے لے جائے چنانچہ سب نے اس رائے پر اتفاق کیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

ابا جان! فصل بہار ہے۔ زمین پر ہر سمت سبزہ زار ہے

سنبل سر نافہ باز کردہ　　گل دست بر در از کردہ

سیرابی سبزہ ہائے نوخیز　　از لولو زمرّد انگیز

کیا وجہ ہے کہ یوسف کو ہمارے ساتھ جنگل کی سیر کے لیے آپ نہیں بھیجتے؟ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا۔ میں خوف کرتا ہوں کہ تم اُسے لے جاؤ اور میں رنج و عنا میں پڑ جاؤں۔ مجھے معاف کرو۔ میں اُسے نہ بھیجوں گا ؎

باپ کی طرف سے جب مایوس ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔ بھائی تم یہاں پڑے کیا کر رہے ہو۔ ہمارے ساتھ چلو۔ دیکھو جنگل میں کیسی بہار ہے ؎

موسم گل دو سہ روز بست غنیمت دانید　　کہ دگر نوبتِ تاراج خزاں خواہد بود

حضرت یوسف خورد سال ان کی چال نہ سمجھے اور سب بھائیوں کو ہمراہ لے کر خدمت یعقوب علیہ السلام میں اجازت لینے حاضر آئے اور عرض کی ؎

زین تنگنائے خلوتم خاطر بصحرا مے کشد

کز بوستاں باد سحر خوش می دہد پیغام را

سوالِ اجازتِ یوسف سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام متفکر ہو کر خاموش ہوئے تھے کہ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى یُوْسُفَ وَ اِنَّا

لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ سب بھائی کہنے لگے کہ ابّا جان آپ کو کیا ہم امین معلوم نہیں ہوتے۔ حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔ کل اُسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ میوے کھائے اور کھیلے اور ہم اس کے نگہبان رہیں گے قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝ آپ نے فرمایا بیشک مجھے رنج دیگا یہ کہ تم اسے لے جاؤ۔ میں ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے بے خبر رہو قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ سب نے کہا اگر اسے بھیڑیا کھا جائے باآنکہ ہم ایک جماعت ہیں تو پھر ہم کسی مصرف کے نہیں۔

یہاں یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے۔ کہ نبی کو اللہ تعالیٰ آنے والی باتوں سے مطلع فرماتا ہے اَكَلَهُ الذِّئْبُ کا یہاں واہمہ بھی نہ تھا۔ لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نے نورِ نبوّت اور فراستِ علم سے جان لیا کہ یہ لے جا کر واپس آکر یہ بہانہ تراشیں گے۔ بالآخر جب بھائیوں کا اصرار حد درجہ کا دیکھا اور یوسف علیہ السلام کا میلانِ طبع بھی پایا۔ تو مجبوراً حسبِ رواج وطریقۂ زمانہ یوسف علیہ السلام کو غسل دیا۔ گیسوئے مشکیں سنوارے نئے کپڑے پہنائے۔ وہ قمیص حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہنایا جو بہشتِ بریں سے روح الامین لاکر بوقتِ القاءِ نارِ نمرود آپ کو پہنا گئے تھے اور میراث میں آپ کا حصّہ ہُوا تھا۔ اور ایک تعویذ آپ کے بازو پر باندھا اور دروازہ شہر کنعان تک جہاں ایک درخت شجرۃ الوداع کے نام سے مشہور تھا پہنچانے آئے۔ اور وقتِ رخصت حضرت یوسف کو پہلو میں لے کر گریہ کناں خوب سینہ سے لگایا۔ اور سب کو رخصت کرنا شروع کیا۔ یوسف علیہ السلام نے جو پدرِ مشفق کو گریہ کناں دیکھا۔ خود بھی رونے لگے اور عرض کی ابّا جان! بسببِ

گریہ کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا۔ بیٹا اس روانگی میں مجھے زبردست مصیبت نظر آتی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ انجام کیا ہو مگر خیر لا تنسانی فانی لا انساک مجھے نہ بھول جانا کہ میں بھی تمھیں نہ بھولوں گا ع

فراموشی نہ شرط دوستانست

پھر آپ نے تمام برادران یوسف کو ان کی حفاظت کے متعلق کافی تاکید فرما کر رخصت کیا۔ انھوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے دکھانے کو یوسف علیہ السلام کو کندھے پر اٹھا لیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کھڑے دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ نظر سے غائب ہو گئے۔ آپ گریاں وحیراں اسی مقام پر تشریف فرما رہے فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ پھر جب یوسف علیہ السلام کو لے گئے اور سب کی یہی رائے ٹھہری کہ اسے اندھے کنوئیں میں ڈالیں تو ہم نے یوسف کو وحی کی کہ جلدی تو انہیں ان کی خطا جتا دے گا۔ ایسے موقعہ پر کہ وہ اس وقت محض بے خبر ہوں گے۔

چنانچہ باپ کی تمام وصیتیں ایک طرف رکھ کر حضرت یوسف کو کندھے سے نیچے پھینک دیا۔ اور کہا ہاں ذرا بتاؤ وہ خواب تیرا کیسے سچا تھا۔ وہ گیارہ ستارے جو ہم تعبیر میں بتائے گئے تھے کیونکر سجدہ کرتے ہیں ؟ آج اس خواب کو سچا کر اور ہم سے اپنے کو بچا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ بھائیو مجھ پر ظلم نہ کرو۔ میری خورد سالی، کمزوری پر رحم چاہیئے۔ میں تمہارا چھوٹا بھائی ہوں۔ تم میرے بڑے بھائی ہو۔ انھوں نے اس ماہ کنعان کے عجز و انکسار کی طرف اصلا التفات نہ کیا۔ بلکہ سمند ناز پہ یہ اور تازیانہ ہوا۔ کہ اس ماہ برج یعقوب علیہ السلام کے روئے رنگین پر طمانچہ مارا۔ اور بجائے کھلانے پلانے کے آپ کو بھوکا پیاسا پیر پکڑ کر گھسیٹنا شروع کیا۔

جب اس مبتلائے حُسن کی حالت قریب بہلاکت پہنچی۔ تو یہودا سے نہ رہا گیا۔ وہ بولا کہ ہمارے تمہارے درمیان یہ طے پا چکا تھا۔ کہ جان سے ہلاک نہ کریں گے۔ تم نے عہد شکنی کی۔ ہٹو۔

یہ کہہ کر اُس خورشید کنعان کو جو غروب ہو رہا تھا اپنی گود میں لے لیا۔ تو سب کے دھواں دار غصّہ پر اوس پڑی اور سب نے جمع ہو کر ایک کنواں تلاش کیا جو کنعان سے تین فرسخ کے فاصلہ پر تھا۔ بعض روایات میں ہے۔ کہ حوالی بیت المقدس میں تھا۔ بعض کا قول ہے کہ زمین اردن میں تھا۔ ستّر گز گہرا۔ منہ تنگ اندر سے فراخ۔ آپ کو وہاں لائے۔ یوسف علیہ السلام کو کچھ ہوش تھا۔ جب آپ نے دیکھا کہ کنوئیں میں ڈالتے ہیں۔ تو آپ ہر ایک بھائی کے آگے ہاتھ جوڑتے اور عرض کرتے کہ مجھے کنوئیں میں نہ ڈالو۔ مگر انہوں نے رسّی سے ہاتھ پیر باندھ کر کنوئیں میں چھوڑا ؎

نہ اور امو نسے نے غمگسارے   نہ غم خوارے نہ دلدارے نہ یارے

آپ کے قمیض مبارک کا دامن کنوئیں کے ایک پتھر سے اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ بعد میں اُنھوں نے اُسے لے لیا۔ اور جب نصف حصّہ چاہ میں آپ پہنچے تو رسّی کاٹنی چاہی کہ جناب الٰہی کی طرف سے جبریل کو حکم ہوا اَدْرِكْ عَبْدِی جبریل قبل اس کے کہ ہمارا بندہ کنوئیں کی ضرب سے جان دے اسے سنبھالو۔ روح الامین حاضر آئے اور آپ کو گرتے گرتے سنبھالا اور کنوئیں کی کوٹھی پر بٹھا دیا۔ اور طعام و شراب بہشت آپ کو پیش کیا اور بذریعہ وحی بشارت ہوئی کہ یوسف گھبرانا نہیں۔ بہت جلدی ہم تمھیں اس کنوئیں سے نکال کر مسند جاہ و حشم پر متمکن فرمائیں گے اور تمھارے ان بھائیوں کو حاجت مند کی شکل میں تمھارے سامنے پیش کریں گے۔ ایسی صورت میں وہ تمھیں نہ پہچانیں گے۔ اس وجہ سے

کہ تم مسند رفیعہ پر متمکن ہو گئے اور ان کا گمان یہ ہو گا کہ معاذ اللہ تم کہیں ہلاک ہو چکے یا کسی کے غلام ہو۔

صاحب روضۃ الشہداء لکھتے ہیں کہ فرزندان یعقوب علیہ السلام اس شب کنعان کو واپس نہ لوٹے اور یعقوب علیہ السلام تمام دن اسی مقام پر منتظر استقبال یوسف رہے اور شجرۃ الوداع کے سایہ میں بیٹھ کر جوں جوں شب ہوتی آپ اُچک اُچک کر دیکھتے۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ آپ کی ایک بیٹی تھیں۔ وہ بھی وقت شام یعقوب علیہ السلام کے پاس آگئیں۔ آپ نے ہمشیرۂ یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر فرمایا ؎

آمد نمازِ شام و نیامد نگار ما   اے دیدہ پاس دار کہ خوابم حرام شد

صاحبزادی کا نام دینا تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا۔ دینا تمہارے بھائیوں کو کیا ہو گیا کہ اب تک نہ آئے ؎

یارب چہ شد امروز کہ آں ماہ نیامد   جاں رفت زتن واں بتِ دلخواہ نیامد

دینا نے اوّل تسلّی تشفّی کی باتیں کیں۔ مگر جب وقت زیادہ گزر گیا اور روئے زیبا یوسف یاد آتا رہا آخرش یعقوب علیہ السلام معہ صاحبزادی کے شب بھر اسی جگہ رہے اور بار بار نیچے سے اِدھر اُدھر دیکھتے رہے اور انتظار کرتے رہے اور جناب الٰہی میں خیریت یوسف کی دعا کرتے۔ ادھر برادران یوسف ایک مقام پر شب باش ہوئے کہ نوم غریق آگئی۔ مگر یہودا کو نیند نہ آئی۔ یہ اٹھا اور کنوئیں پر جا کر پکارا اَخِیْ یُوْسُفُ اَحَیٌّ اَنْتَ اَمْ مَیِّتٌ اے بھائی یوسف تو زندہ ہے یا مر گیا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا تو کون ہے جو مصیبت زدہ کا حال پوچھتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں تیرا بھائی یہودا ہوں۔ آپ رونے لگے اور بولے بھائی اس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو جو بدر شفیق تن برہنہ۔ لب تشنہ اور گرسنہ دل خستہ ہوں میرے رب کے سوا یہاں کوئی مونس ہے نہ یار نہ غمگسار میں نہ زندوں میں ہوں نہ قبرستان کے مردوں میں۔

یہودا نے یہ درد بھری آواز سُن کر ایک چیخ ماری اور غریبی و بے کسی یوسف پر بہت رویا۔ یہودا چونکہ بلند آواز تھا۔ اس کی آواز سے اس کے تمام بھائی بیدار ہو گئے اور دوڑتے ہوئے اس طرف آئے۔ دیکھا کہ یہودا برسر چاہ گریہ کناں ہے۔ اُسے بہت کچھ ملامت کی۔ اب یوسف علیہ السلام کنوئیں میں ہیں اور آپ کے بھائی واپس لوٹے۔ راستہ میں ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے اس کے خون میں دامن قمیص رنگ کر
وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۝ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ط اور دوسرے دن صبح ہوتے ہی اپنے باپ یعقوب علیہ السلام کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے ابا جان! ہم بھاگتے کھیلتے دور نکل گئے اور یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑ گئے تھے تو اُسے بھیڑیا کھا گیا اور یقین کرتے ہیں کہ ہم کتنے ہی سچے ہوں۔ مگر آپ ہمارا یقین نہیں کریں گے۔ اور اس کے کرتہ پر ایک جھوٹا خون لگا لائے قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بچو! تم جو کہتے ہو وہ ہوا ہو گا۔ مگر تمہاری من گھڑت بات تمہارے آگے ہیں۔ لیکن اب صبر ہی ہمارا کام ہے اور اللہ ہی ہمارا مددگار ہے۔ اس کی تصدیق و تکذیب میں جو تم کہہ رہے ہو۔

اس کے بعد یوسف علیہ السلام تین روز کامل اس کنوئیں میں رہے۔ چوتھے روز علی الصبح وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ط قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ط وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ایک قافلہ آیا۔ اُنھوں نے اپنا آدمی پانی لانے والا بھیجا تو اس نے اپنا ڈول ڈالا۔ یہ ڈول ڈالنے والے مالک ابن عمر خزاعی اہل مدین سے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام

کو بذریعہ وحی حکم ہُوا کہ ڈول میں بیٹھ جایئے۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں۔ کہ جب ڈول کھینچنا شروع ہُوا تو درودیوار چاہ، فراق یوسف علیہ السلام میں نالاں تھیں۔ انیس المریدین میں ہے کہ مالک ڈول کھینچتے وقت حیران تھے۔ کہ اتنا وزن ڈول میں کیوں ہے۔ آپ نے جُھک کر دیکھا تو بجائے آب چاہ کے قمر کنعان یا خورشید یعقوب علیہ السلام جلوہ کناں نظر آیا۔ آپ پکارے یٰبُشْرٰی ھٰذَا غُلٰمٌ مبارک ہو بجائے پانی کے لڑکا آرہا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ بشریٰ آپ کے ہمراہی کا نام تھا۔ اُسے اعانت کے لیے بلایا اور فرمایا ھٰذَا غُلٰمٌ بہرکیف آپ کنوئیں سے باہر لائے گئے ؎

چو آں ماہ جہاں از چاہ بر آمد　　زجانش بانگ یا بشرای بر آمد
بشارت کز چنیں تاریک چاہے　　برآمد پس جہاں افروز ماہے

اور یوسف علیہ السلام کو ایک تحفہ سمجھ کر اہل قافلہ سے پوشیدہ کر کے رکھ لیا اور خدا سب کچھ جانتا ہے جو کچھ وہ کر رہے تھے۔ اس قافلہ کی طرف برادرانِ یوسف آگئے۔ دیکھا کہ یوسف ان میں موجود ہے۔ کنوئیں سے نکال لیا گیا۔ زبان عبری میں آپ سے کہا جو کچھ ہم کہیں اس پر خاموش رہنا ورنہ ہم قتل کر دیں گے۔ آپ خاموش رہے اور برادرانِ یوسف علیہ السلام نے مالک بن عمر خزاعی سے کہا کہ یہ ہمارا غلام نافرمان ہے۔ کام میں دل نہیں لگاتا۔ ہم سے بھاگ آیا ہے۔ تم نے کیسے لیا؟ مالک نے کہا جو کچھ زرِ نقد تم چاہو مجھ سے لے لو۔ انہوں نے اس شرط سے فروخت روا رکھی کہ اُسے دوسرے ملک میں لے جانا۔ مالک نے اقرار کیا۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۝

چنانچہ مالک بن عمر خزاعی نے بہت کم قیمت میں یوسف کو خرید لیا۔ ثمن بخس عربی میں اس رقم کو کہا جاتا ہے جو چالیس کی تعداد سے کم ہو۔ مالک نے اپنے پاس

درہم گنے تو سترہ درہم نکلے یا بیس۔ بہرکیف برادران یوسف علیہ السلام نے دو دو درہم تقسیم کر لئے۔

صاحب وسیط تحریر فرماتے ہیں کہ یہودا نے ان درہموں سے کچھ نہ لیا۔ بالآخر مالک نے یوسف کو خرید لیا اور برادران یوسف کو یوسف کی فروختگی کا کچھ خیال نہ تھا۔ مالک یوسف کو مصر لائے۔ یہ زمانہ مصر میں سلطنت ریان بن ولید عمالقی کا تھا اور اس سلطنت کا مدار المہام قطفیر یا اطفیر مصری تھا۔ جس کو عزیز مصر کے نام سے مشہور کیا جاتا تھا۔ جب شہرت کاروان بدیں مصر میں ہوئی تو گماشتگانِ عزیز نے عزیز سے حسن و جمال یوسف کا تذکرہ کیا۔ اس کی بیوی جس کا نام راعیل تھا۔ اور مشہور لقب زلیخا۔ صاحب عین المعانی اس نام کا حلیہ لکھتے ہیں۔ زلیخا بفتح زاد فتح لام اور صاحب دار السنۃ بفتح زاد کسر لام بتاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ جب عزیز مصر نے خبر غلام حسین و جمیل سنی مالک بن عمر خزاعی کو حکم بھیجا کہ اسے نخاس میں لائے دوسرے روز مالک یوسف کو آراستہ کر کے نخاس میں لائے۔

تمام بازارِ مصر میں جلوۂ حسن و جمال کی شہرت مشتہر ہو گئی ؎

آراستہ آں یار بہ بازار بر آمد
فریاد و فغاں از در و دیوار بر آمد

خریداروں کا ہجوم۔ ہر کس و ناکس قیمتِ یوسف میں یہی کہہ رہا تھا کہ ع

"نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز"

نوبت بایں جارسید کہ خود عزیز مصر آپ کی خریداری کے لیے آگے بڑھا۔ پھر کیا تھا ؎

خریداران دیگر لب بہ بستند — پس زانوئے خاموشی نشستند

عزیز نے قیمت یوسف ادا کی اور ہمراہ لے کر گھر آیا وَقَالَ الَّذِی

اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَأَتِهٖ اَكْرِمِيْ مَثْوَاهُ عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ط عزیز مصر نے اپنی بیوی سے کہا انہیں عزت سے رکھو۔ شاید ان سے ہمیں نفع پہنچے یا انہیں ہم بیٹا بنالیں وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ اور اسی طرح یوسف کی محبت اُن کے دل میں ڈال کر یوسف کے قدم اس زمین پر مضبوط کر دیئے اور یوسف کو علم تعبیر عطا فرمایا وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنَاهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ط حتّٰی کہ یوسف کی عمر مبارک اٹھارہ یا بیس سال اور بقول بعض تیس چالیس سال کی ہو گئی تو انہیں خدا نے علومِ نبوّۃ و حکمت سے مشرف فرمادیا اور یہاں یعقوب علیہ السلام کی فراق لختِ جگر میں یہ حالت ہے۔ کہ آپ ہر وقت گریہ کناں رہتے اور بار بار یہ الفاظ زبان مبارک پر جاری رکھتے ہیں :۔

يَا بُنَيَّ يَا قُرَّةَ عَيْنِيْ يَا ثَمَرَةَ فُؤَادِيْ يَا فِلْذَةَ كَبِدِيْ فِيْ اَيِّ بِئْرٍ طَرَحُوْكَ بِاَيِّ سَيْفٍ قَتَلُوْكَ فِيْ اَيِّ بَحْرٍ غَرَّقُوْكَ بِاَيِّ اَرْضٍ دَفَنُوْكَ۔ اے میرے بچے۔ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔ اے میوۂ دلِ پُر داغ۔ اے گوشۂ جگر خوں ناب تجھے کس کنوئیں میں ڈالا۔ تجھے کس تلوار سے قتل کیا۔ تجھے کس دریا میں ڈبویا۔ تجھے کس زمین میں دفنایا۔ رات دن صحرا نوردی فرماتے اور زار و قطار روتے۔

یہاں گریہ یعقوب علیہ السلام سے بعض ابناء وطن ماتم کا جواز نکالتے ہیں۔ حالانکہ ماتم سینہ کوبی ہے۔ اگریہ دُرہائے اشک کا آنکھوں سے گرانا ہے دونوں میں اہل فہم پر فرق بیّن ہے۔

حتّٰی کہ روح الامین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ کی زاری نے ملائکہ کو رلا دیا۔ مختصر یہ کہ آپ اس قدر روئے کہ چشم مبارک کی سیاہی دھل گئی

وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ اور اس رنج میں آنکھیں سپید ہو گئیں ؎

نہ چھوڑی حضرتِ یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی سپیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں میں

ابتلائے یوسف علیہ السلام

سنئے! کہ جب عزیز مصر نے انہیں زلیخا کے سپرد کر دیا۔ تو زلیخا قیدِ عشق میں مقید ہو گئی۔ اور ہر وقت پروانہ وار اس بقعۂ نور کی پرستاری کرتی۔ حتیٰ کہ یہ راز زنانِ مصر پر منکشف ہو گیا۔ سب جمع ہوئیں اور زلیخا کو ملامت کرنے لگیں مگر اس نے ملامت کی پرواہ نہ کی۔ یہاں تک کہ ایک روز آپ کو ایک ایسے مکان میں لے گئی جس کے سات دروازے تھے۔ ہر دروازہ مقفّل کر دیا۔ اور وہاں اپنی خواہش ظاہر کی۔ وہاں ایک سمت ایک پردہ ڈال رکھا تھا آپ نے فرمایا یہ کیا ہے۔ زلیخا نے کہا کہ یہ میرا بت ہے۔ جسے میں پوجتی ہوں۔ آپ نے فرمایا پردہ کیوں ڈال رکھا ہے اس نے کہا مجھے شرم آتی ہے۔ کہ اپنے معبود کے آگے ایسا کروں۔ آپ نے فرمایا مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۵ خدا کی پناہ! میرا رب تیرے رب سے بہت زیادہ میرا نگران ہے۔ اور وہ بدکار ظالموں کو فلاح نہیں دیتا۔ کہ اچانک آپ کے آگے صورت یعقوب علیہ السلام متمثل ہوئی۔ آپ دیکھتے ہی ان کی طرف دوڑے زلیخا نے آپ کو پکڑنا چاہا۔ مگر یہ معجزہ ہوا کہ مقفّل دروازے کھلتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ آخری دروازہ پر زلیخا نے آپ کی قمیص کا پچھلا دامن کھینچا۔ جس کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِیْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ اور دوڑے دونوں دروازہ کو کہ زلیخا نے آپ کا کرتہ پیچھے سے پھاڑ لیا۔ آخری دروازہ پر عزیز کھڑا ملا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وَاَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَی الْبَابِ

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ یُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ اور پایا دونوں نے عزیز کو نزدیک دروازہ کے تو زلیخا نے کہا کہ عزیز اس شخص کی کیا سزا ہے جو تیری بیوی کے ساتھ بُرا ارادہ کرے۔ یہی کہ قید کیا جائے یا سخت تکلیف دیا جائے۔ عزیز نے خشمناک نظر حضرت یوسف علیہ السلام پر ڈالی۔ آپ نے فرمایا میں بے قصور ہوں۔ تمھاری بیوی نے مجھے سات تالوں میں بند کر کے مجھ سے ارادہ بد کیا تھا۔ مگر اللہ نے محفوظ رکھا۔ اور اس سے مجتنبانہ بھاگا ہوں۔ عزیز نے کہا یہ تو تمھارا قول ہے۔ اس کی تصدیق بغیر شہادت کیسے ہو۔ آپ نے فرمایا وہاں ایک گھوارہ پر صرف چار ماہ کا بچہ سو رہا تھا وہ میرا گواہ ہے اور کوئی اس جگہ نہ تھا۔ عزیز نے کہا کہ چار ماہ کا بچہ کیا شہادت دے سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا میرا خدا قادرِ مطلق اس سے بھی زیادہ قدرت رکھتا ہے۔ عزیز نے کہا تم تمسخر بھی کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا اس بچے کو منگوالو۔ یہ بچہ زلیخا کی خالہ کا تھا۔ فوراً اس کو منگوایا اور عزیز نے اس بچہ سے کہا تو کیا کہتا ہے یوسف و زلیخا کے معاملے میں؟ تو قرآن کریم میں تذکرہ ہے وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ اس بچہ نے کہا اگر یوسف کا قمیص آگے سے دریدہ ہے تو زلیخا سچی ہے اور یوسف جھوٹے اور اگر پیچھے سے پھٹا ہے تو زلیخا جھوٹی اور یوسف سچے ہیں فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ ۝ جب یوسف کا کرتہ دیکھا گیا تو پیچھے سے پھٹا تھا۔ عزیز نے غضب ناک ہو کر کہا زلیخا یہ تمھاری مکاری ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تم لوگوں کے مکر زبردست ہوتے ہیں ۝

حضرت یوسف نے کیا کیا گل کھلائے مصر میں
چاک دامانی سے ظاہر پاک دامانی ہوئی

اے یوسف! خیر جانے دو جو ہوا سو ہوا۔ اب اس راز کو کسی پر افشار نہ کرنا۔ اور اے زلیخا۔ اب تو اپنے گناہ سے توبہ کر بے شک تو خطاوار ہے۔

صاحب لطائف سبعین لکھتے ہیں کہ اس بچہ نے صاف لفظوں میں شہادت دی تھی کہ یوسف بری ہیں اور تمام عیاری زلیخا کی ہے۔ علامہ حسین الدین واعظ کاشفی اپنی تفسیر حسینی میں فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ عزیز نے اطمینان دلا کر قصہ رفع دفع کر دیا تھا۔ مگر سخن عشق و محبت کا کتمان ناممکن ہے۔ شدہ شدہ یہ خبر افواہ عوام تک پہنچ گئی اور جا بجا چرچے ہونے لگے۔ خوانینِ محل نے زلیخا کا استہزاء شروع کر دیا۔ مگر فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ جب زلیخا نے ان کی باتیں سن لیں تو انہیں دعوت میں طلب کیا اور مکان آراستہ کر کے بٹھایا اور ہر ایک کو چھری دے دی کہ گوشت وغیرہ کاٹ کر کھائیں اور یوسف علیہ السلام کو لباس فاخرہ سے آراستہ کر کے کہا نکلو ان عورتوں کے سامنے۔ آپ نے انکار فرمایا مگر مجبوراً آنا پڑا ؎

زخلوت خانہ آں گنج نہفتہ
بروں آمد چوں گلزار شگفتہ

فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَٰذَا بَشَرًا إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ط جب اُن عورتوں کی نظر آپ پڑی تو محو حیرت ہو گئیں۔ اور سب نے بجائے لیموں یا بوٹی کاٹنے کے اپنے ہاتھ تراش لئے اور کہا خدا کی قسم یہ انسان نہیں بلکہ کوئی برگزیدہ فرشتہ ہے۔ صاحب تفسیر کشاف لکھتے ہیں کہ ملامت کنندہ

پانچ عورتیں تھیں جو بادشاہ ریان بن ولید عمالقی کے خاص ملازمین کی بیویاں تھیں اور خود بھی اس کی ملازم تھیں۔ ایک حاجب تھیں۔ دوسری خواص ملک ریان۔ تیسری ساقی تھیں۔ چوتھی خبّاز یعنی روٹی بنانے والی۔ ایک کھانا چننے والی۔ مگر زلیخا نے صرف ان پانچ کو ہی نہ بلایا بلکہ چالیس عورتیں بلائیں۔ ان میں یہ بھی تھیں۔

القصہ جب تمام عورتیں از خود رفتگی سے آپے میں آئیں تو زلیخا کو سب نے داد دی کہ بیشک تم بڑی ہمت والی ہو کہ ہر وقت جمال یوسف کا مشاہدہ کرتے ہوئے ہوش میں ہو۔ ہمیں تو ایک ہی جلوہ نے بے ہوش کر دیا اور آئندہ زبانِ طعن بند کر لی۔ صاحبِ وسیط اپنے استاد سے اور وہ حضرت جابر انصاری سے راوی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس روح الامین آئے اور سلام الٰہی لائے اور عرض کی کہ ارشاد الٰہی ہے۔ اے حبیب حسن یوسف نور کرسی سے مستنیر ہے اور تمہارا حسن انوار عرش سے وَمَا خَلَقْتُ خَلْقًا اَحْسَنَ مِنْكَ میں نے مخلوقات میں آپ سے بہتر حسن پیدا ہی نہیں کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنَا مَلِيْحٌ وَّاَخِيْ يُوْسُفُ صَبِيْحٌ۔ میں حسن ملیح رکھتا ہوں اور بھائی یوسف صبیح تھے ؎

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

بعد ازاں قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ط زلیخا نے کہا کہ اُسی شخص کی وجہ میں تو تم مجھے ملامت کرتی تھیں وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ٥ اب بیشک میں اسے پاک دامن نہ چھوڑوں گی۔ یا تو جو میرا حکم ہے پورا کرے ورنہ جیلخانہ کرا دوں گی یا انتہا درجہ ذلیل۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا کے یہ جملے سُنے۔ اُدھر دیگر

زنانِ مصر بھی ایسی ہی درخواست کرنے لگیں تو مجبوراً آپ نے عرض کی قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَھُنَّ اَصْبُ اِلَیْھِنَّ وَاَکُنْ مِّنَ الْجٰھِلِیْنَ ۝ اے پروردگار! مجھے جیل خانہ پیارا ہے اس کام سے جس کی طرف مجھے زنانِ مصر بلاتی ہیں اور اگر تو مجھے محفوظ نہ رکھے گا تو میں ان کے مکر کا شکار ہو جاؤں گا فَاسْتَجَابَ لَہٗ رَبُّہٗ فَصَرَفَ عَنْہُ کَیْدَھُنَّ۔ آخرش آپ کی دعا مستجاب ہوئی آپ ان کی عیّاری سے محفوظ ہو گئے۔ چنانچہ جب زلیخا مایوس ہو گئی تو یہ تجویز کی کہ چند روز انہیں قید خانہ میں بھیجا جائے ممکن ہے تکالیف زندان سے قدر عافیت و راحت معلوم ہو اور میری خواہش منظور کر لے۔ یہ فیصلہ کر کے اپنے خاوند عزیز کے پاس آئی اور آکر کہا اس عبری غلام کی بدولت میں پوری بدنام ہو چکی ہوں۔ لہٰذا اگر میری خوشی تجھ کو منظور ہے تو چند روز اسے جیل میں داخل کر دے تاکہ عوام کا خیال بدل جائے اور تہمت غلام کی طرف منسوب ہو جائے۔ عزیز نے مجبوراً اس درخواست کو منظور کر لیا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کو بجائے زیورِ نوری کے آہنی زیور ہتھکڑی۔ بیڑی پہنا دیں اور جیلخانہ بھیج دیا ؎

چوں آں دل زندہ در زنداں در آمد
بجسمے مردہ گوئے جاں در آمد
در آں محنت سرائے افتادہ جوشے
بر آمد زاں گرفتاراں خروشے

صاحب روضۃ الشہداء لکھتے ہیں۔ جب حضرت یوسف پابجولاں بر سر راہ گزرے تو منادی پکارتا جاتا تھا ھٰذَا غُلَامٌ مِّنْ کَنْعَانَ وَالْعَزِیْزُ عَلَیْہِ غَضْبَانَ یہ غلام کنعانی ہے اور عزیز مصر اس پر ناراض ہیں تو آپ بار بار جواب فرماتے ھٰذَا خَیْرٌ مِّنْ غَضَبِ الرَّحْمٰنِ وَمَعْصِیَۃِ الدَّیَّانَ وَدُخُوْلِ

اَلنِّیْرَانِ وَسَرَابِیْلِ الْقَطِرَانِ۔ "یہ جولان و زندان میرے لیے غضب الٰہی سے بہتر ہے۔ خدا کی نافرمانی سے افضل ہے۔ جہنم کی دخول سے دنیاوی جیل خانہ اچھا ہے۔ لباس قطرانی سے پوشاک زندانی افضل ہے۔" آپ کے یہ تمام جملے اس ندا کنندہ نے زلیخا کو جا سنائے۔ اس کی آتش غضب اور مشتعل ہوئی۔ اٹھی اور امیر زندان کے پاس گئی اور تاکید کی کہ اس مقام کو تیرہ و تار غار میں مقید کیا جائے اور آب و دانہ بند کیا جائے۔ امیر زندان نے تعمیل حکم کی۔ حضرت یوسف سات سال کامل جیل خانہ میں شب و روز گریاں رہے۔ حتیٰ کہ تمام قیدی ان کی گریہ و زاری سے تنگ آگئے۔ زلیخا نے جب یہ سنا حکم دیا کہ شارع عام کی طرف ایک دریچہ بنا کر اس میں یوسف کو رکھا جائے تاکہ آئندہ روندگان کی مشغولی سے اس کا رونا بند ہو اور قیدی اس مصیبت سے نجات پائیں۔

ایک روز اسی دریچہ میں یوسف رو رہے تھے کہ ایک شخص اعرابی شتر سوار راستہ بھول کر ادھر آنکلا۔ یہاں اونٹ نے سرکشی کی اور جیل کی طرف جانے لگا۔ اعرابی ہر چند اس کی مہار کھینچتا رہا مگر وہ جیل کی طرف اسے لے جا رہا تھا۔ مجبوراً اتر پڑا۔ اونٹ نے مہار ہاتھ سے چھڑائی اور چلا۔ یہاں تک کہ اس دریچہ کے پاس آگیا۔ جہاں یوسف گریاں و حیراں تشریف ارزاں تھے اور اونٹ نے بزبان فصیح حضرت یوسف سے عرض کی۔ اے سمن چمن خوبی۔ اے گلبن گلشن محبوبی میں کنعان سے مصر میں آیا تھا اور اب مصر سے کنعان میں جا رہا ہوں۔ اس ضعیف مصیبت زدہ و درد ہجراں کشیدہ یعقوب کو کوئی پیغام دینا چاہتے ہو؟ اس الم رسیدہ یعقوب کو کچھ کہنا چاہتے ہو تو کہہ دو۔

یوسف نے جیسے نام کنعان سنا ایک چیخ ماری اور زار زار رونے لگے ؎

باز بادِ صبح بوئے گلستاں می آورد
عندلیبان نفس را در فغاں می آورد

حتیٰ کہ وہ اعرابی بھی اس کے پیچھے پہنچا اور چاہتا تھا کہ اس . . . اُونٹ کو زدو کوب کرے کہ اعرابی کو زمین نے پکڑ لیا اور پنڈلیاں دھنس گئیں۔ یوسف نے فرمایا یَا اَخَا الْعَرَبِ مِنْ اَیْنَ تَجِیْئُ اے بھائی تو کہاں سے آیا ہے؟ اُس نے عرض کی مِنْ کِنْعَانَ۔ کنعان سے۔ آپ نے فرمایا تیرا اُونٹ کس چراگاہ میں رہتا ہے؟ عرض کی آل یعقوب کے کھیتوں میں۔ آپ نے فرمایا کنعان میں تو اس درخت سے واقف ہے جس کی بارہ شاخیں تھیں۔ اب ایک شاخ اس سے کاٹ دی گئی ہے اور اس درخت کا اہل اس شاخ کے غم فراق میں گریاں و حیراں ہے۔

اعرابی نے کہا

یہ جو تم کہہ رہے ہو یہ تو صورت یعقوب پیغمبر خدا کی سی ہے کہ بارہ بیٹے رکھتے تھے۔ ایک بیٹا ان کا غائب کیا گیا ہے اور یعقوب علیہ السلام رنج جدائی میں شب و روز روتے ہیں۔ بر سر راہ جو گزرتا ہے۔ اس سے اپنے گم شدہ یوسف کو پوچھتے ہیں۔ اور جب پتہ نہیں ملتا تو فرماتے ہیں ؎

زیارِ گم شدہ خود نشاں نمی یابم
دلم بہ شد زکف و دلستاں نمی یابم

آپ نے یہ جواب سُن کر بے تابانہ اُس سے دریافت کیا کہ اب تو کہاں جائے گا۔ اس نے عرض کیا۔ کسی گاؤں میں جاؤں گا کہ سامان جو خریدا ہے۔ فروخت کردوں۔ پھر کنعان کو روانہ ہونگا۔ آپ نے فرمایا۔ اس سامان سے

کس قدر روپیہ تجھے ملنے کی امید ہے۔ اس نے عرض کی سو درم۔ آپ نے فرمایا میں ایک یاقوت اور بیس ہزار دینار دیتا ہوں اس شرط پر کہ تو اُسی مقام سے واپس کنعان چلا جائے اور اس مکین بیت الاحزان سے جا کر کہے کہ میں قاصد ایک مہجور و قیدی کا ہوں۔ پیام یہ ہے کہ آپ کے درد کی حد حدّ سے گزر چکی۔ سوز و گداز فرقت غایت سے عبور کر چکا۔ ہاتھ اٹھائیں اور جناب بے نیاز میں دعا فرمائیں۔ چونکہ اس مظلوم نے اب تک آپ کو فراموش نہیں کیا ہے لہذا آپ بھی اسے نہ بھلائیں ؛:

اعرابی نے کہا

آپ کا کیا نام ہے ؟ آپ نے فرمایا۔ مجھے نام بتانے کی اجازت نہیں تو میرا حلیہ قلمِ نظر سے قرطاسِ حس مشترک پر لکھ لے۔ اور صفحۂ خیال پر میرا النقش و نگارِ رُخ کھینچ لے کہ اُس مصیبت زدہ، ہجراں رسیدہ کو دکھا سکے۔ پھر اس طرح سلسلۂ کلام کا آغاز کرنا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا الْمَغْمُوْمُ مِنَ الْغَرِیْبِ الْمَھْمُوْمِ۔ یعقوب! ایک مصیبت زدہ مظلوم دور افتادہ فیض صحبت سے محروم گریہ وزاری سے عرض پیرا ہے کہ میرے حق میں دعا خلاصی فرمائیے کہ ؎

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از درِ حق بہر استقبال مے آید

اعرابی نے عرض کی کہ میں یاقوت آپ سے کیسے لینے آؤں کہ مجھے زمین نے پکڑ رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا اُونٹ کو مارنے سزا دینے کا خیال اپنے دل سے نکال۔ زمین تجھے چھوڑ دے گی۔ اعرابی نے کہا میں نے اونٹ کو سزا دینے کا خیال چھوڑ دیا۔ اعرابی کو زمین نے رہا

کیا - وہ یوسف کی خدمت میں پہنچا اور حسن و جمال یوسف کی خاص شان ذہن نشین کی یاقوت آپ کے دست اقدس سے لے کر راہ کنعان لی - اور حضرت یوسف حسرت بھری نگاہ اس مسافر کنعان پر ڈالتے ڈالتے پکارے یَا لَیْتَ رَاحِیْلُ لَمْ تَلِدْنِیْ اے کاش! کہ میری ماں راحیل مجھے نہ جنتی۔ اعرابی مقامِ کنعان پہنچا - کچھ شب گزر جانے پر خدمت یعقوب میں حاضر آیا اور عرض کی اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ حضرت یعقوب نے اس آواز میں ایسی راحت پائی کہ اچھل پڑے اور گھر سے باہر تشریف لا کر فرماتے لگے وَعَلَیْكَ السَّلَامُ یَا عَبْدِیْ مِنْ اَیْنَ تَجِیْئُ۔ کہاں سے آیا ہے۔ عرض کی میں ایک پیام لایا ہوں ؎

مرحبا قاصد فرخ پَیِ فرخندہ پیام خیر مقدم چہ خبر یار کجا راہ کدام

آپ نے فرمایا کس کا پیام لایا ہے - اور کس کا قاصد بن کر آیا ہے - اس نے کہا میں قاصدِ غریباں ہوں - پیامبر مہجوراں ہوں - آپ نے فرمایا اگر تو قاصدِ غریباں ہے تو میں بیمار فراقِ غریباں ہوں اور اگر تو پیامبر مہجوراں ہے تو میں بھی سوختہ آتش ہجراں ہوں -

اگر تو فرستادہ زنداں ہے تو میں بھی ساکن بیت الاحزاں ہوں - مگر اے قاصد تو کچھ ایسا پیام لایا ہے - جس سے میرے دل کو سکون ہوتا ہے - مانگ کیا مانگتا ہے - اس نے عرض کی اے نبی الٰہی جو میرا مقصود تھا - وہ اس سے مجھے مل چکا - جس کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہوں - اب آپ سے صرف دعا کا طالب ہوں - حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا - الٰہی ہمدرد مصیبت پر سکرات موت آسان فرمانا - وہ اونٹ بزبان فصیح عرض پیرا ہوا - کہ حضور اس جیل خانہ تک اس اعرابی کو پہنچانے کا سبب میں بنا تھا لہذا دعا کا حق دار تو میں ہوں - حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کے لیے دعا فرمائی - کہ الٰہی

اس اونٹ کو بروزِ قیامت ناقہائے بہشت میں اٹھانا اعرابی نے عرض کی حضور اس مقید و محبوس کیلئے بھی ہو جائے آپ نے دعا کی اَللّٰھُمَّ اَطْلِقْہُ عَنْہُ وَصِلْہُ بِاَرْحَامِہٖ الٰہی اسے بندِ غم سے آزاد فرما کر اس کے اعزّا و اقربا سے ملا دے۔ چنانچہ یہی دعا سبب خلاصی یوسف علیہ السلام یوں نبی کہ وَدَخَلَ مَعَہُ السِّجْنَ فَتَیٰانِ۔ حضرت یوسف کے ہمراہ دو شخص ملازمین ملک ریان بن ولید عمالقی بھی جیل میں آئے۔ ایک بونا نامی ساقی ریان ولید عمالقی تھا۔ دوسرا محلب طبّاخ تھا۔

ریان ولید کو یہ شبہ پیدا کرایا گیا۔ کہ یہ دونوں تجھے زہر دینا چاہتے ہیں۔ اس شبہ میں ان دونوں کو جیل خانہ بھیج دیا گیا۔ یہاں آنے پر انہیں معلوم ہوا کہ یوسف فن تعبیر میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ اور جو تعبیر بتاتے ہیں اس کا ظہور بہت جلدی ہوتا ہے۔ امتحاناً طبّاخ نے ایک نا دیدہ فرضی خواب بیان کیا اور ساقی نے دیکھا ہوا خواب اس طرح کہا قَالَ اَحَدُھُمَا اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ساقی نے کہا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک بیل انگور کی باغ میں ہے۔ اور اس میں خوشئہ انگور کے لگے ہیں اور میرے ہاتھ میں کاسئہ ملک ریّان ہے۔ میں اس میں اس خوشہ کا عصارہ نچوڑ رہا ہوں۔

طبّاخ نے کہا کہ میں بادشاہ کے مطبخ سے روٹیاں اپنے سر پر لے کر چلا ہوں تو پرند اس میں سے کھا رہے ہیں۔ ہمیں اس کی تعبیر دیجئے۔ ہم آپ کو نیک بخت و نیک شعار دیکھتے ہیں۔

ان دونوں خوابوں کو سن کر حضرت یوسف علیہ السلام نے اوّل تو کچھ نصیحتیں فرمائی۔ اور اشراک باللہ سے انہیں منع کرتے ہوئے تعلیم توحید فرمائی۔

ازاں بعد فرمایا یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّا اَحَدُکُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْکُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ اے یاران خانۂ قید ایک تمہارا جو ساقی ہے۔ وہ تو تین روز کے اندر اپنے مالک کے پاس جا کر شراب پلائے گا۔ اور دوسرا طباخ جھوٹا خواب بیان کرنے والا ایک مدت جیل میں رہ کر سولی دیا جائے گا۔ اور اس کے گوشت پر پرند کھائیں گے۔ جناب الٰہی کا اسی طرح حکم ہو چکا ہے اور ساقی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ جب تو اپنے بادشاہ ریّان کے پاس پہنچے تو ہماری بے گناہی کا بھی تذکرہ کیجو۔ تا کہ خدا ہمیں بھی اس بلا سے نجات دے۔ علامہ حسین الدین واعظ کاشفی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اب دونوں میں باہمی گفتگو ہوئی۔ کہ ہم نے تو خواب غلط بیان کیا تھا۔ لہذا یہ تعبیر بھی غلط ہے۔ مگر تین روز بھی نہ گزرے تھے کہ بادشاہ نے اس طبّاخ کے لیے حکم دیا۔ کہ اس پر جرم ثابت ہو چکا ہے۔ لہذا اسے سولی پر چڑھا دیا جائے۔ اور اس کی آنکھیں جانوروں کو کھلا دی جائیں اور ساقی چونکہ نہایت امانت دار ثابت ہوا لہذا اسے بھی بلایا جائے اور منصب سابق پہ مامور کیا جائے۔

یہ فرحان وشادان زندان سے رخصت ہوتے وقت حضرت یوسف علیہ السلام سے عقیدت کیشی ظاہر کرتا ہوا وعدہ کر کے گیا۔ کہ ملک ریان بن ولید عمالقی سے آپ کا ذکر ضرور کروں گا۔ مگر یہاں آکر عیش وطرب میں ایسا منہمک ہوا کہ سب بھول گیا۔ غرضیکہ یوسف علیہ السلام چند سال جیل خانہ میں رہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ط یعنی یوسف چند سال اُس جیل خانہ میں ٹھہرے۔ لفظ بضع میں ابہام ہے اور یہ کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ نو پر دلالت کرتا ہے۔ اور روایت بھی یہی خبر دیتی ہے۔ کہ اس واقعہ کے بعد یوسف علیہ السلام سات سال جیل میں رہے۔ اور تمام مدت

قیام جیل خانہ کی صاحب تفسیر حسینی بارہ سال لکھتے ہیں۔ صاحب معالم حسن بصری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل فرماتے ہیں۔ کہ روح الامین بحکم رب العالمین یوسف علیہ السلام کے پاس آئے۔ آپ نے جبریل کو پہچان لیا اور فرمایا یا اخا المرسلین اے نبیوں کے بھائی کیا بات ہے کہ میں تم کو گنہگاروں کے مقام میں دیکھتا ہوں۔ جبریل نے عرض کی یا طاہر الطاہرین حضرت رب جلت وعظمت آپ کو سلام پہنچاتا ہے اور فرماتا ہے کہ یوسف تمہیں اس وقت شرم نہ آئی کہ جب تم نے ایک آدمی کو اپنی خلاصی کا سبب بنایا۔ اب قسم ہے مجھے عزت وجلال کی کہ اس استشفاع لمغیر اللہ میں تم کو چند سال اور جیل خانہ میں رکھوں گا۔ یوسف نے کہا مگر وہ مجھ سے راضی ہوا یا نہیں۔ جبریل نے کہا بے شک آپ سے راضی ہے۔ آپ نے فرمایا اذا لا اُبالی۔ اب مجھے پرواہ نہیں چاہے تمام عمر جیل میں گزر جائے۔

مولانا روم علیہ الرحمۃ نے بھی اپنی مثنوی میں تمثیل دیتے ہوئے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا ہے ؎

پس جزائے آنکہ دید اورا معین
ماند یوسف حبس و البضع السنین
گرچہ تقصیر آمد از بحر سحاب
تا تو یاری خواہی از ریگ و سراب

آخر ش مدت بضع گزر جانے پر ملک ریان بن ولید عمالقی ایک خواب دیکھتا ہے۔ جو سبب خلاصی یوسف علیہ السلام بنتا ہے۔ وہ خواب اس طرح ہے کہ وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ ط بادشاہ نے

اپنے اراکین دولت سے کہا کہ میں سات گائیں موٹی دیکھتا ہوں کہ نہر یا بس سے باہر آئی ہیں ان کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں۔ حتیٰ کہ تمام موٹی کھائیں ان ساتوں دبلی گایوں کے پیٹ میں چلی گئیں اور سات سبز خوشے ہیں ان پر سات خشک بالیں لپٹی ہوئی ہیں۔ اور وہ سب زمین میں مل گئی ہیں۔ مجھے اس خواب کی تعبیر دو۔ شاید تم میں کوئی تعبیر جانتا ہو۔ سب نے جواب دیا کہ اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ پریشان خواب ہیں اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۵ ساقی نے جو جیل سے یوسف علیہ السلام کی تعبیر کے مطابق آزاد ہو کر آیا تھا پرانا قصہ یاد کیا۔ اور ریان سے کہا۔ میں اس خواب کی تعبیر ابھی دوں گا۔ آپ فکر نہ فرمائیں۔ میرے ساتھ کسی کو جیل خانہ بھیجئے۔ وہاں ایک شخص علم تعبیر کا ماہر کامل ہے۔ ریان بن ولید نے ساقی سے کہا جلدی جا اور تعبیر لا۔ ساقی گھوڑے پر سوار ہو کر جیل خانہ آیا اور یوسف علیہ السلام کی خدمت میں مؤدبانہ حاضر ہو کر عرض پیرا ہوا یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا اے یوسف آپ سچے تعبیر دینے والے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر بیان کر دیتا کہ آپ کی شرف و عظمت سے اربابِ حکومت و ملک ریان واقف ہوں۔

یوسف علیہ السلام نے فرمایا تم لوگ سات سال کھیتی کرو گے۔ پھر جو کچھ اس سے پیدا ہو گا اس کو سات سال زراعت میں محفوظ کر دو گے۔ پھر جو کچھ تم کھا لو گے اس کا بچا ہوا سات سال کے قحط میں خرچ کر دو گے۔ پھر ایک سال ایسا آئے گا۔ کہ تمام قحط فرد ہو کر اس قدر انگور۔ تل۔ زیتون ہو گا کہ خوب ارزانی ہو جائے گی۔

یہ تعبیر سُن کر ساقی واپس

ریّان کے پاس پہنچا اور حرف بحرف اسے تمام جملے سنائے۔ بادشاہ کو یہ تعبیر پسند آئی وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ اور کہا کہ یوسف کو میرے پاس لاؤ۔ تاکہ میں ان کی زبان سے تعبیر سنوں فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ۵ جب فرستادہ آپ کے لینے کو حاضر آیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ جاؤ اپنے بادشاہ سے پوچھو کہ ان عورتوں کے کیا حال ہیں جنھوں نے زلیخا کے جلسہ میں اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے بے شک میرا پروردگار ان کی مکاری کو جانتا ہے۔

یہ پیام حضرت یوسف نے اس غرض سے کہلا بھیجا کہ جلسۂ عام میں ریان کے اراکین دولت کہیں پھر کچھ تہمت لگائیں تو قبل اس کے معاملہ صاف ہو جائے۔ چنانچہ ریان نے ان تمام عورتوں کو جمع کر کے قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوءٍ ط ریان نے دریافت کیا کہ تم نے جب یوسف کو اپنی طرف بلایا تھا۔ تو تم نے اُسے کیسا پایا۔ سب نے کہا خدا کی قسم ہم نے یوسف میں کوئی بدنیتی نہ دیکھا۔ جب زلیخا نے کہا کہ اب صاف صاف سب نے کہہ دیا تو مجبوراً اُس قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ۔ اُس نے بھی کہہ دیا کہ اب صاف صاف اظہار حق و باطل کا موقعہ ہے۔ بے شک میں نے یوسف کو اپنی طرف بلایا تھا۔ اور وہ اپنی برأت کے دعوےٰ میں بالکل سچا تھا شعر

بجرم خویش کرد اقرار مطلق
بر آمد زو صدائے حصحص الحق
بگفتا نیست یوسف را گناہے
منم در عشق او گم کردہ راہے
نخست اورا بوصل خویش خواندم
چو کامِ من نہ داد از پیش راندم

ریان بن ولید عمالقی نے آپ کو کہلا بھیجا کہ تمام زنانِ مصر اپنے قصور اور آپ کی بے گناہی کی معترف ہیں۔ تشریف لایئے۔ تاکہ آپ کے سامنے ان کو سزا دوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب میں کہلا دیا کہ میری غرض ان کو سزا دلانا نہیں تھی۔ بلکہ محض یہ تھی۔ کہ عزیز پر یہ بات روشن ہو جائے کہ میں خائن نہیں۔ اور اس کے پسِ غیبت میں نے اس کے حرم کی حرمت و عفت کی نگہداشت کی۔

اور یہ امر ظاہر کرنا مقصود تھا کہ خدا ترس کا خدا ہمیشہ محافظ رہتا ہے۔ اس پر اس کا نفس کبھی غالب نہیں آتا وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اگرچہ میں اپنے آپ کو بری از گناہ نہیں بتاتا۔ بلکہ نفس بُرے کاموں کی طرف ضرور رجوع کراتا ہے اور گناہ کی طرف لے جاتا ہے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ مگر جس پر خدا رحم فرمائے اور بے شک وہ رحم کرنے والا مہربان ہے۔

ریان بن ولید عمالقی نے کہا جاؤ اب انہیں لے آؤ۔ تاکہ میں انہیں وزیر سلطنت بناؤں۔ صاحب تیسیر فرماتے ہیں۔ کہ ستّر نقیب اور ستّر گھوڑے آراستہ مع تاج مکلّل اور لباس فاخرہ ملوکانہ آپ کی خدمت میں بھیجے۔

غرضیکہ تعظیم و تکریم سے حضرت یوسف کو لایا گیا۔ روایت ہے کہ قیدیوں نے آپ کی جدائی میں چیخنا پکارنا شروع کیا۔ حضرت یوسف نے ان کی دلجوئی فرمائی۔ اور یہ دعا دی اَللّٰھُمَّ اعْطِفْ عَلَیْھِمْ قُلُوْبَ الْاَخْیَارِ وَقَصِّرْ عَلَیْھِمُ النَّارَ۔ یہاں سے روانہ ہو کر جب آپ قصرِ شاہی کے قریب پہنچے۔ بادشاہ اطلاع پاتے ہی آپ کے استقبال کے لیے باہر آگیا۔ شعر

ز قرب مقدمش چوں شہ خبر یافت
باستقبال او چوں بخت بشتافت
کشیدش در کنارِ خویشتن تنگ
چو سرو گلرخ شمشاد گل رنگ
بہ پہلوئے خودش بر تخت بنشاند
بپرسشہائے خوش بادے سخن راند

فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ۝ غرضیکہ جب تعبیر رویا کے متعلق گفتگو ہو چکی۔ توریان نے عرض کیا کہ اب آپ آج سے میرے پاس جاہ و جلال کے ساتھ رہیں اور جو حکومت مرغوب ہو اس پر قبضہ فرمائیں قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝ حضرت یوسف نے فرمایا۔ مجھے خزائن زمین مصر کا حاکم بنا دے۔ میں ان کا خاص طور پر محافظ اور امین رہوں گا کہ میں حساب وغیرہ میں زبردست علم رکھتا ہوں۔ جسے موجودہ اصطلاح میں وزیر خزانہ کہتے ہیں۔

صاحب تفسیر حسینی ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام بہتر ۷۲ زبانیں جانتے تھے۔ اور دیگر تفسیر معتبرہ میں ہے کہ ملک ریان نے ایک تخت زرِ سرخ کا مرصع جواہرات سے آپ کے لیے بنوایا۔

اور تاج مکلّل آپ کے سر پر رکھا اور تمام خزائن کی کنجیاں آپ کے سپرد کیں۔ اور زمام سلطنت آپ کے قبضہ میں دے کر عزیز کو معزول کر دیا۔ اس کا عہد بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو دے دیا۔ تھوڑے دن تو عزیز رشک و حسد میں رہا۔ آخرش ریان نے اصرار کر کے زلیخا کا عقد یوسف علیہ السلام سے کرا دیا۔ آپ کے زلیخا سے دو فرزند ہوئے۔ ایک کا نام نیشا رکھا گیا دوسرے کا نام افرآیم۔ المختصر بموجب تعبیر یوسف علیہ السلام سات سال کا غلہ ہوا پھر خرچ ہوا۔ پھر قحط آیا تو اس قدر آیا کہ پہلے سال میں رعایائے مصر نے جو کچھ نقدی تھی۔ اس سے شکم پُری کی۔ دوسرے سال زیورات کی نوبت آئی۔ تیسرے سال غلام و کنیز فروخت کئے۔ چوتھے سال جانور بھیڑ۔ بکری۔ گائے۔ بھینس بیچ کے گزر کی۔ پانچویں سال زمینیں فروخت کر ڈالیں۔ چھٹے سال اپنے بچوں کو نہ بیچ ڈالا۔ ساتویں سال تو خود خط غلامی لکھنے کی نوبت آئی:

حضرت یوسف علیہ السلام

نے یہ تمام قصّہ بادشاہ سے کہا اور اجازت امداد رعایا چاہی۔ اُس نے کہا کہ امور سلطنت میں آپ کو کلّی اختیارات ہیں۔ جو چاہو سو کرو۔ آپ نے جو کچھ اس زمانہ میں امرائے قوم سے لیا تھا وہ سب رعایا کو واپس دے دیا:

روایت ہے کہ

اس قحط کا اثر کنعان تک پہنچا۔ مجبوراً حضرت یعقوب علیہ السلام سے

ابنائے یعقوب نے اجازتِ سفر مصر لی۔ اور کہا کہ وہاں غریب، فقیر، اسیر، مساکین جا رہے ہیں اور دامنِ مراد نیل مرام سے پُر کر کے لا رہے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو اپنی خدمت کے لیے روک لیا۔ دس بھائی مصر کو روانہ ہوئے۔ ہر ایک ایک اُونٹ پر سوار ہوا۔ اور ایک اونٹ بنیامین کا خالی ہمراہ لائے۔ یہاں آ کر ملازمت کی درخواست کی۔ یوسف علیہ السلام نے سامنے بلایا تو پہچانا کہ یہ وہی بھائی ہیں۔ جنہوں نے مجھے کنوئیں میں ڈالا تھا اور پھر مالک کے ہاتھ بیچا تھا۔ مگر انہوں نے حضرت یوسف کو یوسف نہ جانا۔ اس لئے کہ چالیس سال کا تفاصل ہو چکا تھا۔ حضرت یوسف نے فرمایا کہ تم لوگ جاسوس معلوم ہوتے ہو۔ سب نے کہا۔ جہاں پناہ ہم تو آل یعقوب ہیں۔ جو خدا کے نبی ہیں۔ ہم کو جاسوسی سے کیا غرض۔ آپ نے فرمایا یعقوب کے کتنے لڑکے تھے۔ اُنہوں نے کہا بارہ لڑکے تھے۔ ایک صغر سنی میں بھیڑیا کھا گیا۔ ایک کو یعقوب کی خدمت کے لئے چھوڑ آئے ہیں۔ فرمایا تمہارا گواہ کوئی مصر میں ہو تو پیش کرو۔ اُنہوں نے عرض کی۔ مصر میں ہمارا کوئی شناسا نہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا تم میں سے ایک یہاں رہے۔ باقی سب جا کر اپنے گیارہویں بھائی کو ہمراہ لے کر آؤ۔ تاکہ تمہاری تصدیق ہو سکے۔ ٹھہرانے کے متعلق قرعہ ڈالا گیا اور یہ طے پایا کہ جس کے نام قرعہ آئے وہ یہاں ٹھہرے۔ آخر شمعون کے نام کا قرعہ آیا۔ وہ ٹھہر گیا اور دسوں اُونٹ گیہوں سے پُر کر دیئے گئے اور شمعون کو ان کی مخالفت پر روک دیا۔ سب نے کہا کہ گیارہواں اُونٹ بھی بھر دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ آدمیوں کی شمار پر اُونٹ پُر کئے جاتے ہیں۔ گیارھواں لے آؤ۔ گیارھواں اونٹ بھی بھر دیا جائے گا۔ اور اگر تم نہ لاؤ گے تو تمام اونٹ جو شمعون کی زیر حفاظت ہیں

تمہیں نہ ملیں گے۔ بلکہ تم ہماری سلطنت ہی میں نہ آنا۔ مجبوراً واپس کنعان آئے اور حضرت یعقوب سے تمام تذکرہ کرکے بنیامین کے لے جانے کی اجازت لی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بہت ردوقدح کے بعد قسم لے کر بنیامین کو ان کے ہمراہ کیا۔

تبیان میں ہے کہ اُن سے حبیب مکرم رحمتِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم لی گئی۔ اور بنیامین کو اُن کے ہمراہ بھیجا گیا۔

مختصر یہ کہ نو بھائی بنیامین کو لے کر جب دربارِ یوسف میں آئے۔ آپ نے فرمایا تم کون ہو۔ عرض کیا ہم وہی کنعانی ہیں۔ اپنے گیارھویں بھائی کو لائے ہیں۔ آپ نے چند خوان طعام لانے کا حکم دیا۔ اور فرمایا ایک خوان پر دو دو ایک ماں باپ والے بیٹھ جائیں۔ سب دو دو ہو کر بیٹھ گئے۔ مگر بنیامین تنہا رہ جانے سے زار زار رونے لگے۔ حتّٰی کہ بیہوش ہو گئے۔ گلاب پاشی کے بعد جب ہوش آیا تو سببِ گریہ پوچھا۔ بنیامین نے عرض کی یہ میرے علاتی بھائی ہیں۔ حقیقی میرا ایک بھائی تھا وہ آج مجھے یاد آگیا۔ اگر وہ ہوتا تو میں تنہا نہ رہتا۔ آپ نے خوان اٹھوایا اور پس پردہ رکھا کر فرمایا۔ آؤ ہم تمہارے بھائی سہی۔ یہ کہہ کر علیحدہ بیٹھے۔ القصہ بنیامین پر جب یہ ظاہر ہو گیا کہ حقیقتاً میرے بھائی یوسف یہی عزیزِ مصر ہیں۔ تو فرطِ مسرت سے از خود رفتہ ہو کر کہنے لگے ؎

آنچہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب
خویشتن را در چنیں راحت پس از چندیں عذاب

آپ نے فرمایا بھائی ابھی یہ واقعہ ان پر منکشف نہ کرو۔ میں تم پر ایک الزام لگا کر تمہیں یہاں رکھوں گا۔ بنیامین وعدہ کر کے پردہ سے باہر آگئے۔

اب آپ نے حکم دیا کہ ان کے اُونٹ پُر کر دیئے جایئں اور خفیہ حکم دے دیا کہ ایک چاندی کا پیالہ ہمارے پانی پینے کا بنیامین کے اُونٹ میں رکھ دیا جائے اور جب ان کا کارواں روانہ ہو۔ پیچھے سے چند سپاہی ان کی گرفتاری کر کے ان سے کہیں کہ تم میں سرکاری چور ہے۔ چنانچہ جب ایسا ہی کیا گیا تو یہ سب متحیر ہوئے۔ کہ کیا چیز گم گئی کہ جس کی چوری ہم پر لگائی گئی ہے۔ گرفتار کنندوں نے کہا۔ کہ وہ کٹورا از برجد یا سونے کا ہے۔ جواہرات سے جڑا ہوا ہے اور ہمیں حکم ہے کہ جو اُونٹوں پر غلہ لے جا رہے ہیں۔ ان میں ہی کوئی اس کا چور ہے۔ سب نے کہا خدا کی قسم ہم لوگ چور نہیں۔ مگر چلو ہم اپنے اپنے بار دکھائے دیتے ہیں۔ یہ کہہ کر واپس آئے اور حضرت یوسف سے عرض کی کہ واللہ ہم لوگ کنعان سے اس لئے نہیں نکلے کہ بدنامی اپنے سر لیں۔ مصیبت زدہ ہیں۔ قحط سالی نے پریشان کیا ہے۔ ورنہ ہمیں چوری تو چوری یہاں آنے سے کیا کام تھا۔ اے بادشاہ ہم لوگ چور نہیں ہیں اور چوری ہمارا کام نہیں ہے۔ ملازمانِ یوسف علیہ السلام نے کہا اگر تم اپنے دعوے میں جھوٹے ثابت ہو جاؤ۔ اور مال سرکاری برآمد ہو جائے۔ تو پھر کیا سزا ہے۔ سب نے کہا ہمارے مذہب میں اس کی یہ سزا ہے کہ جو چور ثابت ہو۔ وہ غلام بنایا جائے۔ چنانچہ تمام بار دیکھنے شروع ہوئے۔ اور بنیامین کا بار پیچھے ڈال دیا۔ آخرش وہ کٹورا رخت بنیامین میں سے برآمد ہُوا اور حقیقتاً یہی اشارہ یوسف کا تھا:

چنانچہ جب بنیامین چور ثابت ہو گئے

تو تمام بھائیوں نے مل کر کہا کہ بنیامین نے اگر چوری کی کیا تعجب ہے۔ اس

کے بھائی حقیقی یوسف نے بھی چوری کی تھی۔ یہ قصہ معالم وکشاف و مدارک میں یوں ہے کہ ایک سائل حضرت یوسف کے پاس آیا۔ آپ نے اپنی خالہ کی مرغی اسے دے دی تھی۔ ان علاتی بھائیوں نے حضرت یوسف پر چوری کا الزام لگایا تھا۔ مگر اس کو سن کر حضرت یوسف خاموش ہو گئے اور دل میں فرمایا۔ کہ یوسف تو چور نہ تھا۔ مگر تم وہ ہو کہ یوسف کو پہلوئے یعقوب سے چُرا لائے۔ حضرت یوسف نے بنیامین کو سپاہیوں کے سپرد کرا دیا۔

بھائیوں نے اس کی خلاصی کی فکریں شروع کیں مگر کوئی کارگر نہ ہوئی۔ آخر ش روئیل کی آتشِ خشم شعلہ زن ہوئی۔ مغلوب الغضب ہو کر بولا کہ اے بادشاہ یا تو میرا بھائی دے دے۔ ورنہ میں ایسی چیخ لگاتا ہوں۔ کہ حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔ حضرت یوسف نے جب صورت روئیل خشمناک دیکھی۔ اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ اس کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھ دے۔ اِدھر ہاتھ رکھا آتشِ غضب منطفی ہو گئی۔ فی الفور اپنے بھائیوں کی طرف رُخ کر کے بولا۔ تم نے میری پشت پر ہاتھ رکھا ہے۔ سب نے کہا نہیں۔

روئیل بولا خُدا کی قسم اِس ملک میں

کوئی نسلِ یعقوب سے ہے۔ اس لیے کہ آلِ یعقوب کے خشم کو آلِ یعقوب کا ہی ہاتھ دبا سکتا ہے۔ معالم میں ہے کہ غضبناک ہو کر روئیل تختِ یوسف کی طرف بڑھا۔ حضرت یوسف تخت سے نیچے اُترے اور اس کی گدی پکڑ کر زمین میں دبوچ دیا۔ اور فرمایا۔ کنعانیو! تم کو اپنے زور و قوت پر ابھی تک غرور ہے۔ تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم پر کوئی غالب نہ آئے گا۔

خدائے کہ بالا و پست آفرید
زبردست بر زیردست آفرید

جب انھوں نے دیکھا۔ کہ زور و قوت سے کام نہیں چلا تو رونے لگے قَالُوْا یٰٓاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ"۔ بولے اے عزیز مصر! ہمارا باپ بوڑھا ہے۔ ضعیف ہے اور جب سے بنیامین کا بھائی یوسف ہلاک ہوا ہے۔ تب سے اس کے درد و فراق میں اور بھی گھُل گیا ہے۔ بجائے اس کے اب اس سے اُسے موانست ہے۔ لہذا اُسے آزاد کر کے ہم کو دے دیا جائے اور بجائے اس کے ہم میں سے کسی کو غلام بنا لیا جائے۔
حضرت یوسف نے فرمایا مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۵۔ پناہ بخدا میں کبھی قصوروار کو آزاد کر کے بے قصور کو اس کی جگہ مقید نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا کروں۔ تو پھر پورے ظالموں میں ہو جاؤں فَلَمَّا اسْتَیْاَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِیًّا جب مایوس ہو گئے اور سمجھ گئے کہ بنیامین کو یہ بادشاہ نہ چھوڑے گا تو ایک طرف آ کر جمع ہوئے اور باہمی اس طرح گفتگو شروع کی۔
روبیل یا یہودا۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام بنیامین کو ہمارے ہمراہ نہیں کرتے تھے۔ پھر جب ہم نے اس کی مخالفت میں عہد و پیماں کئے۔ اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھائی تب اُسے ہمارے ساتھ بھیجا تھا۔ اب یہاں یہ صورت ظاہر ہوئی۔ اور اس سے قبل معاملۂ یوسف میں ہم تم قصوروار قرار پا چکے ہیں۔ لہذا میں ہرگز مصر سے نہ نکلوں گا۔ تاوقتیکہ یعقوب علیہ السلام اجازت نہ دیں۔ یا خدا کی طرف سے کوئی حکم نہ ملے۔ تم سب جاؤ اور میں یہاں ہی رہوں گا۔ تم جا کر حضرت یعقوب

سے عرض کر دیا اَبَانَا اِنَّ اَبْنَكَ سَرَقَ۔ ابا جان۔ آپ کے بیٹے بنیامین نے چوری کی۔ اور ہم ہرگز یہ نہ کہتے۔ مگر ہمارے سامنے بنیامین کے بار ہیں سے بادشاہ کا پیمانہ بر آمد ہُوا۔ اور اہل مصر سے تصدیق فرمالیں۔ کہ ہم نے بنیامین کے چھڑانے میں کس قدر کوشش کی۔ اور اس قافلہ سے بھی دریافت کر لیجئے۔ کہ ہم اس معاملہ میں بے قصور ہیں یا نہیں۔

فرزندان یعقوب علیہ السلام بموجب حکم روبیل یا یہودا کنعان پہنچے اور باپ کی خدمت میں حاضر ہو کر جو کچھ ان کے بھائی نے کہا تھا عرض کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ بیشک تم نے اور نئی بات جی سے گھڑ کر مجھے سنائی۔ خیر۔ صبر بہتر ہے۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا۔ اب اللہ چاہے گا تو بنیامین کو معہ یوسف و یہودا ملا دے گا۔ ورنہ صبر ہی صبر ہے۔

بعد ازاں یعقوب علیہ السلام کے زخمی دل پر جو یہ نمک پاشی ہوئی تو اس سے آپ نہایت ملول و حزین ہو کر بیت الاحزان میں تشریف لائے اور زار و قطار رو رو کر یوں فرمانے لگے يَا اَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ۔ ہائے افسوس فراق یوسف پر مہاجرت بنیامین نے اور نمک پاشی کی۔ ہائے افسوس یوسف کی جدائی میں روتے روتے آنکھیں سپید ہو چکی تھیں۔ اب وہ پھر غم سے پُر ہیں۔ شعر

دردیست دریں سینہ گفتن نتوانم
ویں طرفہ کہ آں نیز نہفتن نتوانم

اِس سے بعض ابناء وطن ماتم کا جواز نکالتے ہیں۔ حالانکہ اتنے سخت غم کے موقعہ پر بھی آہ سرد دل پر درد سے آپ نے کھینچی۔ مگر ہائے کرنے

کے سوا اور کوئی حرکت نہ فرمائی - چہ جائیکہ سینہ کوبی - یہ ان کی سخت غلطی ہے کہ ناجائز عمل کو جائز بنانے کے لیے آیاتِ قرآنی استعمال کرتے ہیں۔

یہاں تک کہ آہ سرد کی آواز حضرت یعقوب کے فرزندوں نے سنی۔ سب جمع ہو کر آئے اور عرض کی تَاللّٰہِ تَفْتَؤُا تَذْکُرُ یُوْسُفَ حَتّٰی تَکُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَکُوْنَ مِنَ الْھَالِکِیْنَ ۵ خدا کی قسم آپ ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے کرتے گور کے کنارے جا لگیں گے یا جان سے گزر جائیں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اِنَّمَا اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ - میں تو اپنی پریشانی اور غم بھری فریاد اللہ سے ہی کرتا ہوں اور مجھے اللہ کی وہ شانیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے شعر

حاجتے را کز توے جویم
با کسے نہ کہ با توے گویم
راز گویم بخلق خوار شوم
با تو گویم بزرگوار شوم

صاحبِ تفسیر حسینی اس آیہ کریمہ کے ماتحت بعض تفاسیر سے ایک روایت نقل فرماتے ہیں۔ کہ ایک بار ملک الموت حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا تجھے خدا کی قسم سچ بتا میرے یوسف کی روح تو نے اب تک قبض کی یا نہیں۔ اُس نے عرض کی نہیں۔ تو اس اُمید پر آپ نے بیٹوں سے فرمایا یٰبَنِیَّ اذْھَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْہِ وَلَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ ۵ اے بیٹو! جاؤ اور میرے یوسف گم گشتہ اور اس کے بھائی بنیامین کا سراغ لگاؤ۔ اور اللہ کی رحمت اور میرے یوسف گم گشتہ

اور اس کے بنیامین کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو بے شک اس کی رحمت سے نا امید نہیں ہوتے مگر کافر۔ اور آپ نے ان کو ایک نامہ لکھ کر دیا جو بادشاہ مصر کے نام تھا۔ جس کا مضمون یہ تھا من یَعْقُوب اسرائیل اللہ ابن اسحٰق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ الی ملک المصر یعنی یعقوب بن اسحق بن ابراہیم خلیل اللہ کی طرف سے بادشاہ مصر کے نام یہ نامہ ہے۔ واضح ہو کہ ہم اس گھرانہ کے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بلاؤ مصائب کو ہمارا موکل بنایا ہے۔ ہمارے دادا ابراہیم کو ہاتھ پاؤں باندھ کر آگ میں نمرود نے ڈالا۔ اللہ نے ان کو نجات دی۔ ہمارے باپ اسحاق کے گلے پر چھری چلوا کر ان کی جان بچائی اور بجائے ان کے بینڈھا ذبح کرایا۔ میرے ایک فرزند تھا۔ جو تمام بچوں میں محبوب تر تھا۔ میں نے اسے اس کے بھائیوں کے ساتھ جنگل میں بھیجا۔ وہ اس کا کرتہ خون آلودہ لائے اور مجھ سے انہوں نے کہا۔ کہ اُسے بھیڑیا کھا گیا۔ میں اُس کی جدائی میں اس قدر غمگین وگریاں ہوں کہ میری آنکھیں سفید ہو گئیں۔ اس کا بھائی حقیقی بنیامین تھا۔ اس سے اس غم کو غلط کر رکھا تھا۔ تو اس کو تو نے چوری کا الزام لگا کر قید کر لیا۔ حالانکہ ہم اس خاندان سے نہیں جو چوری کرے یا ہمارے خاندان کا کوئی فرد چوری میں ماخوذ ہو۔ اگر تو میرے فرزند دلبند بنیامین کو رہا کر دے تو فبہا ورنہ تیرے لئے دعا کروں گا کہ جو میرے فرزند یوسف کے ساتھ ہوا وہ تیرے ساتھ ہو۔ والسلام

یہ نامہ صاحبزادگان کے سپرد کر کے زادراہ، حلہ اور کچھ تحفہ عزیز مصر کے لیے دے کر انہیں روانہ کیا۔

یہ سب روانہ ہو کر اپنے بھائی یہودا سے ملے۔ اور اس کی ہمراہی میں بادشاہ مصر کے پاس پہنچے اور نہایت عاجزانہ لہجہ میں عرض پیرا ہوئے۔ پ ۱۳

اَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْکَیْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَیْنَا اِنَّ اللّٰهَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ ۝ اے عزیز مصر! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو مصیبت نے گھیرا۔ اور ہم بے قدر پونجی لے کر آئے ہیں۔ تو اب ہمیں پورا ناپ دے اور ہم پر خیرات کر۔ اللہ خیرات کرنے والوں کو صلہ دیتا ہے۔

غرضیکہ جب نامۂ یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے آیا اور آپ نے اس کو پڑھا۔ محبّت پدری جوش زن ہوئی۔ اور آپ زار زار رونے لگے اور از خود رفتہ ہو کر فرمانے لگے هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ وَاَخِیْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ۔ تمھیں کچھ خبر ہے کہ تم نے یوسف اور اُس کے بھائی بنیامین کے ساتھ کیا کیا تھا جب تم نادان تھے۔ یہ فرما کر نقاب چہرۂ مبارک سے اُٹھائی۔ اور تاج فرق اقدس سے اتارا تو سب حیران ہو کر بولے ءَاِنَّکَ لَاَنْتَ یُوْسُفُ کیا سچ مچ آپ ہی یوسف ہیں۔ یہ استفہام تقریری تھا۔ یعنی البتہ آپ ہی یوسف ہیں۔ اس لئے کہ یہ جمال و کمال دوسرے میں نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا اَنَا یُوْسُفُ وَهٰذَا اَخِیْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی بیشک اللہ نے ہم پر احسان کیا اور جو پرہیزگاری کرے اور صبر۔ تو اللہ اس کی نیکی ضائع نہیں کرتا۔ یہ سن کر تمام بھائی عرض کرنے لگے تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَکَ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَاِنْ کُنَّا لَخٰطِئِیْنَ۔ خدا کی قسم اللہ نے آپ کو ہم سب پر فضیلت دی اور بیشک ہم خطاوار ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تمھیں معاف کرے اور وہ سب

مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے ؎

بآہے بسوزد جہانے گناہ
بہ اشکے بشوید درونِ سیاہ
بدرہ ماندۂ تخت شاہی دہد
بدرہ ماندگان ھر چہ خواہی دہد

بھائیوں کو نہایت نرمی و داد سے تسکین دی اور فرمایا اَذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا وَّاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۔ میرا یہ کرتہ لے جاؤ۔ اسے میرے والد کے منہ پر ڈالو۔ ان کی آنکھیں کھُل جائیں گی۔ اور اپنے جملہ خاندان کو میرے پاس لے آؤ:

یہودا نے خوشی خوشی قمیص یوسف علیہ السلام لیا

اور مصر سے سمت کنعان معہ سب بھائیوں کے روانہ ہوا۔ اور جب یہ عماراتِ مصر سے نکل کر فضائے صحرا میں آئے۔ تو نسیم صبح نے خوشبوئے قمیص یوسف سے مشام دماغ یعقوب کو معطر کرنا شروع کیا۔ آپ نے بے تاب ہوکر اپنے نبیروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۔ میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں۔ اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سٹھیا گیا ہے۔ یہ سن کر سب کہنے لگے تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ خدا کی قسم آپ اپنی اُسی پرانی ازخود رفتگی میں ہیں۔ بھلا چالیس سال وہ اور اُپتے اسّی سال بعد اس کی ملاقات کی اُمید رکھی جاتی ہے۔ جو اتنی مدّت سے گم ہے فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ پھر جب خوشی سنانے والا آیا۔ یعنی جب یہودا معہ اپنے بھائیوں کے کنعان پہنچا۔ تو سر و پا برہنہ دوڑا ہوا آیا اور اپنے پدر

بزرگوار یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا یعقوب علیہ السلام کے منہ پر وہ کرتہ ڈالا۔ اسی وقت اُن کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ آپ نے مسرور ہو کر فرمایا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ کیا میں نہ کہتا تھا کہ مجھے اللہ کی وہ شانیں معلوم ہیں۔ جو تم نہیں جانتے۔ سب صاحبزادے دست بستہ کھڑے ہو کر عرض پرداز ہوئے یٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِیْنَ۔ ابا جان ہمارے گناہ کی معافی خدا سے مانگئے۔ بیشک ہم خطاوار ہیں۔ آپ نے فرمایا سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ ہاں بہت جلد تمہاری بخشش میں اپنے رب سے چاہوں گا۔ بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ ٹھہرو شب جمعہ کو صبح کے وقت میں تمہارے حق میں دُعا کروں گا۔ کہ وہ مظنہ اجابت دعا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے مصر پہنچنے تک اس دعا کو اس لئے موقوف رکھا کہ عفو یوسف پر خدا کی جانب سے معافی موقوف ہے۔

آپ نے پچھلی شب کو وقت تہجد رو بقبلہ ہو کر

تمام بھائیوں کو پس پشت کھڑا کیا۔ اور دعا فرمائی۔ سب بھائیوں نے آمین کہی

حق سبحانہ وتعالیٰ نے اجابتِ دعا فرمائی

پھر آپ مصر کو روانہ ہوئے۔ یوسف علیہ السلام ملک ریان تک معہ تمام اراکین دولت کے شہر کو آراستہ پیراستہ فرما کر استقبال کے لیے تشریف لائے

آپ نے یہ تجمل وشوکت دیکھی۔ تو محو حیرت ہو گئے۔ اور خدا کے کرشمہ کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ کہ روح الامین نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ کہ یعقوب یہیں یہ تجمل و شوکت نہیں ہے۔ آسمان سے زمین تک ہر فرد مخلوق اس سے محفوظ ہے۔ یہاں تک کہ یوسف علیہ السلام نے جونہی باپ کو آتے دیکھا سواری سے اُتر پڑے اور چاہتے تھے کہ سلام کریں کہ روح الامین نے آپ کو روکا اور کہا ٹھہریئے پہلے یعقوب آپ کو سلام کریں گے۔ صاحب تفسیر حسینی ایک حدیث سے نقل فرماتے ہیں۔ کہ یعقوب علیہ السلام بھی پیادہ پا تھے۔ جیسے آپ کی نظر جمال یوسف پر پڑی۔ بے تابانہ فرمانے لگے

السلام علیک یا مذہب الاحزان

سلام تم پر اے رنجوں کے دور کرنے والے۔ اور یوسف کے دونوں ہاتھ لے کر اپنے گلے میں ڈالے اور مدتوں کے بچھڑے گلے مل کر فرطِ مسرت سے رونے لگے ؎

چہ خوش جائیست روئے دوست دیدن
پس از عمرے بیک دیگر رسیدن
شراب خوش دلی را نوش کردن
بہ شادی دست در آغوش کردن
بکامِ دِل زمانے آرمیدن
بہم گفتن سخن وزہم شنیدن

زدلبر حالِ عجز آغاز کردن
زعاشق دفترِ غم باز کردن

القصہ قریب شہر ایک موضع تھا۔ وہاں یوسف علیہ السلام نے ایک بلند رفیع محل تعمیر کرایا تھا۔ اس میں آپ معہ بھائیوں کے مقیم ہوئے اور تمام بھائیوں و اعزہ اقربا کو نہایت کرم سے فرمایا اُدْخُلُوا مِصْرَ اِنْشَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ۔ چلو مصر میں امن کے ساتھ داخل ہو۔ جب سب دارالسلطنت مصر میں داخل ہوئے تو اپنی محل سرائے میں سب کو اُتارا۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو اُٹھا کر تخت پر بٹھایا اور خود بھی تخت نشین ہوئے کہ جملہ برادران یوسف علیہ السلام بہ نیت تعظیم و تکریم تخت کے آگے جُھک گئے۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے عرض کی۔ یٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۵ ابا جان! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔ میرے رب نے اُسے سچا کیا۔ اور مجھ پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکالا اور آپ سب کو قصبۂ کنعان سے لاکر مجھ سے ملایا۔ اور شیطان نے تو.. مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ناچاقی کرا ہی دی تھی۔ بے شک میرا رب جس بات کو چاہے آسان کر دے کہ وہ علم و حکمت والا ہے ؛

ایوب علیہ السلام

ایسے ہی حضرت ایوب علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے بلاد مصائب

برداشت کرکے مدارج علیا حاصل فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ بغیر دردِ محبت دوائے وصل محبوب نہیں مل سکتی۔ شعر

ہر کہ دارد راہ اوردِ رو راہ
سوزِ او بر حال او باشد گواہ

یہ وہی ایوبؑ ہیں جو پیغمبری کے علاوہ

عیش و عشرت دنیاوی میں یہ پایہ رکھتے ہیں۔ کہ علی التواتر چالیس سال تک ناز و نعم میں رہے۔ بارہ فرزند دلبند ہیں۔ چار سو غلام ہیں۔ کوئی بکریوں کے ریوڑ کی سنبھال پر ہے۔ کوئی اونٹوں کی قطار کا محافظ ہے۔ چالیس باغ ہیں اور ہر باغ میوہ دار درختوں سے آراستہ۔ ایک روز روح الامین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ایوبؑ مدت گزر گئی۔ کہ آپ ناز و نعم میں گزار رہے ہیں۔ اب حکم الٰہی ہے کہ آپ کی حالت منقلب کی جائے اور ناز و نعمت رنج و محنت سے بدلی جائے۔ تونگری کا بدل درویشی سے ہو۔ تندرستی رختِ سفر باندھے اور بیماری خیمہ ڈالے۔ آپ نے فرمایا کوئی فکر نہیں۔ رضائے مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ ہر چہ از دوست می رسد نیکو است۔ شعر

پیکان آیدار کہ آید ز دستِ دوست
بر عاشقان سوختہ بارانِ رحمت است

روح الامین جواب سن کر رخصت ہوئے اور حضرت ایوب میزبان مہمان بلاد مصائب بن کر منتظر رہے۔ ایک روز شام کی نماز سے فرصت پاکر محراب کی طرف پشت فرما رہے تھے حاضرین جلسہ کو وعظ فرما رہے تھے کہ اچانک آہ و بکا کی آوازیں آئیں۔ آپ حیران ہوئے۔ کہ اتنے میں ایک غلام آیا اور رو کر کہنے لگا۔

حضور! اسیلِ دریا آیا اور تمام بکریوں کو بہا لے گیا۔ ابھی آپ جواب دینے نہ پائے تھے کہ دوسرا آیا اور رو کر پکارا کہ اچانک بادِ سموم نے تمام اُونٹ ہلاک کر دیئے۔ یہ سُن ہی رہے تھے کہ محافظان باغ چیختے اور کپڑے پھاڑتے ہوئے پکارے۔ کہ حضور ابھی بجلی گری اور تمام درختوں کو جلا گئی۔ آپ یہ سب واقعات نہایت اطمینان سے سنتے رہے اور زبان مبارک پر شکرِ الٰہی اور تسبیح وتہلیل جاری کرتے رہے کہ اتنے میں صاحبزادگان کا اتالیق سینہ کوٹتا ہوا آیا اور چیخ مار کر پکارا کہ اے پیغمبر خدا گیارہ صاحبزادے جو مہمانی میں گئے تھے۔ اچانک صاحب خانہ کی چھت گری اس میں دب گئے۔ بعضے لقمہ منہ میں لے رہے تھے اور بعضے پانی پی رہے تھے۔ اس کو سُن کر حضرت ایوب کچھ مضطرب ہوئے۔ مگر علی الفور سجدے میں گر گئے اور ہمّت کر کے فرمایا کچھ پرواہ نہیں۔ اگر محبوب حقیقی کی محبّت دل میں ہے تو سب کچھ ہے۔ شعر

اگر ہیچ نہ باشد نہ بدنیا نہ بعقبےٰ
چوں تو دارم ہمہ دارم دگرے ہیچ نباید

جب مال ومنال کا یہ حشر ہو چکا۔ تو انواع واقسام کی بلائیں آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہوئیں۔ حدیث میں ہے۔ چار ہزار کپڑے آپ کے جسد مبارک میں پیدا ہو گئے۔ وہ اعضاء مبارک کو کھاتے۔ اہلِ شہر نے آپ کو بیرون شہر کر دیا۔ آپ زمین شام میں عہدۂ نبوت پر مامور تھے۔ آپ کا شجرۂ نسب یوں ہے۔ جس کو صاحب تفسیر حسینی سورہ انبیاء میں نقل فرماتے ہیں:۔

ایوب بن اموص بن رازخ بن روم بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام۔ آپ کے ساتھ صرف آپ کی بیوی رحیمہ تھیں۔ یا افرائیم ابن یوسف ماخیر بنت میشا بن یوسف تھیں۔ یہی آپ کی خدمت کرتیں۔

جب اس مصیبت کی مدت سات برس سات مہینہ سات روز سات ساعت گزر چکی اور بروایت دیگر اٹھارہ سال و بروایتے تیس سال۔ اور شیطان لعین نے حضرت ایوب سے کہا کہ مجھے سجدہ کر لو ابھی اس مصیبت سے نجات دیتا ہوں تو کیڑوں کا اور مفارقت اولاد کا صدمہ بطیب خاطر آپ نے برداشت کیا مگر یہ جملہ آپ کے دل پر زخم کاری بن گیا۔ اس کی ضبط آپ سے نہ ہو سکی۔ تو دربارِ الٰہی میں عرض کی۔ جس کا تذکرہ سورۂ انبیاء میں یوں فرمایا وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اے ہمارے حبیب ایوب کی مصیبت کو دیکھئے کہ جب وہ پکارے اپنے رب کو کہ مجھے تکلیف پہنچی۔ اور تو سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔

دوسرے سبب یہ بھی تھا کہ اثر شیطانی سے یہ اثر آپ کے جسد مبارک پر یہ ہوا کہ شیطان کو بتا دیا جائے۔ کہ صابر بندے ایسے ہوتے ہیں کہ مصیبت و عشرت میں یکساں شکر گزار رہتے ہیں۔ اور اتنی مدت اس مصیبت میں جو آپ نے بخوشی گزادی۔ اس کا باعث یہ تھا کہ روزانہ ہر صبح بلا واسطہ ملکی و بشری خطاب مستطاب الٰہی حضرت ایوب کی طرف ہوتا تھا۔ کہ اے ہمارے بیمار کس طرح ہو۔ اس مزاج پرسی کی مسرت میں وہ کوہِ بلا آپ کی نظروں میں ہیچ تھا۔ سچ ہے شعر

گر بر سر بیمار خود آئی بعیادت

صد سال بامید تو بیمار تواں بود

تو آپ کی صحت کا تذکرہ سورہ صٓ میں یوں فرمایا وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ؕ اُرْكُضْ ... بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ اور یاد کیجئے۔ اے حبیب ہمارے بندۂ ایوب کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا۔ کہ مجھے شیطان نے تکلیف دی۔

ہم نے فرمایا زمین پر اپنا پاؤں مار۔ یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا اور ہم نے اُسے اس کے گھر والے اور عطا فرما دیئے اپنی رحمت سے۔ مگر ایک واقعہ اور ہو گیا تھا۔ وہ یہ کہ ایک روز آپ کی بیوی حضرت رحیمہ کسی ضروری کام میں گئیں۔ واپسی میں دیر ہوئی۔ تو حضرت ایوب نے قسم کھائی۔ کہ صحت ہونے پر سو قمچی ماروں گا۔ چنانچہ بعد اس کے فکر ہوئی۔ کہ اس بیوی کو جس نے مصیبت میں اس قدر خدمت کی تھی بجائے انعام کے سو قمچی کس طرح ماروں۔ لیکن اگر نہ ماروں گا تو حنث یمین لازم آتا ہے۔ اسی فکر میں تھے کہ حکم الٰہی ہوا وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو سو تنکوں کی لو۔ اور اسے اپنی بیوی رحیمہ کے مارو۔ تمہاری قسم نہ ٹوٹے گی۔ بے شک ہم نے اس کو صابر پایا۔

غرضیکہ شیطان کو یہ قدرت جسم اور مال و منال ایوب پر دے کر ایوب کی مزاج پرسی سے یوں ہمت بڑھا کر صابر ثابت کر دیا۔ اور اسے شرمندہ بنا دیا۔ ورنہ انبیاء کرام ایسے امراض سے محفوظ ہیں۔ جو موجب نفرت ہوں۔ لیکن یہ کیڑے محض امتحان کے لیے تھے۔ حقیقۃً بصورت مرض نہ تھے۔ شیطان کو اس ذریعہ شرمندہ کرنا مقصود تھا۔ اور دکھانا تھا۔ کہ ہمارے مقربین بارگاہ بہر حال شاکر و صابر رہتے ہیں:۔

حضرت یحییٰ اور زکریا علیہما السلام

اسی طرح حضرت یحییٰ اور زکریا علیہما السلام پر کوہ بلا ڈالا۔ کہ تمام عالم

میں اس کی تشہیر ہے۔ حضرت زکریا کا قصہ یوں ہے کہ آپ نے جناب الٰہی میں عرض کی۔ کہ الٰہی میری کمزوری بحد غایت ہو چکی اور پیری مجھ پر مستولی ہے۔ فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا تو مجھے اپنے پاس سے کوئی فرزند ولی عطا فرما کہ تو اُسے دوست رکھے۔ اور وہ تجھے دوست رکھے۔

مختصر یہ کہ جناب الٰہی نے یہ دعا مستجاب فرمائی اور حضرت یحییٰ عطا کئے۔ جو بغایت خدا ترس تھے۔ انہیں خدا نے ایام طفولیت میں علم و حکمت عطا فرمائی فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آپ تین سال کے تھے۔ آپ کے ہم عمر بچوں نے آپ کو آواز دی کہ یحییٰ آؤ کھیلیں۔ آپ نے گھر میں سے جواب دیا ما للعب خلقت میں کھیل کود کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ کیوں نہ ہو۔ ہندی مثل مشہور ہے۔ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات "۔ اول خدا کی طرف سے بخشے ہوئے فرزند۔ دوسرے حضرت کے دل بند۔ جو کچھ ہی خوبی ہوتی کم تھی۔ آپ کی رقّت قلبی و خدا ترسی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی۔ کہ اگر احوالِ قیامت یا مثل اس کی کوئی واقعہ ہولناک مسموع فرما لیتے تو علی الفور مضطرب ہو جاتے۔ قناعت اس درجہ کی تھی۔ کہ نانِ خشک کو طعامہائے لذیذہ پر ترجیح دیتے۔ چار سال کی عمر میں توریت حفظ فرما لی تھی۔ دس سال کی عمر میں تمام احکام شریعت پر عبور حاصل فرما چکے تھے۔ خدا ترسی اس درجہ تھی۔ کہ ہر وقت آپ روتے رہتے۔ یہاں تک کہ خوف الٰہی سے گوشت و پوست رخسارۂ مبارک کا خشک ہو گیا تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ دو رومال پشمینہ کے آپ کے پاس رکھتیں اور جب انہیں لیتیں تو آنسوؤں کو نچوڑتیں۔

ایک روز حضرت زکریا علیہ السلام نے جناب الٰہی میں عرض کی کہ خدایا میں

ایسا فرزند چاہتا تھا جو میرے سینہ کا سرور اور آنکھوں کا نور بنتا۔ نہ ایسا فرزند کہ اپنی غمگینی سے میرے سرورِ دل کو بھی مٹا دے۔ ایسا دلبند چاہتا ہوں۔ کہ وہ میرے دل کو شاد و خورسند رکھے۔ یہ جگر گوشہ ایسا ہے کہ جس نے داغِ غم میری جان پر لگا دیا۔ میں اس کی زاری کا متحمل نہیں۔

ارشاد ہوا کہ زکریا تم نے ایسا فرزند مانگا تھا جو ہمارا ولی ہو۔ اور ولی کی صفت میں تو گریہ و نالہ ضروری ہے۔ بارِ محنت امانتِ محبت میں بھرا ہوا ہے۔ جس دن تحفۂ محبت کا تقاسمہ کیا گیا تھا۔ اسی روز عالمِ عشق میں دکان ہائے راحت و مراد کو آگ دے کر بازارِ حسرت و نا امیدی سجایا گیا اور بارانِ حرمان و اندوہ اُن پر برسایا گیا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ بنائے محبت سنگہائے قہر سے مرکّب ہے اور غذائے عشاق لختِ جگر اور شربتِ زہر ہے۔

زکریا! کس خیال میں ہو۔ ٹھہرو۔ ابھی کیا دیکھا ہے۔ شعر

ابتدائے عشق ہے دیکھا ہے کیا
آگے آگے دیکھنا ہوتا ہے کیا

تمہارے فرزند یحییٰ کے حلقومِ نازنین پر عنقریب تیغ جفا چلنے والی ہے۔ اور تم کو اس کی مہاجرت میں ارّہ ستم سے دوپارہ کیا جائے گا۔ اس پر اگر تم راضی برضا رہے تو تمہارے دعوائے محبت کی تصدیق ہو گی ورنہ غلط۔ مختصر یہ کہ حضرت زکریا مجالس وعظ میں ہمیشہ اختیار رکھتے۔ کبھی عقوبت و عذاب الٰہی کا تذکرہ نہ فرماتے۔ آثار رحمت لاانتہا ہی کے سوا کچھ بیان نہ کرتے۔ کہ مبادا یحییٰ کے گوش اخلاص مسموع کریں اور نئی مصیبت اس کے گریہ وزاری کی رونما ہو۔

ایک دن حضرت زکریا منبر پر رونق افزا تھے۔ چپ و راست پر

نظر ڈال کر ملاحظہ فرمایا یحیٰی نظر نہ آئے۔ آپ نے مطمئن ہو کر مواعید الٰہی اور عقوبتِ لاتنتاہی کا تذکرہ شروع فرما دیا۔ اور آپ نے فرمایا کہ دوزخ میں ایک مقام ہے جس کا نام غضبان ہے۔ اس سے کوئی شخص محفوظ نہ رہے گا۔ مگر وہی جو خوف الٰہی سے رو کر اپنے گناہ معاف کرا لے۔ حضرت یحیٰی ایک ستون کی آڑ میں حاضر جلسہ تھے۔ سنتے ہی ضبط ہول نہ فرما سکے۔ ایک چیخ مار کر مجمع میں گرے۔ اور پھر اُٹھ کر مسجد سے باہر نالاں و گریاں چل دیئے۔ اور بار بار آہ سرد دلِ پُر درد سے کھینچ کر فرماتے الویل لمن دخل غضبان وائے اس شخص پر جو غضبان میں داخل ہو۔ اسی طرح روتے چیختے چلاتے واویلا کرتے شہر سے باہر نکل گئے۔ حضرت زکریا علیہ السلام منبر سے اُترے۔ گھر میں آکر حضرت یحیٰی کو پوچھا۔ آپ کی والدہ نے فرمایا۔ میرا خیال تو یہ تھا کہ مسجد میں ہیں۔ آپ اس خیال سے کہ مبادا یحیٰی از خود رفتگی میں کہیں اپنے کو ہلاک نہ کر دیں۔ آپ کی تلاش میں نکلے۔ تین شبانہ روز کوہ و صحرا میں تلاشی رہے۔ مگر کہیں پتہ نہ چلا ؎

اے گلبن حدیقۂ جانہا کجا شدی
پنہاں زچشمِ بلبل بے دل چرا شدی

چوتھے روز ایک چرواہا ملا۔ اس سے فرمایا کہ تو نے کسی کو روتا ہوا کہیں پایا اس نے عرض کی نہیں۔ مگر تین رات گزریں۔ کہ برابر اس پہاڑ میں رونے کی آوازیں گونج رہی ہیں۔ اور یہ ایسا دردناک گریہ ہے۔ کہ چراگاہ سے میری بکریاں علیحدہ ہو کر سست کھڑی ہو جاتی ہیں۔ شعر

زسوزِ فرقتِ یار آنچناں بنالد زار
کہ ہر کہ بشنود آں نالہ در خروش آید

حضرت زکریا علیہ السلام اس پتہ پر سمتِ پہاڑ روانہ ہوئے۔ مختصر یہ کہ ایک چٹان پر آپ کو سجدہ میں پایا اور سجدہ گاہ کو آنسوؤں سے تر دیکھا۔ اور چہرۂ زیبا خاک اور اشک میں آلودہ دیکھا۔ آپ نے ان کا سر اٹھایا اور پہلو میں لے کر پیار کیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام از خود رفتگی میں سمجھے کہ ملک الموت قبض روح کے لیے آیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں اے عزرائیل میرے ماں باپ ضعیف العمر ہیں۔ میری جدائی میں گریہ و نالاں ہوں گے۔ اتنی دیر توقف کر کہ میں ان سے مل کر اپنی خطائیں معاف کرالوں۔ آپ کی والدہ بھی تجسس میں ہمراہ تھیں۔ یہ آواز سنتے ہی یہ چیخ مار کر رونے لگیں اور پکاریں جانِ مادر! یہ عزرائیل نہیں ہیں۔ تمہارے باپ زکریا ہیں اور میں تمہاری والدہ ہوں۔ اس آواز سے حضرت یحییٰ نے آنکھیں کھولیں دیکھا کہ باپ کے پہلو میں ہیں اور ماں سامنے کھڑی رو رہی ہیں اور حضرت یحییٰ سے فرما رہی ہیں۔ بیٹا اس دودھ کے حق کے بدلے میں تم گھر چلو۔ جو تم نے پیا ہے۔ آپ ان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ زکریا گھر تشریف لائے چونکہ تین چار روز سے حضرت یحییٰ نے کھانا بھی نوش نہیں فرمایا تھا۔ آپ کی والدہ نے آش عدس پکایا اور یحییٰ کو کھلایا۔ آپ نے تھوڑا سا نوش فرمایا تھا کہ تکان سے آنکھوں میں نیند آئی۔ آپ خوابِ ناز میں تشریف لے گئے۔ خواب میں دیکھتے ہیں۔ کہ کوئی شخص اگر عرض کرتا ہے۔ کہ یحییٰ! کیا غضب ان کو بھول گئے۔ جو بے فکری سے سو رہے ہو اور شکم سیر ہو کر پھر کھا رہے ہو۔

آپ چونک پڑے اور چیخ مارتے مارتے پھر جنگل کو نکل گئے۔ یہ گریہ و زاری محض خوفِ الٰہی سے تھی نہ کہ خوفِ گناہ سے۔ اس لیے کہ یحییٰ نبی تھے اور ہر نبی گناہوں سے معصوم ہوتا ہے۔ بنا بریں آپ بھی معصوم عن العصیان

تھے۔ آپ کی شہادت کا قصہ یوں ہے۔ کہ اس زمانہ کا جو بادشاہ تھا۔ اس کی بیوی پہلے شوہر سے ایک لڑکی ہمراہ لائی تھی۔ جو نہایت حسین و جمیل تھی۔ چونکہ خود بڑھیا ہو چکی تھی۔ اپنی آسائش کا خیال کرتے ہوئے اس نے یہ سوچا کہ اگر بادشاہ کوئی باہر سے بیوی لے آیا۔ تو میری کچھ نہ چلے گی۔ اپنی لڑکی کو اس کے عقد میں دے دوں۔ بادشاہ سے اس کا ذکر آیا۔ بادشاہ نے حضرت یحییٰ سے اس کے متعلق مشورہ کیا۔ آپ نے فرمایا یہ لڑکی تجھ پر حرام ہے۔ اس واقعہ کی اطلاع اس بدبخت زانیہ فاحشہ کو پہنچی۔ سنتے ہی اپنے دل میں حضرت یحییٰ کی طرف سے کینہ پیدا کیا اور موقعہ کی متلاشی رہی۔ ایک روز بادشاہ نشہ میں چور تھا۔ موقعہ دیکھ کر لڑکی کو آراستہ کر کے اس کے روبرو پیش کیا۔ اس نے اس کے جمال پر از خود رفتہ ہو کر اس کی طرف ارادہ کیا۔ تو اس قطامہ نے فوراً روک دیا اور کہا کہ یہ صورت تجھے تب میسر آ سکتی ہے۔ جب یحییٰ کو قتل کر دے۔ اس لیے کہ شیر بہا میری لڑکی کا سر یحییٰ ہے۔ بادشاہ نے خواہش نفسانی سے قتل یحییٰ کا حکم دیا۔ علماء وقت نے کہا کہ یہ فعل شنیع ہے۔ اس سے باز آؤ۔ یحییٰ کے خون کا قطرہ جس زمین پر گر گیا وہاں گھاس نہ اُگے گا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ سر یحییٰ کو طشت میں رکھا جائے اور خون کسی کنوئیں میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ سپاہی حضرت یحییٰ کے لینے کو بھیجے گئے۔ ایک شخص نے جو مقرب بارگاہ شاہی تھا عرض کی۔ کہ حضور یحییٰ کے والد زکریا مستجاب الدعوات ہیں اول انھیں قتل کیجئے۔ تاکہ قتل فرزند پر وہ بد دعا نہ کر سکیں۔ بادشاہ نے اس بناء پر یہ حکم بھی دے دیا کہ قتل یحییٰ سے قبل قتل زکریا ہو جائے۔ ملازمان شاہی حضرت زکریا کی گرفتاری کو بھی روانہ ہوئے۔ یہاں آ کر دیکھا کہ پدر و پسر دونوں نماز میں مشغول ہیں۔ پہلے ان بے دینوں نے پہلوئے زکریا سے حضرت یحییٰ کو کھینچا اور مشکیں کسیں۔ دوسری جماعت

نے آپ کی گرفتاری کا قصد کیا تو آپ وہاں سے بھاگے ۔ مگر اس جماعت نے آپ کا تعاقب کیا۔ حضرتِ یحییٰ کو تو قصرِ شاہی میں پہنچایا۔ اور حضرت زکریا بھاگتے بھاگتے بے طاقت ہو کر ایک مقام پر درخت کے سایہ میں بیٹھے تھے کہ متعاقبین آتے نظر آئے ۔ آپ نے اس درخت کی طرف اشارہ فرمایا۔ وہ شق ہو گیا اور حضرت زکریا اس میں روپوش ہو گئے ۔ شیطان نے آپ کی چادر مبارک کا ایک کونہ بیرونِ درخت کر دیا۔ دشمنان زکریا ڈھونڈتے ہوئے جب یہاں پہنچے تو شیطان ایک معمر بزرگ کی صورت میں آیا اور پوچھا اُنہوں نے کہا۔ اس حلیہ کے شخص کی تلاش ہے ۔ خبیث مردود نے انجان بن کر کہا کہ اس حلیہ کے شخص کو میں نے اس درخت میں روپوش ہوتے دیکھا ہے ۔ اور چادر مبارک کا کونہ دکھایا۔ انہوں نے شیطان سے پوچھا کہ اب اس درخت سے باہر نکالنے کی کیا تدبیر ہے ۔ شیطان نے کہا کہ باہر نکالنے کی کیا ضرورت ہے ۔ تمہارا مقصد اُسے ہلاک کرنا ہے ۔ لہٰذا اس کی ہلاکت یوں بھی ممکن ہے ۔ اور آرہ کی صورت بتائی اور کہا کہ

اِس کے ذریعہ سے اس درخت کے دو ٹکڑے کر دو

یہ خبیث اس رائے کو پسند کر کے آرہ لائے اور درخت پر رکھ کر اس کے دو پرکالے کرنے والے تھے کہ غیب سے زکریا کو آواز آئی شعر

تڑپنا اس طرح بلبل کہ بال و پر نہ ہلے
ادب ضرور ہے شاہوں کے آستانہ کا

زکریا خبردار ! اُف زبان سے نہ نکلے ۔ آواز آہ سینہ سے نہ آئے ۔ ورنہ تیرا نام جریدۂ صابران سے محو کر دیا جائے گا ۔ اگر سرائے وجود سے تیرے دشمن تجھے نکالیں گے تو ہم حجرۂ شہود میں تجھے جاگزیں کریں گے ۔ چنانچہ جب

آرہ درخت کاٹتے کاٹتے فرقِ زکریا تک پہنچا۔ تو جناب الٰہی میں عرض کی شعر

بجرمِ عشق تو مارا اگر کشند چہ باک

ہزار شکر کہ بارے شہید عشق تو ایم

سر سے آرہ چل گیا۔ جسدِ مبارک کے دو پرکالے ہو گئے۔ مگر آہ نہ کی شعر

در بلا لذتیست پنہانی

تا چشیدہ کسے کجا داند

وانکہ او لذت بلا دریافت

درد را بہتر از دوا داند

اِدھر آپ شہیدِ ناز ہوئے۔ اُدھر معصوم ہستی حضرت یحییٰ بادشاہ کے محل میں لائے گئے۔ بارگاہِ شاہی سے حکم ہوا کہ زندہ ہمارے سامنے پیش نہ کرو بلکہ سر لایا جائے۔ ان سنگین دلوں نے جفا کاری سے حضرت یحییٰ کو بحالت مظلومی بیرون محل شہید کر ڈالا۔ سر مبارک کو طشت میں رکھا اور خون کنوئیں میں ڈالا۔ وہ کنواں جوش زن ہوا اور اس بادشاہ کو اللہ تعالیٰ نے بخت نصر بابلی یا طرطوس رومی کے ہاتھوں ہلاک ہوا اور چنے کے ساتھ گھن یوں پسا کہ گروہ بنی اسرائیل سے ستّرہ ہزار آدمی مارے گئے۔ کہ جب غضبِ الٰہی آتا ہے تو مغضوبین کے ساتھ رہنے والے بھی مغضوب ہوتے ہیں من اکثر سواد قوم فھو منھم حدیث شریف میں ہے ومن تبعہ لھم منکم فانہ منھم وعید قرآن پاک میں ہے۔

شواہد امام زین العابدین میں ہے کہ جب آپ سمت کوفہ روانہ ہوئے تو کسی منزل پر قیام نہ ہوا مگر مظلومی یحییٰ کا تذکرہ زبان امام حسین پر رہا۔ ایک روز اثناء تذکرہ میں فرمایا کہ انتہائے خواری و بے اعتباری دنیا کی یہی ایک دلیل

ہے۔ کہ سرِ یحیٰی بن زکریا کو ایک نابکارہ عورت کے لیے ہدیہ بنایا گیا۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر شہادت یحیٰی کی وحی آئی۔ کہ اے محبوب! یحیٰی بن زکریا کے سر کے عوض میں ستّر ہزار آدمی ہم نے مارے اور تیرے فرزند دلبند حسین کے عوض ایک لاکھ چالیس ہزار ناہنجار ہلاک کروں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ سات بار ستّر ستّر ہزار قتل کروں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ جبکہ مختار بن ابی عبیدہ ثقفی اور مسیب خزاعی اور ابراہیم بن اشتر نخعی اور علاوہ ان کے بہتر اور حاکم ظاہر ہوئے تو ایک نے چن چن کر کوفی یزیدیوں کو ہلاک کیا۔ اور آخری حاکم ابومسلم نے بقیہ مروانی جماعت کو نیست و نابود کیا۔ پھر صاحبقران امیر تیمور نے بطریق انتقام ان کی نسلیں ہی منقطع کر دیں۔ یہ ابومسلم وہی ہے جس نے ماتم کو ایجاد کیا اور ماتمی لباس سیاہ پہنا۔

عیون الرضا میں ایک روایت ہے کہ بچے کھچے یزیدی حضرت امام مہدی علیہ الرحمۃ والرضوان ہلاک فرمائیں گے اور اس خونِ ناحق کا انتقام تاقیامِ قیامت یوں ہی جاری رہے گا۔

یہ روایت عیون الرضا میں ہے۔ اس میں بچے یزیدیوں کا جو بدست مہدی تذکرہ ہے۔ وہ وہی شیعہ ہیں جو آج بھی سونگ بھر کر نئے نئے ڈرامہ شہدا کے محبت کے پردہ میں دکھاتے ہیں۔

اب بقیہ انبیاءِ کرام کے واقعات بھی ایسے ہی جانسوز ہیں۔ مگر بخوفِ طوالت مشتے نمونہ از خروارے اسی پر اکتفا کر کے

اپنے آقا و مولا روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے واقعات مصیبت سماۃ پیش کرتا ہوں

حضور سرور عالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ اصل کائنات اور خلاصۂ موجودات ہیں۔ آپ کے مصائب و کرائب اس قدر زبردست ہیں کہ خود فرمایا ما اُوذی نبی کما اوذیتُ۔ کسی نبی نے اتنے صدمے نہیں اُٹھائے جتنے کہ ہم نے۔ چنانچہ اوّل جفاء قریش اور ستمہا کفار نقل کرتا ہوں۔

مثنوی

رنج گنج آمد کہ رحمتہا در دست
مغز تازہ شد چو بخراشید پوست
ظاہر اکارے تو ویراں می کند
لیک خارے را گلستاں می کند
پس ریاضت را بجاں شو مشتری
بر بلا ہا دل بنہ تا جاں بری

شعر

حسن میں اور عشق میں یکسا یہ ساز و باز ہے
دونوں یک جا جب کہیں پائے تو سوز و ساز ہے

آپ کی ولادت باسعادت ۹ ربیع الاول سنہ عام الفیل مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء اور بروایت دیگر ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۳ اپریل سن مذکورہ کو مکہ معظمہ میں صبح صادق کے وقت ہوئی۔ ولادت باسعادت سے ۳ ماہ قبل سایۂ پدری آپ کے سر مبارک سے اُٹھ کر آپ کو دریتیم بنا گیا۔ ۴ سال آپ اپنی دایہ حلیمہ سعدیہ کی خدمت میں رہ کر اپنی فیوض و برکات سے انہیں متمتع فرماتے رہے۔

بعد چار سال کے اپنی والدہ کے پاس آگئے ۔ ۲ سال حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا نے آپ کی پرورش فرمائی ۔ ۶ سال کی عمر میں آپ کے سر مبارک سے سایۂ مادری بھی مرتفع ہو گیا۔ اب آپ کے دادا عبدالمطلب ۲ سال کے لیے کفیل بنے ۔ جب آپ کی عمر ۸ سال کی ہوئی ۔ تو بعمر ۸۲ سال وہ بھی دنیا سے رخصت ہوئے اور سایۂ جدی بھی سر مبارک سے اُٹھ گیا۔ آپ کے چچا ابوطالب نے زمام کفالت ہاتھ میں لے لی ۔ جب آپ کی عمر مبارک ۲۰ سال کی ہوئی ۔ تو پانچ سال تک آپ نے بکریاں چرائیں ۔ اور اس مدت میں آپ کی راست گوئی ۔ امن پسندی شہرۂ آفاق ہو چکی تھی ۔ حتیٰ کہ آپ کا اسم شریف بجائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریش میں **صادق و امین** مشہور ہو گیا **اللھم صل علیٰ محمد النبی الصادق الامین**

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تجارت کا خیال پیدا ہوا تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے روپیہ سے تجارت شروع کرادی ۔ پہلے سفر میں آپ کا غلام حضور کے ہمراہ تھا۔ اس سفر میں بہ نسبت سابق بہت نفع ہؤا ۔ غلام نے حضرت خدیجہ سے آپ کے بہت محامد بیان کئے ۔ حضرت خدیجہ نے باوجودیکہ بڑے بڑے عمائدین سے عقد کا انکار کر دیا تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود درخواست کر کے عقد کر لیا۔ بوقت عقد آپ کی عمر مبارک ۲۵ سال کی تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ۴۰ سال کی ۔ بعد عقد آپ نے خلوت نشینی اختیار فرمالی ۔ اور بہی خواہی قوم میں سرگرم سعی رہتے ۔ چنانچہ عمائدین ملک سے رہزنی اور مظالم گوناگوں کی شکایت فرما کر اس کے انسداد کے لئے ایک انجمن قائم فرمائی ۔ اظہار نبوت سے سات سال قبل ایک روشنی آپ کو نظر آنی شروع ہوئی ۔ آپ اکثر

غارِ حرا میں مشغولِ عبادت رہتے۔ پھر آپ کو جو خواب نظر آتا اس کی تعبیر صبح خود بخود ہو بہو ظاہر ہو جاتی۔ جب ایک دن اوپر چالیس سال کی عمر مبارک ہو گئی۔ تو ۹ ربیع الاول ۴۱ھ عہد میلادی مطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء بروز دوشنبہ روح الامین بحکم رب العالمین اظہارِ نبوت فرمانے غارِ حرا میں حاضر آئے۔ حضور ... نے جبریل سے مکالمہ فرما کر عزمِ مکان فرمایا۔ اور ترساں و لرزاں دولت سرا کی طرف تشریف لا کر لیٹے۔ حضرت خدیجہ سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ (مجھے کملی اوڑھا دو) جب ذرا سکون ہوا۔ حضرت خدیجہ سے فرمایا۔ مجھے اپنی جان کا خوف ہو گیا ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے فرمایا آپ کو کس کا ڈر ہے

آپ اقربا پر شفقت فرماتے۔ بیوہ یتیموں اور بے کسوں کی امداد کرتے ہیں۔ خدا آپ کو اندوہگین نہ کریگا۔ بعد ازاں آپ کو حضرت خدیجہ اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور واقعہ جبریل سنایا۔
(چونکہ ظہور نبی آخر الزمان کے متعلق اس زمانہ کے اکثر عیسائی۔ یہودی عالموں کو علم تھا) ورقہ بن نوفل نے کہا۔ یہی وہ ہستی ہے۔ جس کی موسیٰ علیہ السلام بشارت دے گئے تھے۔ کاش میں جوان ہوتا۔ اور اس وقت تک زندہ رہتا۔ جب قوم ان کو نکالتی اور ایذائیں پہنچاتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا قوم مجھے نکال دیگی؟

ورقہ بن نوفل نے کہا۔ ہاں اس دنیا میں جب کسی نے ایسی پاک تعلیم دی ہے۔ تو اس سے شروع میں عداوت ہوتی ہے۔ اور اس کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دولت کدہ پر تشریف لاتے ہی تبلیغ شروع فرما

دی۔ چنانچہ اول ہی روز حضرت خدیجہ (زوجہ) حضرت علی (بھائی) حضرت ابوبکر (دوست) حضرت زید بن حارث (غلام آزاد شدہ) مسلمان ہو گئے۔ ان اشخاص کا ایمان لانا جو آپ کی چالیس سالہ حرکات و سکنات سے واقف تھے۔ آپ کی اعلیٰ ترین صداقت و راستبازی کی دلیل ہے۔ کچھ دن میں بعض اور بھی ایمان لائے۔

اُس وقت مسلمان پہاڑ کی گھاٹیوں میں جا کر نماز پڑھتے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ سب سے اوّل اپنے قریبی رشتہ داروں میں فرمائی۔ پھر قوم اور شہر کے سب لوگوں میں۔ پھر مکّہ کے اطراف و جوانب میں۔ پھر عرب کے تمام حصّوں میں۔ پھر دنیا بھر کے بنی نوع انسان والجنہ میں۔

اِس تبلیغ سے جب کفار کی مخالفت حد سے بڑھی

تو آپ نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ جو چاہے حبش چلا جائے۔ چنانچہ بہت سے چلے گئے۔ اگرچہ کفار نے وہاں بھی تعاقب کیا۔ لیکن وہ ان کی شر سے محفوظ رہے۔ آخر شاہِ حبش کو کفار قریش نے بھرا۔ وہ بہت برانگیختہ ہُوا۔ مگر جب اُس نے

قرآن پاک سُنا تو اس قدر متاثر ہُوا کہ رو دیا

اور کفار کو اپنے دربار سے نکال دیا۔ بعد ازاں اُنھوں نے حضور ۔۔۔ کو قتل کی دھمکی دی۔ دولت کا لالچ دیا۔ حتیٰ کہ عتبہ کو جو سردار قریش تھا۔ آپ کے پاس

بھیجا۔ اس نے آپ سے آکر تبادلہ خیال کرنا چاہا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ

سچّا رسول ہُوں۔ کاہن اور جادوگر نہیں ہوں

پھر کچھ آیات قرآنی سُنائیں۔ ان کی سُن کر عتبہ محو ہو گیا اور قوم میں واپس آکر کہنے لگا۔ کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ وہ سچے رسول ہیں۔ ان کے کلام میں

نہ جادو ہے نہ کہانت نہ شعر ہے نہ نظم نہ منتر ہے اور نہ افسون

قوم عتبہ سے بھی منحرف ہو گئی اور کہنے لگی کہ عتبہ پر بھی محمد کا جادو چل گیا۔ جب لالچ اور دباؤ سے بھی مطلب بر آری نہ ہوئی۔ تو آپ کے چچا ابو طالب سے کہا۔ کہ اپنے بھتیجے کو سمجھا دو۔

ورنہ ہم اُسے جان سے ماریں گے

سارے ملک کو خلاف دیکھ کر چچا کا دل محبت سے بھر آیا۔ آپ کو بلا کر منع کیا۔ آپ نے فرمایا چچا! اگر یہ لوگ سورج کو میرے داہنے ہاتھ پر اور چاند کو بائیں ہاتھ پر رکھ دیں۔ تو بھی میں اپنے فرضِ منصبی سے نہ ہٹوں گا۔ خدا کے حکم میں سے ایک حرف بھی کم و بیش نہ کروں گا۔

ماہِ محرم ۷ سنہ نبوّت میں کفّار نے کہا کہ بنی ہاشم جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ ہے اگرچہ مسلمان نہیں لیکن ان کا ساتھ دیتا ہے لہذا ان سے بھی قطع تعلق کرو۔ انہیں گلی کوچوں میں نہ پھرنے دو۔ کوئی چیز مول نہ دو۔ یہ باہمی معاہدہ کر کے تحریر میں لائے اور دیوار کعبہ پر اسے آویزاں کر دیا۔ یہ موجودہ اصطلاح میں نان کو آپریشن کہلاتا ہے۔

بنی ہاشم کے بچے بھوک مارے اتنے روتے، بلبلاتے کہ انکی آوازیں گھاٹیوں سے باہر جاتیں۔ مگر ان سنگدلوں کو رحم نہ آتا۔ سب نے تین سال کامل یہ مصیبت نہایت استقلال و صبر سے برداشت کی آخر جب دیمک نے ان کا معاہدہ کھالیا اور کفار قریش کے پہرے والی جبل سے اُٹھ گئے تب آپ باہر تشریف لائے۔ اور پھر بدستور سلسلۂ تبلیغ شروع فرمایا۔ سنہ ۱۰ نبوت میں آپ کے چچا ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔ اور پھر حضرت خدیجہ رضؓ سخت علیل ہو گئیں۔ وفات ابوطالب سے تو حضور پہلے ہی غمگین تھے۔ اب خدیجہ کے طول مرض سے اور مایوسی بڑھی۔ خدیجہ نے اپنی مرض کی شکایت فرمائی تو حضور نے فرمایا۔ خدیجہ اہل بہشت تیرے دیدار کے مشتاق ہیں۔ آپ نے عرض کی۔ حضور ؎

زمرگ ہیچ ندارم دلے ازاں ترسم
کہ من بمیرم و تو جان دیگراں باشی

حضور کے فراق کا صدمہ ہے۔ موت کی کوئی پرواہ نہیں۔ آخرش ابوطالب کے انتقال سے تین روز بعد آپ نے بھی دولت سرائے جاودانی کو رحلت فرمائی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سانحہ عظیم کو نہایت استقلال سے برداشت فرمایا اور زید بن حارث کو ہمراہ لے کر پیادہ پا عزم طائف فرمایا۔ گردونواح وراہ میں تبلیغ بدستور جاری رکھی۔ یہاں سب سے اول قبیلہ بنو ثقیف کو انتہائی سرکش قبیلہ تھا تبلیغ فرمائی۔ اس میں وعظ و نصیحت کہی۔ انھوں نے اپنے غلاموں اور شہر کے لڑکوں کو سکھادیا۔ چنانچہ جب آپ وعظ فرماتے تو وہ خبیث

پتھر برساتے حتیٰ کہ جسد انور (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم خون میں سرخ ہو جاتا

اکثر خون بہہ کر نعلین ہائے مبارکین میں جم جاتا۔ وضو کے لئے جوتا اتارنا مشکل ہو جاتا۔ آپ سے بددعا کے لئے عرض کیا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ میں بددعا نہ کرونگا۔ اس لئے کہ ان کی آئندہ نسلیں ایک خدا پر ایمان لائیں گی۔ ہاں یہ دعا کرتا ہوں:۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

الٰہی! میری قوم کو ہدایت فرما دے۔ یہ میرے مرتبہ سے ناواقف ہیں۔ چنانچہ ارشاد حرف بحرف پورا ہوا۔ اور آئندہ نسلیں خاص طور پر جاں نثار پیدا ہوئیں۔ برخلاف مصنوعی نبیوں کے کہ ان کے بعد ان کی قوم اور جماعت میں بھی تفریق ہو گئی۔

پھر آپ مکہ معظمہ واپس تشریف لائے۔ اور مختلف قبیلوں میں تبلیغ فرماتے رہے۔ ۱۲ سنہ نبوت کے موسم حج کا ذکر ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کی تاریکی میں شہر مکہ سے چند میل دور مقام عقبہ پر کچھ لوگوں کی گفتگو سنی۔ آپ اس آواز پر ان کے پاس تشریف لائے۔ یہ چند آدمی تھے۔ جو مدینہ طیبہ سے آئے تھے۔ آپ نے تبلیغ توحید فرمائی۔ بتوں سے نفرت دلائی۔ وہ ایمان لائے اور اپنے وطن کے سچے مبلغ اور واعظ بنے۔ ان کی تبلیغ سے آئندہ سال بارہ آدمی مکہ معظمہ میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ یہ جب واپس ہوئے تو ان کی تعلیم کے لئے مصعب ابن عمیر کو ساتھ کر دیا۔

یہ مدینہ پہنچ کر اسعد بن زراہ کے گھر اترے

ان کی تبلیغ سے بنی عبدالاشہل کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ ۱۳ سنہ نبوت کو ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں مدینہ کے قافلہ میں مل کر آئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ

لانے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ اپنے چچا حضرت عباس کے ساتھ ان سے ملے۔ توحید کی دعوت دی۔ اُنھوں نے دعوتِ اسلام قبول کر کے مدینہ چلنے کی درخواست کی۔ آپ نے ان سے امداد و معاونت کی بیعت لی اور جب مسلمانوں پر کفار مکّہ کی ظلم و تعدی حد سے بڑھ گئی۔ تو آپ نے اپنے غلاموں کو وطن چھوڑ کر مدینہ چلے جانے کی اجازت دے دی۔

مگر اس پر بھی کفار قریش نہ ملنے اور جانے والوں کو پریشان کرنے لگے۔ چنانچہ صہیب رومی سے کہا۔ کہ تو مدینہ سے جب آیا تھا۔ تو بے نوا مال تھا۔ مکّہ میں ہزاروں کمائے۔ اب جاتا ہے۔ تو مال و زر لے کر کیسے جا سکتا ہے۔ آپ نے بطیب خاطر مال و زر پر ایمان کو مقدم رکھتے ہوئے

سب ان کے سر مارا اور ایمان لے کر مدینہ طیبہ پہنچے

کسی کی بیوی چھین لی۔ غرض کہ مہاجرین نے بڑی مصیبتیں اُٹھا کر اُن سے نجات پائی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مخالفین اسلام کی جو ستم شعاریاں اور سفاکیاں تھیں۔ اِن میں خصوصیت سے دو ہمسایہ قابل ذکر ہیں۔

صاحب زلال الصفا نقل کرتے ہیں۔ کہ حضور سید النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ہمسائے جابر ظالم تھے۔ ایک ابولہب ملعون اور دوسرا عقبہ بن ابی معیط۔ یہ دونوں شب و روز ایذا رسانی میں سرگرم سعی رہتے۔ خبیث نجاستیں۔ لید گوبر لاتے اور راہگذر میں اس سراپا نور کے پھیلاتے۔ کہ بدبو سے مشامِ دماغ سے پراگندگی پیدا ہو۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ امِّ جمیل خبیثہ زوجہ ابولہب ملعون کے دل میں اس ذات ستودہ صفات سے تخم پاشی عناد اتنی زیادہ ہو چکی تھی۔ کہ شب

بھر جنگل میں سرگرداں پھرتی۔ اور خار و خسک کا گھٹڑ باندھ کر لاتی اور رہ گزر میں بچھاتی۔ محض اس نیت سے کہ محبوب خدا سرورِ انبیا علیہ التحیۃ والثنا کا جب گزر اس راستہ میں ہو۔ تو آپ کے پائے مبارک میں وہ ایذا پہنچائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لاتے۔ راستہ میں خار و خسک ملاحظہ فرماتے۔ انھیں اپنے دست اقدس سے اُٹھاتے اور کنارِ راہ پر فرماتے۔ اور نہایت ملائمت و ملاطفت سے اُسے سمجھاتے کہ یہ کیا حقِ ہمسائیگی ہے؟ ؎

می ریختند در رہِ تو خار و باہمہ
چوں گل شگفتہ بود رُخِ دلستانِ تو

طارق بن عبد اللہ راوی ہیں۔ کہ میں ابتدائے اسلام میں ایک بار سوق دجانہ کی طرف گیا۔ ایک عرب کو میں نے دیکھا۔ کہ حلۂ سرخ زیب تن کئے۔ بزبانِ فصیح فرمارہے ہیں قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اور ایک شخص اُن کے پیچھے کہتا آرہا ہے کہ ان کا کلام نہ سُنو یہ جھوٹے ہیں۔ اگر پتھر اُٹھا کر ان کے سر پر مارا جس سے اس قدر خون بہا۔ کہ ٹخنے تک خون میں نہا گئے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ تو مجھے کہا گیا۔ یہ سُرخ حلّہ پوش جوان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرشی ہیں۔ جو خلق خدا کو خدا کی طرف بلاتے ہیں۔ جو ان کے پیچھے آیا ہے اور جس نے پتھر مارا ہے۔ یہ ان کا چچا ابولہب ہے۔ اکثر صنادید قریش اس معاملہ میں اس خبیث کے ممد و معاون ہیں۔ اس کا کام یہ ہے کہ جو لوگ موسم حج میں آتے ہیں۔ اُن کو اِن کی خدمت میں حاضر ہونے سے روکتا ہے۔ اور ان کی طرف سے تنفّر پھیلاتا ہے۔ یہ تمام مخالفین کبھی ان کو جادوگر بتاتے ہیں کبھی شاعر کہتے ہیں۔ کبھی کاہن مشہور کرتے ہیں۔ ایک بار مجنون بھی کہہ چکے ہیں۔

روضۃ الاحباب میں ہے۔ کہ عروۃ الزبیر نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے

پوچھا۔ کہ وہ ایذائیں جو تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھیں سب سے زیادہ کیا تھیں۔ اُنہوں نے کہا ایک روز اشراف قریش ایک حجرہ میں جمع ہوئے۔ اور میں بھی ان کے اندر تھا۔ گفتگو ہوتے ہوتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت تذکرہ شروع ہوا تو آپس میں کہنے لگے۔ کہ ہم نے کبھی کسی کی بات نہ سہی۔ جتنی کہ اس شخص کی باتیں سُن رہے اور سہہ رہے ہیں (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت) ہماری جماعت کے عقلاء کو سفیہ اور بیوقوف بناتا ہے۔ ہمارے باپ دادا کو گالیاں دیتا ہے۔ ہماری جماعتیں متفرق کر رہا ہے۔ ہمارے خداؤں کو بُرا کہتا ہے۔ اور باوجود ان تمام باتوں کے ہم نے اسے زندہ چھوڑ رکھا ہے۔

یہی گفتگو ہو رہی تھی۔ کہ اچانک حضور سید النشور صلی اللہ علیہ وسلم حرم سے تشریف لا کر استلام رکن کے لئے تشریف لے جا کر طواف کو جا رہے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم طواف میں مشغول تھے۔ کفار قریش نے باآواز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینی شروع کیں۔ تین بار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طواف کر چکے تھے۔ اور ان کے سبّ وشتم سُن رہے تھے۔ چوتھی بار ٹھہرے اور فرمایا اے گروہ قریش! کان کھول کر سُن لو۔ خدا کی قسم جان محمد قبضۂ قدرت الٰہی میں ہے۔ اور میں تمہاری ہدایت کے لئے آیا ہوں۔ اگر تم نے میری نصیحت نہ سُنی اور متابعت شریعت نہ کی۔ یاد رکھو! تمہیں ذبح کر ڈالوں گا۔ جب اِن بے دینوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ پُر غضب جملے سنے۔ خوف سے لرز گئے۔ اور وہ شخص جو زیادہ سبّ وشتم کر رہا تھا۔ بولا اے ابو القاسم! تشریف لے جائیے اور اپنا کام کیجئے۔ بخدا آپ جہول نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے کام میں زیرک ہیں۔ اور جو کچھ آپ کر رہے ہیں۔ از روئے دانش و بینش صحیح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سُن کر واپس لوٹے اور مشغول طواف ہو گئے۔ پھر ایک دن اسی طرح

وہی جماعت اُسی مقام پر مجتمع ہوئی اور میں بھی وہاں ہی تھا۔ بعض نے اس دن کا قصہ دہرایا اور کہا کہ اس دن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سبّ وشتم ہم نے ایسے مرعوب ہو کر سُنے کہ گویا ہم گونگے تھے۔ یہ کیا ظاہر ہُوا تھا۔ اور اگر آج وہ ظاہر ہو جائیں تو ہم بتائیں۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں۔ کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور خانہ طواف کھول کر مشغول طواف ہونا ہی چاہتے تھے کہ ان جفتار نے اپنے کافرانہ غیظ و غضب میں یکبارگی حملہ کر دیا اور خبیث یہ بکتے ہوئے بڑھے کہ تو ہی وہ ہے جو ہمارے آباو اجداد کو۔ ہم کو اور ہمارے معبودوں کو بُرا کہتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

ہاں میں ہی ہوں جو ایسا کہتا ہوں!

اتنے میں ایک خبیث نے اپنی چادر گلوئے مبارک میں ڈال کر پیٹی۔ یہاں تک کہ سانس کی آمد و شد بند ہو گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ پکارے اور فرمانے لگے۔ او خبیثو! کیا اُس ہستی مقدس کو مارتے ہو جو باآواز بلند تبلیغ توحید کرتا اور کہتا ہے کہ خدا ایک ہے اور روشن معجزات تمہیں دکھاتا ہے۔ جو اس جماعت نے جو صدیق رضی اللہ عنہ کو حمایت کرتے دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر آپ کی طرف جھپٹی۔ آپ کی ریش مبارک پکڑ لی۔ اور اس قدر ضربیں دیں کہ سر مبارک شکستہ ہو گیا۔

مختصر یہ کہ ایسی ایسی بہت سی مصیبتیں اِس ہستی مقدس نے محض اپنی اُمّت کی خاطر برداشت کیں۔ باوجود اس کے پھر بھی زبان مبارک سے بددعا نہ فرمائی۔ بلکہ ہمیشہ اپنے اصحاب کو یوں فرماتے ؎

بزیرِ غصہ نہاں ذوقہا و شادیہاست
بسے لطیفہ کہ در ضمن نامرادیہاست

چونکہ قرآن کریم میں ارشاد ہے وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (اے ہمارے حبیب اللہ تمہیں دشمنوں سے محفوظ رکھے گا) اس باعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیباکانہ دشمنوں میں جاکران کے چنگل سے محفوظ و مصئون واپس تشریف لے آتے ہیں۔ ورنہ مخالفین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس راوی ہیں کہ ایک بار کفارِ قریش نے باہمی معاہدہ کیا کہ اب کے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہیں مل جائیں۔ تو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ یہ خبر حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ملی۔ آپ زار زار روتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو روتا دیکھ کر فرمایا مَا یُبۡکِیۡکِ (جان پدر! کس چیز نے تمہیں رلایا) آپ نے عرض کی یَا اَبَتَاہُ! اِنَّ الۡقَوۡمَ عَزَمُوۡا عَلٰی اَنۡ یَّقۡتُلُوۡکَ ابا جان! قوم نے تہیہ کیا ہے کہ آپ کو شہید کریں۔ آپ نے متبسّم ہو کر فرمایا۔ بیٹی! کچھ پرواہ نہ کرو۔ اور پانی لاؤ ہم وضو کرلیں کہ اَلۡوُضُوۡءُ سَلَاحُ الۡمُؤۡمِنِ (وضو مومن کا ہتھیار ہے) اور زرہ نماز ہے۔ چنانچہ آپ نے وضو فرمایا اور مسجد حرام کی طرف تشریف لائے۔ راہ میں جماعت منکرین جمع تھی۔ آپ نے ایک مٹھی میں کچھ سنگریزے لئے اور ان کی طرف پھینکے۔ اور زبان مبارک پر لفظ شَاھَتِ الۡوُجُوۡہُ جاری تھا۔ سب پر وہ ہیبت پڑی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آنکھیں بند کرلیں اور دعا شَاھَتِ الۡوُجُوۡہُ کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ جنگ بدر میں یہ تمام خونخوار و اصلِ جہنم ہوئے۔ اور اسی دن مشیمہ ابوجہل عتبہ۔ شیبہ ابی امیہ عمارہ کے لئے دعا بد فرمائی۔

غرض کہ جن جن غبشاء کے لئے دعائے بد فرمائی تھی۔ وہ جنگ بدر میں خصوصیت سے مارے گئے۔ غرض کہ دیگر انبیاء کرام کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ اذیت پہنچنے کی یہ بھی صورت تھی۔ کہ وہاں انبیاء کو ہی ایذائیں پہنچائی گئیں۔ اور یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثاروں کو ستا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچایا۔ یہ دوہری دوہری مصیبت اس ذات ستودہ صفات پر تھی۔ چنانچہ محمد اسحاق رحمتہ اللہ علیہ ایک روایت نقل کرتے ہیں۔ کہ کفار قریش کی بغاوت اور حرکت مذبوحی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی۔ کہ صحابہ میں جس کسی کو تنہا یا کمزور جماعت میں دیکھ لیتے پوری تکالیف پہنچاتے اور مذہب چھوڑنے پر مجبور کرتے۔ چنانچہ اُمیہ ابن خلف یہودی کے پاس حضرت بلال حبشی غلام تھے۔ اور تبلیغ صدیق سے پوشیدہ آپ مومن ہو چکے تھے۔ اس کا اظہار جب اس خبیث پر ہو گیا۔ تو اس نے اول زبانی سمجھایا۔ مگر اس مرد خدا کی زبان سے سوائے کلمۂ توحید کے دوسرا جملہ نہیں نکلتا تھا۔ مجبوراً اپنی آتش حسد بجھانے کو یہ تجویز کی کہ ہر روز بطحاء مکہ پر آپ کو لے جاتا۔ اور برہنہ کر کے گرم ریت پر چومیخا کر کے کانٹے دار قمچیوں سے آپ کو زدوکوب کرتا۔ جب مارتے مارتے تھک جاتا تو سمجھاتا۔ اے سیاہ فام دین محمدی سے لوٹ آ۔ اور لات و عزیٰ پر ایمان لے آ۔ ابھی تجھے آزاد کر دوں گا۔ یہ سُن کر آپ کی زبان مبارک سے الاحد! الاحد!! نکلتا۔ پھر وہ خبیث جل کر زدوکوب کرتا۔ اس قصہ کو مفصل مولانا روم علیہ الرحمتہ نے یوں لکھا ہے۔ **مثنوی**

تن فدائے خار می کرد آں بلال
خواجہ اش می زد برائے گوشمال
کہ چرا تو یاد احمد مے کنی
بندۂ بد منکر دین منی

می زد اندر آفتابش او بخار
او احد مے گفت بہر افتخار

ایک روز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس طرف سے گزرے۔ تو آوازہ الاحد سن کر بے تاب ہو گئے۔ دیکھا تو یہ دیکھا۔ جس کو مولانا فرماتے ہیں مثنوی

تاکہ صدیق آنطرف می گشت تفت
آں احد گفتن بگوش او برفت
چشم او پر آب شد دل پر عنا
زاں احد می یافت بوئے آشنا
بعد ازاں خلوت بدیدش پند داد
کز جہوداں خفیہ می کرد اجتہاد
عالم اسرار است پنہاں دار کام
گفت کردم توبہ پیشت اے ہمام

آپ نے حضرت بلال کو تنہا چوبیخہ دیکھ کر فرمایا۔ کہ اے عاشق الٰہی! اپنی آتش الفت کو برائے چندے پوشیدہ کر۔ ان بے دین یہودیوں کی طرف سے تمہیں یوں ہی امن ملنا ممکن ہے۔ بلال نے عرض کی بہت اچھا۔ اب ایسا ہی کروں گا۔ دوسرے دن صدیق اُدھر سے جو گزرے۔ تو مثنوی

روز دیگر از پگہ صدیق تفت
آں طرف از بہر کارے می برفت
باز احد بشنید و ضرب زخم خار
برفروزید از دلش شور و شرار

بلال کی زبان سے پھر آواز الاحد سنی۔ جا کر دیکھا۔ تو اسی طرح وہی چوبیخہ کر

رکھا اور کانٹے دار قمچیوں سے مار رکھا تھا۔ آپ نے **مثنوی**

باز پندش داد و باز او توبہ کرد
عشق آمد توبۂ او را بخورد

پھر نصیحت فرمائی اور سمجھایا۔ کہ بھائی سوز و گداز عشق کو پوشیدہ کرو۔ اِن خبثاء سے جب ہی نجات ممکن ہے۔ تو حضرت بلال نے دردمندانہ پند سن کر فرمایا۔ بہت اچھا اب ایسا ہی کروں گا۔ صدیق کو سمجھا کر ادھر آئے اور ادھر حضرت عشق نے جلوہ گری فرما کر بلال سے کہا۔ کہ میاں ؎

کیا مزہ اس عشق کا جس میں کہ رسوائی نہ ہو
مثل مجنوں جب تلک لیلیٰ کا شیدائی نہ ہو

تو مولانا روم فرماتے ہیں۔ "عشق آمد توبۂ اورا بخورد"۔ حضرت عشق نے آکر صدیق کی تمام نصیحت پر پانی پھیر دیا اور بلال کے سب وعدے نسیًا منسیًا کر دیئے۔ اب وہی بلال ہیں اور جوشِ الفت۔ وہی سوز و ساز ہے اور وہی ساز باز۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں کہ ؎

توبہ کردن زیں نمط بسیار شد
عاقبت از توب او بیزار شد

آخرش چند بار ایسے ہی کتمانِ محبت کے عہد ہوئے اور ٹوٹے۔ مجبور ہو کر صاف کہہ دیا کہ ؎

فاش کرد اسپر ز تن را در بلا
کاے محمد وے عدوے توبہا
اے تنِ من واے رگِ من پُر ز تو
توبہ را گنجا کجا باشد درد

توبہ را زین پس زدل بیروں کنم
از حیاتِ خُلد توبہ چوں کُنم

اے صدیق! میری تو رگ رگ و ریشے میں محبت محمدی پُر ہے۔ اس عہد و معاہدہ کی کہیں گنجائش ہی نہیں۔ جو اس کو رکھوں۔ علاوہ ازیں حیاتِ خلد سے عہد کر کے حیاتِ دنیوی پر اب کیا رجوع ہوں گا۔ بس یہی بہتر ہے۔ کہ میں اپنے محبوب کی یاد میں جان دے دوں ؎

عشق قہار است و من مقہور عشق
چوں قمر روشن شدم از نور عشق

آخرش صدیق سے جب یہ روزانہ مصیبت دیکھی نہ گئی۔ تو ایک روز سب ماجرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر ڈالا ؎

بعد ازاں صدیق نزد مصطفٰے — گفت حال آں بلال باصفا
مصطفٰے زیں قصہ چوں گل بر شگفت — رغبت افزو دل گشت او را ہم بگفت

مختصر یہ کہ حضور نے اپنے عاشق دلدادہ کا جو یہ حال سنا تو ؎

مصطفٰے فرمود کا کنوں چارہ چیست — گفت ایں بندہ مرا درا مشتریست
ہر بہا کہ گوید اورا می خرم — در زیان و حیف ظاہر ننگرم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صدیق تم جاؤ اور امیہ بن خلف سے اُسے خرید لو۔ جو کچھ وہ قیمت کہے دے آؤ۔ ہم اُس کو خریدنا چاہتے ہیں ؎

تو وکیلم باش و بخرش بہر من — مشتری شو قبض کن از من ثمن

صدیق تم جاؤ اور ہمارے وکیل بن کر اُسے خرید لو۔ اور قیمت لے جاؤ۔ صدیق نے عرض کی کہ حضور میں بھی تو غلام ہوں۔ پھر میرا جو کچھ ہے۔ حضور ہی کا ہے ؎

گفت صد خدمت کنم رفت آں زماں
سوئے خانہ آں جہودے بے اماں

مختصر یہ کہ جب آپ پہنچے تو وہ خبیث آپ کو زدو کوب کر رہا تھا۔ آپ نے اسے سمجھایا منع فرمایا۔ وہ مانا۔ بالآخر قیمت کے بدلہ مبادلہ غلام کا غلام سے قرار پایا۔ جس کا قصہ یوں ہے۔ کہ یہودی نے کہا۔ صدیق! اگر آپ ایسے ہی ہمدرد ہیں۔ اسے لیلیجئے آپ نے فرمایا۔ قیمت کہو۔ اس نے کہا فسطاس رومی جو آپ کا مشہور غلام ہے۔ اسے مجھے دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ مردود! ایک فسطاس نہیں ہزار فسطاس اس پر نثار ہیں۔ بس خبردار۔ تیری میری بیع ہو چکی۔ فسطاس تیرا ہے اور یہ میرا ہے

ایں گہر از ہر دو عالم بہتر است
ہیں بخر زیں طفل ناداں کو خر است

یہودی نے بلال کو آپ کے سپرد کیا۔ آپ خوش خوش اسے لے کر چلنے لگے۔ تو امیہ بن خلف قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔ آپ نے فرمایا ہے

گفت صدیقش کہ ایں خندہ چہ بود
در جواب پرسش او خندہ فزود
گفت اگر جدۃ نبودے واہتمام
در خریداری ایں اسود غلام

امیہ یہ ہنسی کیسی بیہودہ ہے۔ اس پر وہ اور زیادہ ہنسا اور کہنے لگا کہ مسلمان ہو کر عقل بھی کھو بیٹھے۔ فسطاس رومی جیسے غلام کے عوض یہ بلال زنگی۔ اس پر ہنس رہا ہوں ہے

پس جوابش داد صدیق اے غبی
گوہرے دادی بہ جوزے چوں صبی
او بنزد من ہمے ارزد دو کون
من بجانش ناظر ستم نے بلون

صدیق نے فرمایا۔ بیوقوف تو کیا جانے۔ میں نے بادام دے کر موتی لیا ہے۔ جیسے بچے کو بہلاتے ہیں۔ میرے نزدیک دونوں عالم بھی اس کی قیمت ہوتی۔ تو ارزاں تھا۔ میں نے اس کے باطن کو دیکھ کر لیا ہے۔ اور تو نے فسطاس کے ظاہر کو دیکھ کر پسند کیا۔ القصہ بلال دربار میں حاضر کئے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کس قیمت میں اسے لائے۔ عرض کی کہ حضور میرا ایک غلام فسطاس رومی تھا۔ جو عراق عرب میں حسن و جمال کے ساتھ دانائی اور زیرکی میں شہرۂ تام رکھتا تھا۔ اس خبیث امیہ بن خلف نے اسے بلال کے بدلے میں طلب کیا۔ میں اسے دے آیا ہوں۔ اور انھیں لے آیا ہوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **مثنوی**

گفت اے صدیق آخر گفتمت
کہ مرا انباز کن در مکرمت
تو چرا تنہا خریدی بہر خویش
باز گو احوال اے پاکیزہ کیش

صدیق ہم نے تم سے کہا تھا۔ کہ ہم تم شرکت میں اسے خریدتے ہیں۔ ہم اس کے مشتری ہیں۔ تم اس اشترا میں ہمارے وکیل۔ لیکن یہ تم نے کیا کیا کہ تنہا خود ہی خرید لیا۔ **مثنوی**

گفت ما دو بندگانِ کوئے تو
کردمش آزاد من بر روئے تو
تو مرا میدار بندہ و یارِ غار
ہیچ آزادی نخواہم زینہار
کہ مرا از بندگیت آزادیست
بے تو بر من محنت و بیدادیست

صدیق اکبر نے عرض کی۔ حضور بلال بھی حضور کے غلام اور صدیق بھی غلام۔ اور غلام کا مال سب آقا کا ہے لہذا صدیق اپنے آقا پر بلال کو نثار کر کے آزاد کرتا ہے۔ صدیق و بلال کے دین و دنیا میں بہبودی تب ہی تک ہے جب تک غلام محبت سامی بنے رہیں۔ اُس غلامی سے آزادی مصیبت ہے۔ اور اس غلامی کی قید راحت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدیق کے اس جواب سے محفوظ ہوئے اور بلال کو مسجد نبوی کا مؤذن بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث میں فرمایا اَلْاَنْبِیَاءُ اَشَدُّ بَلَاءً اَلْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ۔ انبیاء کی ہستیاں خصوصیت سے نشانۂ بلا و مصائب ہیں۔ حسب مرتبہ کم و زیادہ سب ہی پر آئیں۔ اور بزرگانِ دین کا فتویٰ ہے۔ کہ بلا عطائے محبوب ہے۔ اور عطاء محبوب پر رنج کرنا خطا بلا مجاہدہ ابدان صیقل آئینہ جان ہے۔

مختصر یہ کہ جوں جوں اسلامی ترقی ہوتی گئی۔ مخالفین اسلام قتل مومنین پر چست ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور اُن کے رفقاء کے قتل کی تجویزیں ہو گئیں۔ تو جماعت صحابہ میں سے اکثر کو حبشہ روانہ ہونے کی اجازت دی گئی۔ جیسا کہ اول مذکور ہو چکا ہے۔ یارانِ صحابہ سے اکثر اُدھر روانہ ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہی بظاہر کم رہ گئے تو

کفار قریش نے مشورہ کیا کہ یہ موقعہ پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کی قوت کمزور ہے ۔ طے پا گیا ۔ کہ موقعہ ملتے ہی معاملہ ختم کر دیا جائے ۔ چنانچہ ایک روز سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقبرۂ جیحون کی طرف تشریف لے جانے کا عزم فرمایا ۔ صنادید قریش کو اس کی خبر ملی ۔ ابو جہل ۔ عدی بن حمرا اور شل اس کے اکثر سیاہ رُو اس راستہ پر روپوش ہو کر بیٹھ گئے ۔ جب خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس راہ سے گزرے ۔ دیکھتے ہی اُٹھے ۔ اور اس مدنی چاند کو سیہ ہالہ کی طرح گھیر لیا ۔ گالیاں دے کر سخت و سست بکنے لگے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب تعلیم قرآنی اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا ؕ خاموشی اختیار فرمائی اور ان کے پاس سے گزرتے اُنہیں سوائے سکوت کے کوئی جواب نہ دیتے تشریف لے گئے اور ملول دحزیں گورستان جیحون میں جا کر بیٹھ گئے ۔ ابو جہل خبیث یہاں بھی آیا اور اقوال قبیحہ رذیلہ بکنے لگا ۔ اکثر خبثاء نے آکر پتھر برسائے ۔ جسدِ نوری مجروح ہوا ۔ تمام کپڑے خون میں رنگ گئے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے واپس تشریف لے آئے ۔ اس واقعہ کی شہرت تمام اہل مکہ میں ہو گئی ۔

آپ کے چچا حضرت حمزہ شکار میں تھے

اتفاقاً تین روز اسی شکار میں بے خواب و خورش گزرے ۔ مگر صحرا نوردی بیاباں گشتی کے سوا کوئی شکار نہ ملا ۔ مجبور آج واپس گھر کو آئے ۔ نہایت درجہ پریشان تو تھے ہی جب مکہ آئے تو عبداللہ جدعان کی لونڈی نے آپ کو آتے دیکھا طعنہ زنی کی ۔ کہ اے حمزہ شکار میں سے کیا لائے ۔ وہاں سے خالی ہاتھ

آئے اور انتہائی عار کا داغ اس شکار کے بدلے جو لگا وہ نفع میں۔ آپ نے متحیرانہ دریافت کیا۔ اس نے واقعہ گزشتہ سنایا۔ اس واقعہ سے آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور اس قدر غصہ آیا کہ کچھ تفصیل سے دریافت نہ کر سکے۔ گھر میں آئے۔ کھانا مانگا۔ آپ کی بیوی نے دسترخوان بچھا کر جو کھانا موجود تھا۔ رکھا

حمزہ کی نظر بیوی پر جو پڑی تو دیکھا کہ آنکھوں سے اشک خونی رواں ہیں

آپ نے پوچھا کیوں روتی ہو۔ جواب دیا ابو عمارہ کیسے نہ روؤں۔ ایک یتیم تمہارے یتیموں کا تمہارے ہوتے یوں شکار بلا و مصائب بنے اور تم کو سیر و شکار سے فرصت نہ ملے۔ جو تکالیف اسے پہنچائی گئیں۔ اگر محض تمہارا رضاعی بھی ہوتا تو برداشت نہ ہوتیں۔

چہ جائیکہ نور دیدۂ ہاشم سرور سینۂ عبدالمطلب اسطرح مصیبتوں میں گھرے

اور تم آرام سے شکار کرتے پھرو۔ اور دسترخوان پر بیٹھ کر پیٹ بھرو۔ حضرت حمزہ نے فرمایا صاف صاف بتاؤ۔ کس کے ساتھ کیا ہوا؟ آپ نے کہا کیا بتاؤں۔ کوہِ غم سر پر ہے۔ آہ سرد سینہ سے پے در پے جاری ہیں۔ کس طرح کہوں۔ ابو جہل نے تمہارے برادر زادہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر پتھر برسائے ہیں کہ تمام جسم خون میں رنگا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ کیونکر ہوا۔ انھوں نے کہا ابو جہل نے ایک جماعت کے ساتھ آپ کو گھیر لیا۔ اور اس قدر مارا کہ پیشانی مبارک سے خون رواں ہو گیا۔ اور اِن رخسارۂ نوری کو جن سے آفتاب شرماتا ہے۔ زمین میں روندا۔ حمزہ نے کہا

افسوس! ان کے چچا ابوطالب اسوقت کہاں تھے؟

عرض کی وہ جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے اور انھیں اب تک اس قصّہ کا علم نہیں۔ فرمایا ابولہب کہاں تھا؟ عرض کی اس خبیث نے خود امداد دی۔ اور کہا کہ ہاں مارو۔ یہ جھوٹا جادوگر ہے۔ فرمایا عباس کہاں تھے۔ عرض کی عباس پروانہ وار اس شمع نبوت کے اِردگرد پھر رہے تھے اور ان خبیثوں سے کہہ رہے تھے کہ رحم کرو۔ مگر ان کی کون سُنتا تھا۔ حضرت حمزہ فرطِ غم سے رونے لگے اور اسی طرح سے تین روز کا فاقہ کئے دسترخوان سے اُٹھے اور فرمایا اب مجھے پر کھانا پینا حرام ہے۔ جب تک ان بے ایمانوں سے اپنے بھتیجے کا انتقام نہ لے لوں۔

اوّل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کیا۔ لوگوں نے مسجد حرام کا پتہ دیا۔ حمزہ یہاں آئے دیکھا کہ خانۂ کعبہ کے آگے سر جھکائے رونق افروز ہیں۔ حمزہ قریب آئے اور عرض کی

السلام علیک یا ابن اخی

اے بھتیجے بتاؤ۔ تمھیں کس کس نے یہ تکلیف پہنچائی۔ اب تمھارا جان نثار چچا حاضر ہے۔ حضور پُرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلک گوہر صدف دیدۂ تر سے ڈالے اور آہ سرد دل پُردرد سے کھینچ کر فرمایا کہ چچا جائیے اپنا کام کیجئے۔ غریب۔ یتیم۔ بے کس کا نہ بھائی ہوتا ہے نہ برادر نہ چچا ہے نہ کوئی یاور۔ نہ مونس ہے نہ غم خوار۔ نہ محرم ہے نہ غم گسار۔ نہ ناصر ہے نہ مددگار ہے

آہ اندرہ زمانہ محرم نیست
ہیچ کس راز حالِ من غم نیست

دم نیارم زدن زسوز درون
آنکہ کس غمگسار و ہمدم نیست
درد مندے و غصۂ بسیار است
ہیچ چیز از بلا مرا کم نیست

حمزہ کھڑے کھڑے روتے رہے اور جوش محبت میں آگے بڑھ کر معذرت کرنے لگے کہ بھتیجے مجھے خبر ہی بخدا اب ہوئی ہے۔ میں شکار میں تھا۔ للّٰلہ پتہ بتاؤ۔ اب تابِ ضبط نہیں ہے۔ میں جب تک بدلہ نہ لوں گا۔ مجھ پر کھانا حرام ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چچا خدا کی قسم اگر تم نے انہیں تیغ آبدار سے نیست و نابود کر دیا۔ اور ان کے نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے۔ تو میرے دل کو کچھ تسکین نہ ہو گی۔ ہاں اگر۔ مجھے راضی کرنا منظور ہے۔ اور میرے جراحت بھرے دل پر مرہم رکھنا چاہتے ہو تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ لو۔ حضرت حمزہ نے عرض کی۔ اے جانِ عم! اگر میں یہ کلمہ پڑھ لوں تو کیا آپ خوش ہو جائیں گے۔ اور میرے سامنے اس کملائے ہوئے پھول کو تبسم ریز ہنسی سے کھلا ہوا دکھا دیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں

میری خوشنودی۔ رضامندی خدا پر موقوف ہے۔ حضرت حمزہ نے باواز بلند لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھا۔ اِدھر انھوں نے کلمہ پڑھا۔ اُدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور اپنے پیارے چچا سے بغل گیر ہوئے حضرت حمزہ نے عرض کی۔ اب اجازت دیجئے۔ مجھے اب صبر نہیں ہے۔ یہ

کہہ کر مسجد سے باہر تشریف لائے اور ابو جہل کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ درخانہ ابو جہل پر پہنچے دیکھا کہ خبیث صدر جلسہ بنا ہوا ہے۔ اور ارد گرد ایک جماعت شرفاء عرب کی حاضر ہے۔ حضرت حمزہ نے کمان کھینچی اور ابو جہل کے سر کا نشانہ باندھ کر ایسا صحیح تیر چھوڑا۔ کہ خبیث کے سر میں جا کر لگا۔ اور خون بہنا شروع ہوا متحیر ہو کر ادھر اُدھر دیکھا تو

تیر انداز حضرت حمزہ تھے

سبب پوچھا۔ کہ آخر آپ نے ایسا کیوں کیا۔ آپ نے فرمایا۔ مردک تو نے میرے بھتیجے کو ایذا پہنچائی۔ میں تجھے اب زندہ نہ چھوڑوں گا۔ ایک اور شخص اُٹھا۔ اس نے کہا اے ابو عمارہ غضب ناک نہ ہو۔ صبر کرو۔ ہم نے جو کچھ کیا ہے اس کی وجہ سُن لو۔ تم خود ہی کہہ دو گے۔ کہ بیشک جو کچھ ہم نے کیا۔ ٹھیک کیا۔

آپ نے فرمایا۔ کیوں کہدوں گا

میں خود اس امر کی شہادت دیتا ہوں۔ کہ لات۔ عُزیٰ۔ نائلہ۔ صائلہ محض وہمی معبود ہیں۔ معبود حقیقی ایک خدا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

کشادہ کار چو در راہِ عشق مے یابم
بہیچ حال ازیں راہ رو نمے تابم

اشرافِ عرب اور ابو جہل یہ سُن کر بہت مایوس ہوئے۔ اسی زمانہ میں عمرِ فاروق بھی بشرف باسلام ہوئے۔ غرضکہ حضرت حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ

سے ان جانثار کا زبردست مقابلہ ہوا۔ آپ ان پر فتح یاب ہوئے۔ اور زخمی ہو کر دربار محمدی میں حاضر آئے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بامرِالٰہی مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمانے کا عزم کیا۔ یہاں بھی یہود کمر عداوت باندھے ہوئے تھے۔ چنانچہ بعد ہجرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا مقابلہ غزوہ بدر رہا۔ اور یہ غزوہ بدر چار بار ہوا۔ پہلا غزوہ تو معمولی طور پر ہو کر ختم ہو گیا۔ پھر غزوہ بدر الکبریٰ ہوا۔ یہ اتنا زبردست غزوہ تھا۔ کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں تشریف لے گئے۔

اسی لڑائی میں شیخ المہاجرین چچازاد بھائی عبیدہ ابن حارث ابن عبدالمطلب نے شہادت پائی۔ یہ پرانے معمّر تجربہ کار تھے۔ اور اول جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوا عطا فرمایا وہ یہی تھے۔ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت بھی بحد غایت تھی۔ ان کا واقعہ شہادت یوں ہے کہ جب دونوں لشکر چاہِ بدر کے پاس آکر ٹھہرے اور اپنے اپنے جھنڈے قائم کر لئے تو مقابلہ کی ٹھہری۔ لشکر کفار نابکار میں نوسو پچاس آدمی۔ سو گھوڑے۔ سات سو اونٹ تھے۔ اور لشکر اسلام میں تین سو پچاس جان نثار (وہ بھی اکثر خالی ہاتھ) ان میں ستّر اونٹ۔ دو گھوڑے۔ چند زرہ۔ اور آٹھ تلواریں تھیں۔ بعد تسویہ صفوف تین شخص کفار میں سے میدان میں آئے۔ ایک عتبہ بن ربیعہ۔ دوسرا شیبہ بن ربیعہ اس کا بھائی۔ تیسرا ولید بن عتبہ۔ اِدھر سے ان کے مقابلہ کو تین جوان انصاری دلیرانہ بڑھے۔ ان تینوں خبیثوں نے پوچھا تم کن میں سے ہو؟ شجاعانِ اسلام نے کہا۔ ہم انصاری ہیں۔ عتبہ نے کہا۔ ہمارا تم سے کوئی مقابلہ نہیں۔ ہم اپنے ابنائے اعمام سے مبارزۃ چاہتے ہیں۔ اور ایک ان میں سے پکار کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض پیرا ہوا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری کفو میں سے کسی کو بھیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اے عبیدہ اور اے حمزہ اور اے علی آپ لوگ میدان میں

جائیں۔ یہ تینوں مردانہ وار ان تین خبیث شجاعوں کے مقابلہ میں پہنچے۔ عبیدہ چونکہ معمّر تھے۔ عتبہ کے مقابلہ میں آگئے۔ کیونکہ وہ بھی بڈھا تھا۔ حضرت حمزہ ادھیڑ عمر تھے شیبہ کے مقابلہ میں آگئے۔ کیونکہ وہ بھی سن کہولت کو پہنچ گیا تھا۔ اور حضرت علی شیر خدا اسد اللہ کرم اللہ وجہہ چونکہ جوان تھے۔ ولید کے مقابلہ میں تشریف لائے۔ یہ بھی نور سیدہ تھا۔ حضرت حمزہ اور حضرت علی نے تو اپنے اپنے مقابل واصل بجہنم کر دیئے۔ اور عبیدہ و عتبہ کے مابین اتنا مقابلہ ہوا کہ ایک سے دوسرا زخمی ہوا۔ عتبہ نے جب پورے زخم کھائے اور کافی طور سے مجروح ہوا۔ تو جھنجھلا کر نظر بچا کر حضرت عبیدہ کی پنڈلی پر ضرب دی کہ ہڈی ٹوٹ گئی اور مغز باہر آگیا۔ آپ گر گئے۔ حضرت حمزہ و علی کھڑے ملاحظہ فرما رہے تھے۔ جب یہ حال دیکھا۔ جھپٹے۔ عتبہ کو تلوار سے گرا کر حضرت عبیدہ کو اُٹھا کر سیّد کونین کے حضور میں لا کر ڈال دیا۔ عبیدہ جب ہوش میں آئے تو آنکھ کھولتے ہی دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں سر ہے۔ خوش ہو گئے عرض کی کہ

يَا رَسُوْلَ اللهِ اَلَسْتُ شَهِيْدًا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں شہید نہیں ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بَلٰی۔ اَنْتَ شَهِيْدًا۔ بیشک تم شہید اور سر دفتر شہداء ہو۔ آپ نے اس بشارت سے مسرور ہو کر اسی وقت یہ اشعار کہے

ونسلمہ حتی نودع حولہ
ونذیل عن ابنائنا والحلائل

جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ میں اپنے آقا و مولیٰ کی محافظت میں رہ کر جان دے رہا ہوں اور محبت محبوب میں اپنے اعزہ و اقارب کو فراموش کر چکا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیت کی تصدیق فرمائی اور ان کے لیے دُعاء مغفرت کی۔ چنانچہ آپ ختم جنگ تک زندہ رہے۔ اور بعد فتح جنگ بدر منزل روحاء میں تشریف لاکر سمت دار القرار روانہ ہو گئے۔ رضواللہ علیہ۔

اور شہید دوم حضرت حمزہ سید الشہدا رضی اللہ عنہ اس جنگ بدر میں محفوظ رہے اور جنگِ اُحد میں شہید ہوئے۔ جس کا مختصراً تذکرہ یوں ہے کہ:۔

بعد فتح جنگِ بدر کفار عرب کے دل میں مومنین کی طرف سے کینہ اور زیادہ بڑھ گیا۔ چنانچہ صنادید قریش نے باہمی مشورہ کیا۔ کہ انتقام لینا ضروری ہے۔ ایک جرار لشکر جمع کیا۔ تین ہزار بہادران عرب میں سے چھانٹے۔ اِن میں سات سو زرہ پوش تھے۔ اور دو سو بیس گھوڑے۔ تین ہزار اونٹ جمع ہو گئے۔ تب مدینہ کو آئے اور جبل احد کو لشکر گاہ بنایا۔ آقائے مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات سو جان نثار ہمراہ لشکر ان کے مقابلہ کے لئے قائم کئے اور دو پہاڑوں کے مابین ایک درہ تھا۔ وہاں سے دشمن کی آمد کا خطرہ تھا۔ اس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جُبیر کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ مقرر فرمایا۔ اور یہ حکم دیا کہ درۂ کوہ پر محافظ رہو۔ کسی مشرک کو ادھر سے نہ آنے دو۔ اور تم کسی صورت میں بھی وہاں سے نہ ہٹنا۔ خواہ ہم غالب ہوں یا مغلوب۔ بعد ازاں تسویہ صفوف فرما کر جب جھنڈے بلند فرمائے گئے۔ تو قبیلہ قریش میں سے طلحہ بن ابی طلحہ میدان میں آیا اور مقابل طلب کیا۔ ادھر سے حضرت علی اس کے مقابلہ کو نکلے۔ اور پہلے ہی وار میں اس کے سر کا گودا نکال دیا۔ وہ واصل جہنم ہوا تھا۔ کہ اس کا بھائی للکارتا ہوا آیا اور حضرت حمزہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ غرض کہ علم داران قریش ایک ایک کر کے جب سب ہلاک ہو گئے اور علمِ کفر نگونسار ہو گیا۔ تو مسلمانوں نے یکبارگی حملہ کر کے کفارِ قریش کو لشکر گاہ سے نیچے اتار دیا اور مال غنیمت لوٹنا

شروع کیا۔ جب فتح مبین کا شہرہ درۂ کوہ کے محافظین نے بھی سنا اور غنیمت لٹتی دیکھی مطمئن ہو کر یہ سمجھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید محض فتحیابی کی حد تک کی تھی۔ اب کیا ہے۔ اب تو اللہ نے فتح دے دی۔ ہر چند کہ عبد اللہ بن جُبیر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے روکنے میں مبالغہ بھی بہت کیا۔ مگر کسی نے ان کی نہ سُنی۔ اور وہاں سے لشکر گاہ کفار میں آکر لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔

حضرت عبد اللہ بن جُبیر چند آدمیوں کے ساتھ حسب فرمان سرکار ٹھہرے رہے۔ فرار شدہ دشمنوں نے اس راہ سے باآسانی گزر کر داخل ہونے کا راستہ دیکھا تو اس طرف کا رُخ کیا اور حضرت عبد اللہ بن جُبیر کو معہ ان کے رفقاء کے شہید کر ڈالا۔ اور لشکر اسلام پر چھاپہ مارا۔ یک لخت ہوا کا رُخ بدل گیا۔ فتح نے شکست کی صورت اختیار کی۔ یہ ادنیٰ حکم شکنی محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کا نتیجہ دیکھ کر یہ لوگ بہت پچھتائے۔ مگر اب چارہ کار ہی کیا تھا۔ اب لشکرِ اسلام تین حالتوں پر منقسم ہو گیا۔

ایک جماعت نے تو بھاگنے کی ٹھان لی اور افتاں وخیزاں بھاگ کر جان بچائی اور حوالی مدینہ میں آکر پناہ گزین ہوئے۔

دوسری جماعت نے جان کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دینا بھاگنے سے افضل جانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد حاضر رہے۔ ان میں حضرت مولیٰ علی شیرِ خدا۔ اور سعد وقاص اور حضرت طلحہ وغیرہ تھے۔

تیسری جماعت سراسیمہ اسی میدان میں حیران وسرگرداں تھی۔ نہ بھاگے بنتی تھی نہ ٹھہرے۔ اور تھوڑے سے مقابلہ میں جامِ شہادت نوش فرما چکے تھے۔

روضۃ الاحباب میں ہے۔ کہ روزِ احد میں جب مسلمانوں نے اکثر بھاگنا شروع کر دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت

خشمناک ہوئے۔ اسی حال میں ملاحظہ فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں حاضر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علی کیا سبب ہے کہ تم اپنے لشکریوں کے ہمراہ نہ گئے۔ عرض کی حضور اِنَّ لِیْ لَکَ اُسْوَۃٌ کہ میرے لئے تو دین و دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا بھی سہارا نہیں۔ حضور میرے مقتدا ہیں اور میں مقتدی ہوں

جاں دہد عاشق واز کوچۂ جاناں نرود
بلبل سوختہ ہرگز ز گلستاں نرود
صفت عاشق صادق بحقیقت آنست
کہ گرش سر برود از سرِ پیماں نرود

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پریشان جماعت کو للکارا کہ مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ یہ حضور موجود ہیں۔ اور تم بے یار و مددگار مارے مارے پھر رہے ہو۔ یہ آواز سنتے ہی سب جماعت یکجا ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سب کو میرے گرد حفاظت میں چھوڑو اور تم صفوف اشقیا کو منتشر کر دو۔ حکم شاہی سنتے ہی

شیرِ خدا اسد اللہ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم

بپھرائے ہوئے میدان میں شیر کی طرح جو گرے۔ اکثر کو واصل جہنم کیا۔ اور تمام دشمنوں کو منتشر کر دیا۔ حضرت روح الامین حاضر دربار ہوئے اور مدح علی کرتے ہوئے عرض پیرا ہوئے کہ حضور یہ کمال مواساۃ اور جوانمردی ہے۔ کہ تعمیلِ حکم میں تنہا علی گھمسان میں جا گھسے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِنَّہٗ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ

علی مجھ سے ہیں۔ اور میں علی سے۔ کہ اتنے میں غیبی ندا آئی

لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیْ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوْالْفِقَار

صاحب درج الدرراس واقعہ کو لکھ کر فرماتے ہیں۔ کہ یہ تمام مرتبہ جو حضرت علی نے حاصل کیا۔ یہ سب **محض اتباع محبوب کے باعث تھا**

ولقد اجاد فیما افاد

آنکہ بسیر مرتبہ لافتے رسید
از دولت متابعت مصطفٰے رسید
آں مردمے کہ برسر اعدا بہ ذوالفقار
ہمچوں کلیم بود کہ با اژدہا رسید
بامیر اوز تفرق خلاص یافت
زرگشت کار قلب چو باکیمیا رسید

جب یہ حالت کفار کی ہوگئی۔ تو چار شخصوں نے کفار قریش سے معاہدہ کیا۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم قتل کریں گے یہ ابن قمیہ اور ابن حُمید اور عتبہ بن ابی وقاص اور ابن شہاب تھے۔ جب اشرارِ قریش نے پورا غلبہ کر لیا اور ابرار مغلوب ہو چلے تو ہر ایک کہنہ میں روپوش تھے۔ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم معدودے چند جان نثاروں کے ہمراہ ایک مقام پر تھے۔ ان چاروں سنگین دلوں نے میدانِ آرزد کو حسب مرام پاکر جرأت کی اور پتھر برسانے شروع کئے۔ حتّٰی کہ اس معدن جواہر رسالت کی طرف ابن قمیہ خبیث نے چند پتھر تاک کر مارے۔ حتّٰی کہ ایک پتھر پیشانی اقدس پر لگا اور خون بہنا شروع ہُوا۔
ریش اقدس خون میں تر ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس خون کو دامن ردا مرسے

جذب فرما رہے تھے۔ اور ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرنے دیا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ حضور خون کی اس قدر احتیاط کیوں ہے کہ ردائے مبارک کو تر کیا جا رہا ہے۔ فرمایا یہ بدبخت اندھے ہیں۔ مگر میری شان رحمت اس امر کی مقتضی نہیں کہ ان پر مصیبت آتی دیکھوں۔ اور خاموش بیٹھا رہوں۔ اگر ایک قطرہ خون بھی زمین پر گر جائے۔ تو اس قدر عذابِ الٰہی نازل ہو کہ جیسے یہ پتھر برس رہے ہیں۔ اُسی طرح شہاب جہنم برسنے لگیں۔

اتنے میں ابن شہاب خبیث نے زور سے بازوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر مارا۔ اور ابن ابی وقاص سے کہا کہ جلدی کر۔ اُس خبیث نے ایک پتھر مارا۔ جس سے لب و دندان مبارک زخمی ہوئے۔ اس پتھر سے دندانِ رباعیات شہید ہو گئے

بود لعلش سہیل رخشندہ
رنگ ما رنگ لعل بخشندہ
چوں سہیلش رفیقِ سنگ آمد
سنگ در دم عقیق رنگ آمد

جب تمام جسدِ نوری خون میں نہا چکا تو ابن قمیہ شمشیر لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے ہٹے اور ابن خبیث کی نظروں سے روپوش ہو گئے بلکہ نظر ابرار و اشرار سے پوشیدہ ہو گئے تو صحابہ شہادت کے دھوکے میں سخت پریشان ہوئے ؎

نالۂ دلہا بہ ثریا رسید
وز مژہ ہا سیل بدریا رسید

ابن قمیہ ملعون نے یقین کر لیا۔ کہ وہ خورشید شرع دریا رفنا میں غروب

ہو چکا۔ وہ ماہ اوج وکمال مغرب ستم میں غروب ہوگیا۔ اپنی قوم کو مژدہ دینے لگا۔ کہ مبارک ہو۔ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام تمام کر دیا ہے۔ شیطان لعین نے اس آواز کو شہرت دینی شروع کی۔ تمام لشکر میں اعلان کر دیا۔

اَلَا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ

یہ شیطانی آواز مدینہ تک پہنچی۔ اور یہ خبر دلسوز دوست و دشمن کے گوش نے مسموع کی۔ اشرار اس خبر سے شادماں ہوئے اور ابرار اس تشہیر سے پریشاں۔

مختصر یہ کہ مطمئن ہو کر مشرکین لوٹ کی طرف بڑھے۔ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر بعد ایک گوشہ سے ظاہر ہوئے۔ تھوڑے صحابہ جو وہاں کھڑے زار زار رو رہے تھے۔ دیکھ کر باغ باغ ہو گئے۔ اس گھمسان میں حضرت حمزہ سید الشہدا رضی اللہ عنہ نے بھی جام شہادت نوش فرما لیا تھا۔

آپ کی شہادت کی صورت یہ تھی۔ کہ جبیر بن مطعم کہ مہتر زادہ مکہ تھا اور اشراف عرب میں مانا جاتا تھا۔ اس کا ایک غلام حبشی مسمٰی بوحشی تھا اور وحشیت میں مشہور۔ گویا اسم بامسمّٰی تھا۔ زبردست مرد میدان دلیر اور زبردست مبارز۔ غرض جب لشکر قریش مدینہ کی طرف بڑھنے لگا۔ تو جبیر نے وحشی کو بلایا اور کہا اے غلام! اگر ہمارا ایک کام کر دے۔ تو تجھے ابھی آزاد کر دوں۔

اس نے کہا فرمائیں۔ اس نے نہایت بھرائے ہوئے لہجہ میں کہا کہ تجھے معلوم ہے کہ مسلمانوں نے کیا ظلم ڈھا رکھا ہے۔ روز بدر میں میرے چچا کو بھی قتل کر ڈالا۔ اور میں وہی ایک چچا رکھتا تھا۔ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دو چچا ہیں۔ حمزہ اور عباس۔ عباس مکہ میں ہے حمزہ اسوقت

مدینہ میں۔ اگر اس لڑائی میں حمزہ کو تو قتل کر دیوے۔ تو علاوہ آزاد کرنے کے تجھے دولت وافر سے مالا مال کر دوں گا۔

وحشی نے معاہدہ لے کر قتلِ حمزہ کا وعدہ کر لیا۔ ادھر ہندہ زوجہ ابن ابی سفیان نے اپنے باپ عتبہ کے انتقام کے لیے وحشی سے وعدہ لیا۔ اُدھر دختر حارث بن عامر نے بلا کر کہا کہ اگر تو میرے باپ کا بدلہ محمد یا علی یا حمزہ سے لے تو تجھے بہت مال دوں اور تیری شادی کرا دوں۔ وحشی نے کہا کہ قتل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مجھ میں ہمت نہیں۔ اس لئے کہ ان کی محافظت میں بہت آدمی رہتے ہیں۔ مگر حمزہ کو ماروں گا۔ علی بھی چونکہ جوان اور نو رسیدہ میدان کارزار نادیدہ ہیں۔ ممکن ہے ان پر بھی قدرت پا جاؤں۔

چنانچہ وحشی آزادی کی خوشی۔ ہندہ کے وعدوں وغیرہ کی مسرت اور دختر حارث سے شادی کا خیال دماغ میں لے کر شیرانِ بیشۂ اسلام میں سے ایک کو شہید کرنے کی ٹھان چکا تھا منتظر حرب رہا۔ مگر جب دیکھا کہ ایسا موقعہ اب نہیں نکلتا تو مجبوراً علیحدہ علیحدہ تفحص میں نکلا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا۔ تو دیکھا کہ شمع شبستان نبوت پر پروانے نثار ہو رہے ہیں۔ حضرت علی کی جستجو میں چلا۔ دیکھا کہ ایوان عالی میں ان لوگوں کے مجمعے ہو رہے ہیں۔ جو حرب میں مہارت تام رکھتے ہیں۔ اور خود علی بھی اطراف و جوانب سے بہت چاق چوبند ہیں۔ ہمت نہ پڑی۔ لوٹا اور حضرت حمزہ کی طرف روانہ ہوا۔ دیکھا کہ حضرت حمزہ مثل شیر مست کے لشکر میں للکار رہے ہیں اور لشکر کی صفوں کی صفیں صاف فرما رہے ہیں اور نہایت اطمینان سے محاربہ فرما رہے ہیں ؎

سالہا لعب نماید فلک چوگاں قدر
تا چنیں شاہسوارے سوئے میداں آرد

از رہ چستی و چالاکی اگر قصد کند
بدمے گوئے فلک در خم چوگاں آرد

اتفاقاً آپ سباع بن عبدالعزیٰ سے دوچار ہو گئے۔ آپ نے بلا کسی خیال کے ایک ہی وار میں اس کا مستقر سقر بنادیا اور جوش میں گھمسان کی پرواہ نہ کی۔ گھستے چلے گئے۔ اس جگہ کمین گاہ پر وحشی چھپا ہوا کھڑا تھا۔ جیسے ہی حمزہ اُدھر سے گزرے وحشی نے پیروں پر ایسا وار کیا کہ آپ گر گئے۔ فوراً سینہ پر چڑھ کر سینہ چیرا۔ کلیجہ نکالا۔ اور ہندہ کو دکھانے چلا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اور ہندہ کے پاس آکر کہا لے یہ حمزہ کا جگر ہے۔ جو تیرے باپ کا قاتل تھا۔ ہندہ نے خوش ہو کر جگر کو لیا اور دانتوں سے چبایا اور پھینک دیا۔ اس خوشی میں اس نے گلے اور پانوں کا تمام زیور اتار کر وحشی کو بخشا۔ اور کہا جب مکہ پہنچونگی۔ سو دینار زر سرخ تجھ کو بخشوں گی۔ پھر پوچھا۔ حمزہ کو کہاں مارا وہ جگہ مجھے دکھا۔ وحشی اس کو ہمراہ لایا۔ ہندہ نے سر حمزہ پر پہنچ کر چھری نکالی۔ اور کان۔ ناک اور بعض اعضاء کاٹ کر ڈورے میں پروئے۔ اور اس ہستی مقدس کو مثلہ کر کے خاک وخون میں پڑا چھوڑا ؎

در خاک وخوں فتادہ روا کے بود تنے
کہ در غزا بدشمن دیں کارزار کرد
جانہا فدائے عمِ محمدؐ کہ در اُحد
جاں را برائے دین الٰہی نثار کرد

روایت ہے کہ جب شہرۂ شہادت سرکار علم مدار صلی اللہ علیہ وسلم اہل مدینہ کے گھر گھر میں پھیل گئی۔ تو کوئی عورت قریش و بنی ہاشم کی نہ تھی مگر زار زار روتی تھی اور مخدرات و محرمات حجرات طہارت نے قصد روانگی احد فرمایا۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حجرے کے پیچھے کھڑی تھیں کہ ایک شخص کو جو اس

لڑائی سے فرار ہو کر آیا ہوا تھا دیکھا۔ آپ نے اُسے بلایا اور حال حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پوچھا۔ اس نے مفصل واقعہ عرض کرتے شرم کی اور کہا کہ لشکر کی حالت ناگفتہ بہ ہے

احوال درون خانہ گفتن ناتواں
خون بر در آستانہ می بین ومپرس

حضرت سیدہ زار زار رو رہی تھیں۔ اور حضرت ام ایمن اور صفیہ اور صدیقہ رضی اللہ عنہن نے جبل احد کی طرف روانگی کا عزم بالجزم کر لیا تھا۔ حتیٰ کہ معہ سیدہ کے روانہ ہوئیں۔ مگر طاقت رفتار نہ تھی چلتیں اور گر جاتیں کہ ایک عورت نے حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ حضور! آپ کہاں جا رہی ہیں۔ زار زار رو کر سب حال سنایا اور جہاں کا عزم تھا بتایا۔ اس نے عرض کی آپ یہیں ٹھہریں اور میں جا کر ابھی خبر لاتی ہوں۔ حضرت سیدہ نے فرمایا کہ اچھا جا مگر جب تیری نظر جمال آرائے نبوت پر پڑے۔ تو میرا حال زار سنا کر یوں عرض کیجو کہ حضور مصیبت زدہ فاطمہ نے یوں عرض کی ہے ؎

اے آفتاب حق کہ شدی غائب از نظر
آیا شبِ فراق ترا کے بود سحر
اے نور چشم عالم و چشم و چراغ دل
بکشائی چشم رحمت و در حال من نگر
نالم چو نے زغصہ و بادام بود بدست
سوزم چو شمع در غم و دردم زپا بسر

وہ عورت روانہ ہوئی۔ حضرت سیدہ اس کی واپسی کے انتظار میں ایک مقام پر تشریف فرما روتی رہیں۔ یہ عورت جب لشکر گاہ میں پہنچی۔ ہر کس و ناکس

سے حال حیاتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتی۔ حتیٰ کہ یہ اس مقام پر سے گزری جہاں اس کے بھائی کی لاش پڑی تھی۔ بیتاب ہو کر چاہتی تھی کہ لاش سے چمٹ جائے۔ مگر معاً خیال ہوا کہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری منتظر ہیں اور شہادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر مشتہر ہے۔ ایسی حالت میں مجھ پر حرام پر ہے کہ بجز حضور کی زیارت کے کسی کو دیکھوں۔ یہ سمجھ کر آگے چلی تو باپ کی لاش ملی۔ اس سے منہ پھیر کر آگے بڑھی تو اپنے اکلوتے بیٹے کی لاش دیکھی جو بعمر بست سالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غزوہ میں آیا تھا۔ زخم پر زخم کھا چکی تھی۔ بیٹے کی لاش نے اس پر نمک پاشی کی۔ بے جان سی ہو گئی۔ مگر ہمت کر کے آگے بڑھی تو ماں کی لاش دیکھی از خود رفتگی میں کہنے لگی اَھْلاً وَّ سَھْلاً یَا اُمُّ۔ یعنی خوش آمدید اے مادرِ مہربان۔ مجھے ذرا مہلت دو۔ کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آپ کی صاحبزادی سیدہؓ کو بشارت دے آؤں۔ یہ کہہ کر آگے بڑھی تو دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم لوائے اسلامی کے نیچے رونق افزا ہیں۔ اور گرد و پیش پروانہ وار تمام صحابہ حاضر ہیں۔ یہ صف چیرتی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جا کر گری اور پکاری کہ حضور پدر و پسر و برادر اور تمام میرا قبیلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار ہو چکا۔ میں بھی فدا ہونے کو حاضر آئی ہوں۔ اور حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا پیام لائی ہوں کہ وہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی میں نالاں و گریاں ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے انہیں کہاں چھوڑا۔ اس نے عرض کی فلاں مقام پر۔ حضور نے فرمایا ابھی واپس جا اور ہماری بشارتِ حیات اُنہیں پہنچا اور پھر ہمارے پاس آکر ہمیں مطلع کر۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب الارشاد وہ عورت لوٹی۔ اور بشارتِ حیات، سیدہ کو پہنچائی۔ اور کہا خدا کی قسم آقائے مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم زیرِ لواء رونق افروز ہیں اور تمام صحابہ گرد و پیش حاضر ہیں۔ حضرت سیدہ نے فرمایا مجھے ان تک پہنچا دے۔ اس نے عرض کی کہ بہت اچھا۔ غرض کہ حضرت سیدہ اس عورت کے ہمراہ جبل اُحد کو روانہ ہوئیں۔ جب حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ کو تشریف لاتے دیکھا۔ آگے بڑھے اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ حضرت سیّدہ بہت روئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلّی تشفی دی۔ آپ نے عرض کی۔ ابّا جان! اس عورت نے میری یہ مراد پوری کی۔ اسے کچھ انعام دینا چاہتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا

مانگ کیا مانگتی ہے؟

اُس عورت نے عرض کی۔ صرف یہ چاہتی ہوں کہ بروزِ قیامت میرا ہاتھ سیدہ کے ہاتھ میں ہو۔ اور وہاں مجھے فراموش نہ کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا۔ پھر سیدہ نے شہداء کی لاشوں پر جانے کی اجازت چاہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔ آپ اُٹھیں اور صحابہ سے پوچھا ما فعل عمی۔ میرے چچا حمزہ کو تم لوگوں نے کیا کیا اور ان کا کیا حال ہے۔ کیا وجہ ہے کہ سب کو دیکھتی ہوں۔ لیکن اُنھیں نہیں پاتی۔ حارث بن حتم نے عرض کی۔ میں ابھی انہیں ڈھونڈھ کر لاتا ہوں۔ یہ تبلاش حمزہ روانہ ہوئے۔ واپس آنے میں جو تعویق زیادہ ہوئی۔ تو حضرت شیرِ خدا خبر لینے چلے اور حارث سے ملے۔

دیکھا کہ حارث لاش حمزہ پر کھڑے رو رہے ہیں

جیسے ہی علی شیر خدا نے حمزہ کی یہ حالت دیکھی۔ جو مثلہ ہو چکی زار زار رونے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مفصل حال عرض کیا ؎

آہ ایں چہ خبر بود کہ دلہا خون شد
جانہا ہمہ سوخت دیدہ ہا جیحوں شد

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس اُٹھے اور بر سر بالینِ حمزہ آئے تو دیکھا کہ حمزہ شہید ہیں۔ مُثلہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ صدمہ ہُوا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیارے چچا حمزہ کو بہت ہی محبوب رکھتے تھے وہ آپ کے چچا بھی تھے اور برادر رضاعی بھی۔ اس موقعہ پر حضرت صفیہ کہ حضور کی چچی اور حمزہ کی بہن تھیں آتی نظر آئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صاحبزادہ زبیر سے فرمایا جاؤ اور اپنی والدہ کو واپس لے جاؤ۔ کہیں وہ اپنے بھائی کی لاش کا یہ حال دیکھ کر فرطِ غم سے جان نہ دے دیں۔ زبیر بحکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور اپنی والدہ سے فرمایا۔ کہاں تشریف لے چلیں۔ فرمایا میں نے سُنا ہے کہ بھائی حمزہ کو شہید کر کے مثلہ کر دیا ہے۔ اس حال کے دیکھنے کو جا رہی ہوں زبیر نے عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی یہ ہے۔ کہ میں آپ کو واپس لے چلو۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ اور میری حاضری کی اجازت لے آؤ۔ میں جانتی ہوں یہ جو کچھ بھی حمزہ کے ساتھ ہوا۔ محبت خدا اور رسول میں ہوا ہے۔ اللہ مجھے صبر دے گا اور ان کے صبر و رضا کے بدلے میں شاید خدا میری بھی مغفرت فرما دے۔ زبیر نے اکر اجازت لی اور صفیہ کو لاش حمزہ پر لے آئے۔ صفیہ نے بھائی کی لاش کا یہ حال دیکھ کر زار زار رونا شروع کیا۔ اور جناب الٰہی میں دعا کی کہ خدایا محبت رسول کے مقابلہ میں اپنے بھائی کے حال پر صبر کرتی ہوں۔ اس کے بدلہ میں تو میری خطائیں معاف فرما دے۔

صفیہ کے نالہ و بکا کی حضور تاب نہ لا سکے ۔ خود بھی چشم نوری سے سلک گوہر ڈالے ۔ سیدہ فاطمہ زہرا ابھی رو رہی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ صفیہ تیرے جیسی مصیبت کسی پر نہیں آئی ؎

ہنگام چنیں مصیبت اے دل
کو نالۂ و آہ و بے قراری
اے دیدۂ تو اشک ہائے خونیں
از بہر کدام روز داری

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے فاطمہ اور اے صفیہ تمھیں مژدہ ہو کہ خاص تمھارے لئے اس وقت روح الامین آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ حمزہ کو ملکوت السماء میں **اسد اللہ** اور **اسد الرسول** کا خطاب ملا ہے ۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء بدر کی نماز پڑھی ۔ سب سے اول سیدنا حمزہ کی بعد میں سب کی ۔ پھر سب کو دفن کیا گیا ۔ سیدنا حمزہ کے لئے حضور صلی اللہ نے فرمایا کہ اُنھیں اُنہی خون آلودہ کپڑوں میں دفن کرو ۔ جب اس کام سے فرصت پائی ۔ تو مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی ۔

اب وہ لوگ جو حبشہ ہجرت کر گئے تھے ۔ اس قافلہ کے سردار اور مبلّغ اعظم

حضرت جعفر بن ابی طالب تھے ۔ جو حضرت شیر خدا اسد اللہ کے بھائی بھی تھے ۔ ان کا تذکرہ یوں ہے کہ یہ جب یہ حبشہ پہنچے ۔ تو تبلیغ جعفر سے اُنہیں کے ہاتھ پر نجاشی والی حبشہ شرفِ اسلام سے مشرف ہو گیا ۔ پھر حبشہ سے لشکر لے کر ایک دن میں خیبر فتح کر لیا ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحد غایت خورسند و شادماں تھے اور بار بار فرماتے تھے ۔

کہ میں نہیں جانتا کہ ان دونوں خوشیوں میں سے کس خوشی نے مجھے زیادہ مسرور کیا ہے

ایک قدوم جعفر- دوسری فتح خیبر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جعفر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں اکثر ان سے فرماتے یَا جَعْفَرُ اَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي اے جعفر تم بہت زیادہ میری صورت اور میرے خلق سے مشابہت رکھتے ہو۔

روایت ہے کہ سال ہشتم ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرب شرجلیل غسانی کے لئے جب لشکر تیار کیا۔ تو حضرت جعفر بھی اس سریہ میں شریک تھے۔ جب مقام حضر موت پر پہنچے جو مقام بلقا کے نزدیک ہے۔ تو شامی لشکر کفار مقابلہ میں آگیا۔ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں تین ہزار مجاہد تھے اور لشکر شامی میں ایک لاکھ سوار و پیادہ تھے۔ بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ۔

اوّل تو مقابلہ کرنے میں تامل کیا گیا کہ ادھر کل تین ہزار ہیں۔ اور اُدھر ایک لاکھ سے زیادہ کی تعداد ہے۔ مقابلہ نامناسب ہے۔ مگر قوت الٰہی اور

اَلْحَقُّ يَعْلُوْا وَلَا يُعْلٰى

پر یقین کر کے متوکلاً علی اللہ پائے ثبات کو رکابِ وقار میں رکھ ہی دیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ عنانِ فتح اس وقت آفریدگار کے یدِ قدرت میں تھی ؎

در دستِ ماچو نیست عنانِ ارادتے
بگذاشتیم تا کرم اوچہ می کند

مردانہ وار کارزار کفّار میں کود پڑے۔ اثنائے قتال میں جب زید بن حارث رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ تو جعفر بن ابی طالب نے علم اُٹھایا۔ اور سواری سے

اتر کر پیادہ پا ہو گئے۔ اور اپنے گھوڑے کو آپ نے خصی کرادیا۔ یہ پہلا گھوڑا ہے۔ جو اسلام میں خصی کرایا گیا۔ پھر آپ سرگرم محاربہ ہوئے۔ ایک وار تلوار کا آپ کے دست راست پر ایسا پڑا کہ تن مبارک سے وُہ ہاتھ جدا ہو گیا۔ آپ نے نہایت دلیری سے علم کو بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ دشمنوں نے بایاں ہاتھ بھی کاٹ ڈالا۔ آپ نے اپنے بازو میں علم کو روکا کہ ایک رومی خبیث نے نیزہ مارا کہ پائے مبارک میں لگا۔

صحاح میں ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سب حال روشن فرمانے کو حجابہائے زمین مرتفع فرمائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچشم خود یہ سارا محاربہ ملاحظہ فرما رہے تھے۔ اور اصحاب کرام کو مطلع کرتے جاتے تھے۔ صحابہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زید بن حارث نے علم بلند کیا تھا مگر وہ شہید ہو گئے تھے اب جعفر بن ابی طالب نے اٹھایا ہے۔ مگر یہ بھی مرتبۂ شہادت حاصل کر چکے۔ اب ابن رواحہ علم اٹھائے ہوئے جرعہ فنا نوش کر رہے ہیں۔ یہ فرما کر

قطرات اشک چشم مبارک سے جاری ہو گئے

اور فرمایا جعفر بہشت گئے۔ حق تعالیٰ نے دو پر یاقوتی جعفر کو دیئے۔ اس معاوضہ میں کہ ان کے دو ہاتھ کٹے تھے۔ اب وہ جہاں چاہیں اڑیں اور سیر کریں۔ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے جعفر کو بصورت ملکی دیکھا کہ وہ اڑتے ہوئے سیر کرتے پھرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ جعفر رضی اللہ عنہ کو خواب میں ملاحظہ کیا۔ کہ جنت میں مرغانِ بہشتی کے ساتھ پرواز کر رہے ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں اڑ کر جاتے ہیں۔ اسی وجہ میں آپ کو جعفر طیار کہا جاتا ہے۔ اور حضرت علی نے اپنے ایک شعر میں ان کی منقبت اس طرح فرمائی ہے۔

وجعفر الذی یضحی ویمسی
یطیر مع الملائکۃ ابن امیؔ

یعنی وہ جعفر کہ صبح و مسا ملائکہ کے ساتھ طیران کر رہا ہے۔ وہ میرا ماں جایا بھائی ہے۔

بعض قصوں میں مروی ہے کہ حضرت جعفر نے اس لڑائی میں پچاس زخم کھائے اور آپ کو گردو پیش سے ۷۵ آدمیوں نے گھیر رکھا تھا اور چاروں طرف سے تیر و تلواریں ماری جارہی تھیں۔ جب آپ شہید ہو گئے۔ تو آپ کی لاش مبارک کو جفنار شام نے نیزہ پر اٹھا لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں مسجد نبوی کے ممبر پر رونق افروز تھے۔ اور یہ تمام واقعہ بذریعہ مکاشفہ ملاحظہ فرما رہے تھے۔ جب لاش مبارک کی یہ حالت دیکھی تو دعا کی کہ الٰہی میرے چچا زاد بھائی کی لاش کو آتنا رسوا نہ کر۔ حق تعالیٰ عز اسمہ نے اسی وقت ان کے دو بازو پیدا فرما دیئے۔ آپ نیزۂ کفار سے اڑے۔ اور جنت الفردوس میں پہنچے

اس وجہ میں آپ کو طیارؔ کہا جاتا ہے

مروی ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام حال مشاہدہ فرما لیا۔ تو جعفر بن ابی طالب کے مکان پر تشریف لائے اور اسما بنت عُمیس زوجۂ جعفر سے فرمایا۔ کہ جعفر کے بچے کہاں ہیں اُنہیں میرے پاس لاؤ۔ آپ اُنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیار کیا۔ اور گود میں بٹھا کر اشکِ نوری چشمِ منور سے گرائے۔ حضرت اسماء نے عرض کی۔ حضور! آج جعفر کے بچوں کو اس طرح نواز رہے ہیں جیسے یتیموں کو۔ کیا جعفر کی شہادت کی اطلاع آچکی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں۔ وہ شہید ہو گئے۔ حضرت اسماء

غایت بے خودی سے آہ و بکا کرنے لگیں۔ یہاں تک کہ عورتیں جمع ہو گئیں اور رونے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تسکین و تسلی دے کر تلقین صبر فرمائی اور وہاں سے رخصت ہو کر حضرت سیدہ کے یہاں بچشم پر آب تشریف لائے دیکھا کہ حضرت فاطمہ رو رہی ہیں اور واعماہ کہہ کر آنسو بہا رہی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "علی مثل جعفر فلتبک الباکیہ" حقیقتاً اگر کوئی روئے تو جعفر جیسے پر روئے سے

حیراں شدہ ام در غمت چوں گویم
از ابر بہار بارے افزوں گویم
گر دیدہ ز بہر دیگراں گرید آب
بہتر کہ من خستہ جگر خوں گویم

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تا زیست یاد رکھوں گا اس لطف و کرم کو جو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے گھر آ کر ہم پر فرمایا۔ جبکہ ہمارے پدر بزرگوار جعفر طیار نے جام شہادت نوش فرمایا تو تعزیت فرمانے تشریف لائے اور دست نوری میرے سر پر رکھ کر میرے بھائیوں کو گود میں لیا اور بہت پیار کیا اور آنکھوں سے آپ کے آنسو ایسے جاری تھے۔ کہ محاسن مبارک بھی تر تھی۔ پھر آپ نے دعا فرمائی تھی۔ کہ خدایا جعفر نے بہترین ثواب آخرت حاصل فرمایا۔ اب تو اس کی اولاد کو ان کے باپ کی خلافت عطا فرماوے۔ ہماری ماں جب یتیمی و بے کسی پر گریہ فرمانے لگیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَتَخَافِیْنَ عَلَیْھِمْ وَ اَنَا وَلِیُّھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

کیا تم فرزندانِ جعفر کی بے کسی و یتیمی سے خائف ہو با وجودیکہ میں ان کا دین و دنیا میں وارث ہوں۔ حضرت جعفر کے آٹھ صاحبزادے تھے۔ دو صغر سن جن کے نام محمد اور عون تھے جو کربلا میں اپنے چچا کے صاحبزادہ امام حسینؑ سید الشہداء کے ساتھ شہید ہوئے۔ جن کا تذکرہ انشاء اللہ اپنے وقت پر آئے گا اور چھ صاحبزادے اور تھے۔ منجملہ اُن کے عبداللہ بن جعفر طیار تھے جو شکل و شباہت کے لحاظ سے بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھے۔ محمد بن جعفر ابوطالب کے ہم شکل تھے اور عون بن جعفر اپنے باپ کے بالکل مشابہ تھے۔ باقی پانچ کا تذکرہ حسب موقعہ انشاء اللہ ہوگا ؎

سوراخ می شود دل ما چوں گل حسین
آں جا کہ ذکر واقعۂ کربلا رود
آخر روا بود کہ ز سنگین دلانِ شام
بر اہل بیت ایں ہمہ جور و جفا رود

وفات حسرت آیات سیدنا ابراہیم علیہ السلام فرزند محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اب حسب موقعہ اوّل وفات حسرت آیات فرزند دلبند ابراہیم علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام منقول ہے۔ جو مدینہ طیبہ میں بسال ہشتم ہجری ذو الحجۃ الحرام میں حضرت ام المومنین ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیدا ہوئے اور آپ کی دایہ قابلہ سلمی آزاد شدہ لونڈی تھیں۔ جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد فرمایا تھا۔ انہوں نے جب حضرت ابراہیم کی ولادت دیکھی۔ خوشی خوشی اپنے خاوند ابورافع کے پاس آئیں اور کہا۔ ماریہ کو خدا نے لڑکا دیا۔ ابورافع

یہ خوشخبری لے کر خدمتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں دوڑے گئے اور بشارتِ فرزند سنائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع کو اس مژدہ کے صلہ میں انعام بخشا۔

آپ کا نام اس طرح رکھا گیا۔ کہ اسی شب روح الامین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَا اِبْرَاهِیْمْ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابراہیم نام رکھ دیا اور بہت مسرور ہوئے۔ آپ کے لئے دایہ مقرر کی گئی۔ جب آپ کی عمر مبارک قریب ڈیڑھ سال کے ہوئی۔ تو سال ۱۰ھ ہجری میں آپ نے انتقال فرمایا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس موت کا بہت زیادہ قلق ہوا

ثبوت گریہ اور ممانعت نوحہ و ماتم

روایت ہے کہ جب حضور کو سکرات ابراہیم کی خبر پہنچی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دایہ کے یہاں تشریف لائے اور عبدالرحمٰن بن عوف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آپ نے ابراہیم کو گود میں لیا۔ اور سکرات کی کیفیت ملاحظہ فرما کر دریائے اشک چشم مبارک سے رواں ہوئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے عرض کی اَتَبْكِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ بھی روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ذٰلِكَ رَحْمَۃٌ اے پسر عوف محض آنسوؤں سے رونا تو سبب رحمت ہے۔ میں نے جو منع کیا ہے۔ وہ منہ اور سینہ کوٹنے کو، کپڑے پھاڑنے کو کیا ہے نہ کہ محض آنسوؤں سے رونے کو

مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاهِلِیَّۃِ فَلَیْسَ مِنَّا بھی ارشاد ہے اور آنسو تو ثبوت رقت قلب ہے اور جس میں رقت

قلب نہ ہو وہ انسان نہیں ۔ آنسو سبب رحمت ہیں ۔ اور جس کے دل میں رحم نہ ہو۔ اس پر خدا بھی رحم نہیں فرماتا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ پیارے ابراہیم اگر موت امر الٰہی نہ ہوتی تو ہم تمہیں اس حال میں نہ ہونے دیتے۔ مگر اِذَا جَاۤءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ جب امر الٰہی آجاتا ہے۔ تو ایک ساعت کم وزیادہ بمقدم ومؤخر نہیں ہو سکتی ۔ یوں ۔ مجبور ہیں ؎

میرے ہوتے ہوئے لیجائے تمہیں دستِ اجل
اور میں مجبور ہوں اتنا کہ چھڑا بھی نہ سکوں

پھر فرمایا اَلْعَیْنُ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ یَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا بِمَا یَرْضٰی بِهٖ اللّٰهُ۔ وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ یَا اِبْرَاهِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ ۝ آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔ دل اندوہناک ہے ۔ مگر ہم وہ جملہ زبان سے نہ کہیں گے جو جاہل کہتے ہیں ۔ مگر شکر الٰہی اور جس سے کہ ہمارا رب راضی ہے ۔ اور ابراہیم بیشک تمھارے فراق سے ہم غمگین ہیں ؎

دل ز پیوند کساں برداشتن آساں بود
لیک از پیوند جاں خود بریدن مشکل است

شواہد النبوۃ اور دیگر کتب سیر میں مذکور ہے ۔ کہ ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کو زانوے راست پر اور ابراہیم علیہ السلام کو زانوے چپ پر بٹھا رکھا تھا اور پیار فرما رہے تھے کہ روح الامین حاضر ہوئے ۔ عرض کی یا حبیب اللہ حضرت رب العزت دونوں کو آپ کے پاس جمع رکھنا نہیں چاہتا۔ ایک رہ سکتا ہے ۔ آپ اختیار فرلیں جس کو چاہیں تاکہ ایک کو جوار رحمت میں لیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حسین کے

لئے یہ منظور کرتا ہوں۔ تو اس کی جدائی میں میری جان پر بننے کے علاوہ قلب علی بھی ملول ہوگا اور میری نورِ چشمی فاطمہ کے جگر پر بھی زخم کاری لگے گا۔ بلکہ ان کے بھائی حسن کو بھی صدمۂ عظیم پہنچے گا۔ اور اگر ابراہیم کے لئے یہ تجویز منظور کروں تو کوہ الم ہماری جان سوزان پر پڑتا ہے۔ لہذا میں اپنی جان پر سوز فراق منظور کرتا ہوں۔ چنانچہ اس معاملہ کے تین روز بعد حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی۔ اس کے بعد کفار قریش نے بڑی بڑی تعبیریں نکالیں۔

چنانچہ سورۃ الکوثر کا نزول ہی اس وجہ میں ہوا۔ صاحب تفسیر حسینی ماتحت سورۃ الکوثر اس کا شانِ نزول یوں نقل فرماتے ہیں۔ کہ جب وفات حسرت آیات ابراہیم علیہ السلام ہوئی۔ تو کفار قریش نے کہا کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابتر ہوگئے یعنی دم بریدہ (معاذ اللہ) مقطوع النسل۔ تو یہ سورۃ مبارکہ نازل ہوئی اور ارشاد ہوا اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ کہ اے محبوب بے شک ہم نے آپ کو بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔ تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ بے شک جو آپ کا دشمن ہے وہی مقطوع النسل ہے۔ اور ہر چیز سے محروم ہے۔

بعد وفات جب کبھی سیدنا حسین سید الشہدا رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے۔ آپ گود میں لیتے اور پیشانی چوم کر فرماتے۔ وہ پیارا جس پر اپنے لخت جگر کو قربان کر دیا یہ حسین ہے۔

کنز الغرائب میں ایک روایت ہے کہ ایک روز سیدنا حسین سید الشہدا رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں تھے کہ بارش شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چہرۂ زیبا دیکھا تو کچھ ملول تھا۔ فرمایا کیوں غمگین ہو عرض کی۔ ابا جان کے پاس جائیں گے۔ مگر بارش سے ڈر لگتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے علی الفور دعا فرمائی۔ بارش بند ہوگئی۔ یہ وہی حسین ہیں جو دشت کربلا میں باران تیر ستم سے شہید کئے گئے۔ اللہ اکبر۔ جس ذات کے ملال کو رفع کرنے کے لئے بارش بند کرائی جائے۔ اس پر بارش ظلم و ستم روا رکھنے والوں پر کیا کیا عذاب ہوں گے۔

اب وفات حضرت سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سنئیے

کہ کس شان سے ہوئی۔ اور قیامت کبریٰ کا ظہور کس طرح ظہور پذیر ہوا۔

اوّل خواطر زاکیہ عقلاء عالم اور ضمائر صافیہ بنی آدم پر یہ امر واضح ہونا ضروری ہے۔ کہ لباس حیات انسان مستعار ہے اور اساس عمر بحد غایت ناپائیدار۔ لیالی و ایام کے ادوار میں مسافران راہ دور دراز کو عبور کر کے دار عقبیٰ میں قیام کرنا ہے اور مراحل شہور و اعوام میں روندگان بادیۂ خونخوار دنیا کو سیاحت کر کے وداع ہونا ہے۔

کنج اماں نیست دریں خاکداں
مغز وفا نیست دریں استخواں
آنچہ دریں مائدہ خرگہی است
کاسۂ آلودہ و دست تہی است
ہر کہ ازو خورد دہانش بدوخت
وانکہ ازو گفت زبانش بسوخت

حقیقت یہ ہے کہ جہان رفیق فنا ہے۔ اور یہ دنیا گنج بخش رنج و عنا۔ جو یہاں آیا ہے اس کو جانا ہے۔ اور جو نقطہ صفحۂ رحم قرار پایا اس کو پیدا ہونا ہے

کسی کا کندہ نگینے پہ نام ہوتا ہے
کسی کی عُمر کا لبریز جام ہوتا ہے
عجب سرا ہے یہ دنیا کہ اس میں شام وسحر
کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

آرے اساس خانۂ عمر استوار نیست
واز فنا محل ثبات و قرار نیست

غرض کہ یہ مقامِ فنا ہے۔ یہاں کی عشرت۔ بغیر عسرت نہیں۔ یہاں کی رحمت میں زحمت شریک ہے۔ یہاں کی مسرت میں مضرت ہے۔ یہ خانہ محنت اور کاشانۂ کربت ہے ؎

جہاں را ہر گلے بر نوکِ خاریست
خرابی از پئے ہر نو بہاریست
وصال غنچہ بے خار جفا نیست
چراغ لالہ بے باد فنا نیست
جہاں گر گنج دارد مار باوست
دگر خرما نماید خار با اوست
گر از دے لطف جوئی قہر یابی
وگر تریاق خواہی زہر یابی
نہ سروے در چمن بینم نہ شمشاد
کہ از آزۂ وہر ست آزاد

یعنی جس سرو سہی نے چمن وجود میں بلندی حاصل کی۔ اُسے ارّۂ فنا نے بیخ وبن سے کاٹا اور جس نہالِ تازہ نے گلشنِ حیات میں نشوونما پائی۔ تیر حمات

نے اُسے فنا کیا ہے

کدامی سرورا داد او بلندی
کہ بادش خم نہ کرد از دردمندی

جس نے دروازۂ عدم سے فضائے وجود میں قدم رکھا۔ اس کو رخنۂ فنا نے نکالا۔ جس نے رخت آمال و آمانی عرصۂ زندگانی میں لاکر رکھا۔ اس کو لازمی طور پر فریب دے کر رہزن اجل نے لوٹا عربی میں کسی نے خوب کہا ہے ہے

اَلْمَوْتُ قَدَحٌ کُلُّ نَفْسٍ شَارِبُوْهَا
وَالْقَبْرُ بَابٌ کُلُّ نَفْسٍ دَاخِلُوْهَا

موت ایک جام ہے کہ ہر جان کو اُسے پینا ہے۔ اور قبر ایک دروازہ ہے کہ ہر نفس کو اس میں داخل ہونا ہے۔

قرآن پاک میں ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ کوئی ایسی جان نہیں جو ذائقہ موت نہ چکھے کل مخلوق سیموت ہر مخلوق مرنے کے لئے ہے و کل مرزوق سیفوت اور ہر رزق دیا گیا فوت ہونے کے لئے ہے غرض کہ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ۵ جو بھی دنیا میں ہے۔ اس کو فنا ہونا ہے۔ اگر بقا ہے تو اس کی وجہ کریم کو جو ذی جلال والاکرام ہے۔ ورنہ خاقان و امیر سلطان و وزیر منشی و دبیر غنی و فقیر صغیر و کبیر جوان و پیر۔ عالم و جاہل۔ ناقص و کامل۔ قائم و قائد۔ ہابط و صاعد۔ خفتہ و بیدار۔ مست و ہوشیار۔ قوی و ضعیف۔ وضیع و شریف۔ موحد و ملحد۔ مقر و جاحد۔ فاسق و زاہد۔ کاہل و جاہد۔ سب کو پنجۂ موت میں آنا اور دنیائے فانی سے سرائے جاودانی کو جانا ہے ہے

دربار گاہ حشر چہ سلطان چہ بینوا
بر آستان مرگ چہ درباں چہ بادشاہ

اگر کسی کو اس جہان میں حیات ابدی اور بقائے سرمدی زیبا بھی ہوتی۔ تو وہ محض انبیاء و مرسلین کے شایانِ شان تھی۔ اس لئے کہ وہ ہستیاں ہادی اور سالک راہِ استقامت تھیں۔ اگر کسی کو موت مہلت دیتی اور دروازۂ بقاوا ہوتا تو خصوصیت سے سید الانبیاء۔ سند الاصفیا محمد مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء کے لئے زیبا تھا۔ کیونکہ آپ نے ہی فرمایا ہے اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ۔ ہم اولادِ آدم کے سردار ہیں۔ مگر انتقال جسمانی بہ سرائے جاودانی ان کے لئے بھی لازمی و ضروری ہوا۔ قرآن پاک میں خود انہی کو مخاطب بنا کر فرمایا اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ اے حبیب آپ بھی دُنیا سے جانے والے ہیں اور وہ بھی مرنے والے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

وَلَوْ کَانَ اِنْسَانٌ یَدُوْمُ بَقَاءُہٗ
لَمَا مَاتَ خَیْرُ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدًا

اگر انسان ہمیشہ باقی رہنے والا ہوتا تو خیر المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال جسمانی بھی نہ ہوتا۔

اندیشہ ز مرگِ مصطفٰے باید کرد
شادی طرب جملہ رہا باید کرد
چوں سید ہر دو کون جاوید نماند
مارا طمع خام چرا باید کرد

روایت ہے کہ سال دہم ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا فرمایا اور بمقام عرفات میں روز عرفہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ یعنی اے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل فرما دیا اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں۔ اور تمہارے لئے اسلام کو دین بنا کر پسند کیا۔ آقائے مدینہ رحمت مجسم صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس آیت میں سے رائحہ انتقال پائی۔ اس لئے کہ ہر شے میں بعد کمال زوال ہوتا ہے ؎

چو آفتاب بہ نصف النہار یافت کمال
مقرر است کہ روئے نہد بسوئے زوال

تو آفتاب رسالت، مہتاب نبوت، خورشید ہدایت نیر محبوبیت جب ہر طرح اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ تو اب نظر سفلا میں اس کا زوال لازمی ہوا۔ جب وزیر دبیر نظم مملکت کر چکا تو دورے کا التوا ضروری ہوتا کہ وہ اپنے دار السلطنت میں قرار پکڑے۔

چنانچہ جب تکمیل اسلام اور اتمام انعام ہو چکا۔ تو ناظم عالم سید بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مصیبت خانہ دنیا میں رہنے سے تعلق بھی کیا رہا۔

روایت ہے کہ بعد حج خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس کسی کو جو کچھ پوچھنا، لینا، مانگنا ہے اب مانگ لے۔ شاید آئندہ سال تم ہمیں یہاں نہ پاؤ۔ اور شاید کل بروز قیامت تم سے پوچھا جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح زندگی بسر کی بتاؤ کیا جواب دو گے۔ سب نے عرض کی کہ ہم یہی جواب دیں گے کہ ادائے حقوق رسالت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ فرمایا تھا۔ نہایت امانت داری اور عدل پروری میں امور سیاست و مذہب پورے فرمائے وعظ و نصیحت میں کوئی کمی نہ رکھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت سبابہ آسمان کی طرف بلند فرمائی اور پھر زمین کی طرف کی۔ اس وقت زبان مبارک پر یہ لفظ تھے اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ! اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ!! الٰہی گواہ رہ! الٰہی گواہ رہ!!

بعد اس کے جب حج سے مراجعت فرمائی۔ اثناء راہ میں ایک منزل پر اُترے اس مقام کو غدیر خم کہتے ہیں یہ متصل مقام جحفہ کے ہے۔ یہاں ظہر کی نماز اول وقت پڑھی۔ اس کے بعد صحابہ و حاضرین جلسہ کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ اَلَسْتُ

اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ کیا میں تمہاری جانوں کا مالک نہیں ہوں۔ سب نے عرض کی بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔ بیشک آپ ہی ہیں ایسے۔ اور کیوں نہ ہوتے جبکہ قرآن پاک شاہد ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ۔ ہمارے نبی مسلمانوں کے ان کی جان سے زیادہ مالک ہیں اور ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

پھر آپ نے فضائل حضرت مولیٰ علی شیر خدا اس طرح بیان فرمائے مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ جس کا میں دوست ہوں اس کا علی بھی دوست ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرا مالک خدا ہے اور میں تمام مومنین کا مالک ہوں۔ پھر حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اور جس کا میں دوست ہوں اس کا علی دوست ہے۔ بعد ازاں یہ پانچ دعائیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے فرمائیں۔

اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ۔ الٰہی! جو علی کو دوست رکھے اسے دوست رکھو وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ اور دشمن رکھ اس کو جو علی کو دشمن رکھے وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَہٗ اور ذلیل کر اس کو جو علی کو ذلیل کرے وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَہٗ اور اس کی مدد کر جو علی کی مدد کرے وَاَلْحِقْ مَعَہٗ حَیْثُ کَانَ اور ساتھ رہ اس کے جہاں بھی وہ ہو۔

روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ سن کر اُٹھے اور حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے بَخٍ بَخٍ یَا ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اَصْبَحْتَ مَوْلَا کُلِّ مُؤْمِنٍ وَّمُؤْمِنَۃٍ۔ مبارک ہو ابن ابی طالب کو کہ انہوں نے تمام مومنین کی جانوں کے دوست بن کر صبح کی ؎

روانہ برائے سر شہ دین خویش تاجے ساز
زخاکِ پائے جواں مرد وَالِ مَنْ وَالَاہُ

ز دل عداوت او دور وار تا نخوری
ز تیغِ لفظِ نبی زخم عَادِ مَنْ عَادَاہُ
گواہ پاکی اصلت ولائے شاہ ہے دال
کہ برکمالِ معالیش هَلْ اَتٰی است گواہ

صاحب درج الدرر راوی ہیں۔ کہ اسی مقام خم غدیر پر آقائے مدینہ محمد رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں تم میں دو زبردست معاملہ چھوڑتا ہوں۔ ایک قرآن پاک۔ دوسرے میرے اہل بیت۔ ان میں احتیاط رکھنا۔ میرے بعد تمھارا برتاؤ میں دیکھوں گا۔ کہ ان کے ساتھ کیسا رہتا ہے۔ دیکھو ان دونوں میں اختلاف نہ ہونے پائے۔ یہاں تک کہ تم مجھ سے حوض کوثر پر ملو۔ مگر افسوس کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نور دیدہ مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء کیساتھ ظلم وجفا روا رکھا گیا۔ دشتِ کربلا کے تپتے ہوئے ریت پر جسدہائے مبارک کے ساتھ بے پناہ ستم ڈھائے گئے۔

صاحب مقتل نور الائمہ نقل فرماتے ہیں۔ کہ جب کبھی سیّد الشہدا امام حسین رضی اللہ عنہ بچوں کے ساتھ کھیلتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُدھر سے تشریف لے آتے تو شہزادہ صاحب کو گود میں لے لیتے اور اکثر یوں دعا فرماتے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاُحِبَّہٗ وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّہٗ۔

ایک دن اسی طرح آپ کھیل رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گود میں لے کر دعا کی۔ الٰہی میں حسین کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی انھیں محبوب رکھ۔ اور جو انہیں محبوب رکھے تو اُسے بھی اپنا محبوب بنا۔ غیب سے ارشاد ہوا کہ اے ہمارے حبیب! جس کے لئے تم یہ دعا کر رہے ہو وہ اور ان کا بھائی اور باپ عنقریب جام شہادت سے سرخ جوڑا پہنیں گے۔ حسین تین دن کے بھوکے پیاسے ہمارے دربار میں آئیں گے۔ حسن زہر نوش فرما کر قطعات جگر ڈال

کر فردوس بریں میں آرام پائیں گے۔ ان کے باپ علی نماز میں ضربتِ تیغ سے شربتِ شہادت پیتے ہوئے سُرخ رو ہوں گے ؎

آں یکے را ضربتِ تیغِ بلا بر فرقِ سر
واں دگر را شربتِ زہرِ عنا در کام دل
دیگرے بار حلق تشنہ خوردہ تیغِ آبدار
خاکِ دشتِ کربلا از خونِ پاکش گشتہ گِل

مروی ہے کہ ایام مناجحۃ الوداع میں سورہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ نازل ہوئی۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے فرمایا بھائی گویا مجھ کو خبر دی گئی ہے۔ کہ اس عالم سے چلنا چاہیئے۔ جبریل نے عرض کی یارسول اللہ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی۔ آخرت آپ کے لئے دنیا سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تر توجہ عالی آخرت کی طرف کی طرف فرمائی شروع کردی اور اکثر حضور سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ہ کی تکرار فرماتے رہتے۔ صحابہ نے دریافت کیا۔ ان کلمات کی زیادہ تکرار کس وجہ سے ہے۔ فرمایا تاکہ تم آگاہ ہو جاؤ کہ اب ہمارا اس دار فنا سے کوچ ہے اور عالمِ بقا کو جانے کا وقت قریب آگیا ہے۔ یہ سُن کر صحابہ زار زار رونے لگے اور عرض پیرا ہوئے۔ اے سیّد و سردار ہمارے لئے اب کیا سہارا ہے۔ تو آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا۔ کہ تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔"

ایک روایت میں ہے کہ جب سورہ نصر اور آیۂ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ سے خبر ارتحال اس عالم بے ثبات سریع الزوال سے معلوم ہو گئی تو ایک ماہ قبل از وفات خاص صحابہ کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دولت کدہ میں

بلایا۔ جب سب صحابہ حاضر ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو ملاحظہ فرما کر قطراتِ اشک چشمِ نوری سے گرائے ؎

وداع یار و دیارم چو بگزرد بخیال
شود منازلم از آب دیدہ مالا مال
میانِ آتش سوزندہ ممکن است آرام
ولے در آتشِ ہجراں قرار و صبر محال

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غایت شفقت و درد سے اس طرح دعا دی اور فرمایا مَرحَبًا بِکُمْ وَحَیَّاکُمُ اللّٰہُ بِالسَّلَامِ جَمَعَکُمُ اللّٰہُ وَرَحِمَکُمُ اللّٰہُ وَحَفِظَکُمُ اللّٰہُ وَجَبَرَکُمُ اللّٰہُ وَنَصَرَکُمُ اللّٰہُ وَرَفَعَکُمُ اللّٰہُ وَوَفَّقَکُمُ اللّٰہُ وَقَبِلَکُمُ اللّٰہُ وَھَدٰکُمُ اللّٰہُ وَاٰوَاکُمُ اللّٰہُ وَوَقَاکُمُ اللّٰہُ وَسَلَّمَکُمُ اللّٰہُ وَرَزَقَکُمُ اللّٰہُ۔ دوامی عیش و طرب سے خدا تمہیں زندہ رکھے اور محبت و وداد کے ساتھ تمہاری زندگی بسر ہو اور اللہ کی رحمت ہر وقت تم پر رہے اور ہر بلا سے تم محفوظ رہو اور تمہاری کمزوریاں طاقت و قوت سے بدل جائیں اور اللہ تمہاری مدد فرمائے اور تمہارے رتبہ اور زیادہ بلند کرے اور تمہیں نیک کاموں کی توفیق عطا فرمائے اور تمہاری مرادیں پوری ہوں اور تمہیں اللہ ہدایت پر قائم رکھے اور ہر موقع پر سلامتی میں رکھے اور اپنے خزانۂ غیب سے ہمیشہ تمہیں رزق عطا فرمائے۔ میں تم کو پرہیزگاری اور تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور حق تعالیٰ تمہارا والی ہے اور تمہیں خوف دلاتا ہوں اس احکم الحاکمین کے عقاب و عذاب سے تمہیں لازم ہے کہ طریقۂ کبر و نخوت سے مجتنب رہو۔ اور اس کے ملکوں میں فتنہ و فساد نہ پھیلانا۔

ان تمام جملوں کو صحابہ سن کر سمجھ گئے کہ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے وداع ہو رہے ہیں اور نصائح میں جو اس قدر مبالغہ ہے۔ یہ سفر آخرت کے قرب کی دلیل

ہے۔ اور وقتِ فراق بہت ہی قریب آگیا ہے اور ہنگامِ وصالِ رفیق اعلیٰ بہت ہی نزدیک ہے۔

سب زار زار رو رہے تھے۔ اسی اثنا میں مستفسر ہوئے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو غسل کون دے؟ فرمایا میرے اہل بیت کے مردوں میں جو اقرب ہو۔ عرض کی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کفن کس کپڑے میں دیا جائے؟ فرمایا انہی کپڑوں میں جو میں نے پہن رکھے ہیں۔ یا اگر چاہو تو پارچہ مصری یا یمنی سفید رنگ میں۔ عرض کی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز کون پڑھائے گا؟ اس کا جواب سننے کی تاب نہ رہی اور سب باآواز بلند رونے لگے۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اشک ریز تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو تشفی دے کر فرمایا کہ صبر کرو۔ بے چین نہ ہو۔ یہ دن سب کے لئے ہے۔ خدا تم پر رحم کرے اور تمھاری خطائیں معاف کرے۔ سنو! جب مجھے غسل دکفن دے چکو۔ تو میرے جنازہ کو اسی گھر میں چھوڑ کر تم سب باہر چلے جانا۔ اس لئے کہ سب سے اول مجھ پر میرے دوست جبریل نماز پڑھیں گے۔ پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر عزرائیل تمام ملائکہ کے گروہ کے ساتھ۔ اس کے بعد تم سب آنا اور نماز پڑھنا۔ میری نماز میں ابتدا میرے اہل بیت سے ہو۔ جب سب فارغ ہو لیں تو زنان اہل بیت پھر تمام صحابہ۔ زنان اہلبیت فرمانے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے۔ کہ یہ تمام جنازہ دعاءِ مغفرت میت کے لئے نہ تھی۔ بلکہ اس کی نوعیت علیحدہ تھی۔ وہ یہ کہ تمام صحابہ۔ جمع ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے اور چلے جاتے وہاں اللھم اغفر لحیّنا و میتنا نہیں تھی اسی وجہ میں مرد و عورت سب جنازہ میں شریک تھے۔ جلاء العیون مؤلفہ باقر مجلسی میں ہے کہ جنازۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں صدیق و عمر و عثمان اور علی سب شریک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنازۂ رسول کی نماز جنازہ نہ ہونے کا الزام غلط اور بے دلیل ہے۔

عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو قبر میں کون اتارے گا؟ فرمایا میرے اہلبیت میں سے کوئی مع جماعت ملائکہ کے۔ وہ تم کو دیکھیں گے۔ مگر تم انہیں نہ دیکھ سکو گے۔ پھر سب کو رخصت فرمایا۔ اور فرمایا کہ ہمارا سلام اس جماعت کو پہنچانا۔ جواب موجود نہیں ہے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت منتظر وقت فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ کے ہیں۔ نہایت بے چینی سے وقت کے منتظر ذکر و شغل میں مشغول ہیں۔

اصلیت زیارت گورستان در حضر بروز آخری چہار شنبہ

آخر شب چہار شنبہ ۲۸ صفر المظفر سنہ ۱۱ھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم زیارت گورستان بقیع کے لئے تشریف لے گئے۔ اور وہاں تشریف لیجا کر فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الدِّيَارِ وَالْقُبُوْرِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ ٥ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَنَحْنُ لَكُمْ خَلَفٌ۔ اس شب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب حضرت ابو مویہبہ تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہالیان مقبرۂ بقیع پر قیام فرماکر استغفار فرمائی اور اتنی دیر دعا فرمائی کہ آپ کے سجدے نے مجھے پریشان کر دیا اور میں دعا کر رہا تھا کہ کاش بقیع کے مدفونوں میں آج میں بھی ہوتا۔ تاکہ اس دعا کی برکت سے میں بھی متمتع ہوتا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابو مویہبہ اس دنیا کے خزانے مجھ پر پیش کئے گئے۔ اور مجھے اختیار دیا گیا کہ جب تک چاہوں دنیا میں رہوں۔ مگر آخر سمت دار البقا جانا ناگزیر تھا۔ میں نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار۔ خزائن دنیا اور قیام منظور فرمالیجئے۔ فرمایا نہیں۔ قیام دنیا اور خزائن عالم پر لقائے پروردگار کو میں نے اختیار کیا۔

یہ آخری چہار شنبہ وہ ہے۔ جسے آج ہم نے میلے اور تماشوں کے ساتھ بگاڑ اور نہ اس چہار شنبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بقیع تشریف لے گئے۔ ہم بھی اگر اس سنت پر عمل کرتے ہوئے گورستان میں فاتحہ خوانی کرتے تو ثواب ملتا اور اس دن کام کی چھٹی ہوتی۔ لیکن ہم ہیں کہ ہر اسلامی شعار کو بھی لہو ولعب سے خراب کر دیتے ہیں۔

روایت ہے کہ جنگ احد سے ۸ سال بعد اول مرض موت میں درد سر ہوا۔ آپ نے سر مبارک کو کپڑے کی پٹی سے باندھ لیا۔ یہ دن حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا تھا۔ جب مرض نے اشتداد پایا تو دوسرے دن تمام ازواج مطہرات دولت سرائے میمونہ میں جمع ہو گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر بار بار اَیْنَ اَنَا غَدًا (ہم کل کہاں ہونگے) جاری تھا۔

حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جملہ ازواج سے فرمایا کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر روز تشریف لے جانے اور جائے قیام بدلنے میں مشقت و تکلیف ہوتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ سب متفق ہو کر ایک مقام کے قیام کی اجازت دے دیں۔ اور میرے خیال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدۂ صدیقہ سے راضی ہیں۔ سب نے اتفاق فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی اور حضرت صدیقہ کے یہاں قیام کی اجازت دے دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بخوشی روانگی کا عزم فرمایا۔ ایک ہاتھ دوش علی کرم اللہ وجہہ پر رکھا اور دوسرا ہاتھ فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ پر۔ اور پائے مبارک زمین پر خط کھینچتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ حجرۂ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں تشریف لے آئے بستر مرض لگایا گیا۔ حضور اس پر آرام گزیں ہوئے۔ جملہ ازواج مطہرات اس نیرِ رسالت کے ارد گرد حاضر تھیں۔ مرض ساعت بہ ساعت ترقی پذیر تھا۔

عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی وہیں حاضر تھا۔ میں

نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر شدید بخار تھا کہ جسد اطہر پر ہاتھ رکھنے کی ہمت نہ تھی۔ میں نے عرض کی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر شدید بخار اور آپ جیسی ہستی کو۔ فرمایا اَلْاَنْبِیَاءُ اَشَدُّ بَلَاءً اَلْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ حسب مرتبہ بمقابلہ عوام انبیاء پر نزولِ بلا اشد ترین ہوتا ہے۔ میں نے عرض کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اجر بھی عظیم ملے گا۔ فرمایا۔ ہاں۔ پھر فرمایا۔ اُس ذات پاک کی قسم جس کے یدِ قدرت میں ہماری جان کو جو زمین پر ہے۔ تکلیف عرض نہیں دی جاتی۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اس طرح گرا دیتا ہے۔ جیسے سوکھے درخت کے پتّے جھڑ جاتے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب حاضر ہوا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوہر اوڑھ رکھی تھی۔ میں نے جو ہاتھ رکھا تو چادر کے اوپر ہاتھ حرارت بخار کا متحمل نہ ہو سکا۔ پھر میں نے چادر ہٹا کر ہاتھ رکھا تو شدید بخار تھا۔ میں نے متعجبانہ کہا کہ سبحان اللہ یہ بخار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے سعید! انبیاء سے زیادہ تکلیف کسی کو نہیں ہوتی۔ اور جس قدر ان پر بلائیں متضاعف ہوتی ہیں۔ اجر بھی ایسے ہی ہوتے ہیں اور خوشی کی بہ نسبت بلا انبیا پر زیادہ آتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ محبان راہ و مقربان بارگاہ کے جو زخم لگتا ہے۔ چونکہ محبوب کی طرف سے ہوتا ہے۔ بدیں سبب وہ مرہم سمجھا جاتا ہے۔ اور جو مصیبت و الم محبوب کے لئے اُٹھائے جاتے ہیں۔ اس کو عین عطا و کرم جانتے ہیں۔

المے کز برائے دوست کشم — راحت جاں بتلائے من است
زخم او مرہم است بر دل من — درد او شربتِ دوائے من است

کسی نے خوب کہا ہے ؎

من خارِ غمش بصد گلستاں ندہم
خاکِ قدمش بآبِ حیواں ندہم
دردے کہ مرا در غمِ او حاصل شد
آں درد بصد ہزار درماں ندہم

بشیر بن براء رضی اللہ عنہ کی والدہ فرماتی ہیں۔ کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر آئی۔ دیکھا کہ شدید بخار تھا۔ میں نے عرض کی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)! ایسا بخار تو میں نے کسی کو آتے نہ دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ جیسے ہم بے مثل ہیں۔ ایسا ہی ہمارا مرض بھی بے مثل ہوتا ہے۔ پھر فرمایا۔ ام البراء یہ تو کہو کہ اس مرض کا لوگ کیا نام رکھتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! ذات الجنب فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ لطف و کرم الٰہی کو یہی سزاوار تھا کہ پیغمبر کے لئے ایسا ہی مرض مسلّط فرمایا جائے۔ اس لئے کہ اکثر امراض ہمزات شیطان سے ہوتے ہیں اور شیطان کی ہم تک رسائی ناممکن ہے۔ اور یہ مرض اس گوشت زہر آلودہ کے سبب سے ہے۔ جو تمہاری بیٹی براء کے ساتھ خیبر میں کھایا تھا۔ اور اکثر اس کا اثر ہم پر تازہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت چونکہ انقطاعِ رگ حیات ہے اور حکمت الٰہی اس امر کی مقتضی کہ اپنے پیغمبر کو مرتبۂ شہادت عطا فرمائے۔ بدیں سبب شدت پیدا ہو گئی۔ اور ذات الجنب۔ برص۔ جذام۔ رعشہ۔ نابینائی۔ بلادت ذہن ایسے امراض سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو محفوظ و مصئون رکھا ہے۔

روح الارواح میں ہے کہ یہ عجیب سر ہے کہ جب معدن فتوت، خازن ولایت بضعۂ نبوّت سے قریب ہوئے تو دو دُرِّ شاہوار ظاہر ہوئے یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ہر ایک نے میراثِ پدری حاصل فرمائی جد امجد مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء ہیں۔ کہ اثر زہر میں رحلت سمت دار البقاء فرماتے ہیں اور باپ حضرت

علی مرتضیٰ ہیں جو ضربِ تیغ آبدار سے سفرِ آخرت اختیار فرماتے ہیں۔ حسن بڑے فرزند دلبند ہیں۔ وہ میراث مصطفوی لیتے ہیں۔ اور شربت زہر نوش فرما کر بہشت بریں کو جاتے ہیں۔ اور چھوٹے دلبند حسین میراث اپنے باپ کی لے کر کربلا میں تیغِ جفا سے حلقومِ نازنین کٹواتے ہیں ؎

چوں چراغ دیدۂ زہرا بکشتندش بہ زہر
زہرا را دل بر چراغ دیدہ زہرا بسوخت
چوں رواں کردند خوں از قرۃ العین رسول
چشم عیسیٰ خوں ببارید و دل زہرا بسوخت

ایک روایت میں ہے کہ یہ مرض چودہ روز رہا۔ مگر ان ایام میں احکامِ شرعیہ اور فیصلہ مقدمات برابر جاری رہے۔

روضۃ الاحباب وغیرہ کتب سیر میں یوں ہے کہ اس مرض سے اول صحت پا کر پھر دوبارہ مرض شروع ہوا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا سخت مرض کسی کو نہ دیکھا۔ مگر اس مرض میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی استقامت اور انتہائی جمع خاطر اور پابندیٔ شریعت بھی نہ دیکھی۔ کہ ایسے شدید مرض میں نمازِ پنجگانہ پابندی وقت سے ادا فرماتے اور نہایت اطمینان سے آئندہ وروندگان سے ملاقات فرماتے۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم لیٹے سے بیٹھ گئے اور حضرت سیدہ کی پیشانی کو چوما اور اپنے پاس بٹھایا اور کچھ باتیں کان میں فرمائیں۔ جن کو سن کر حضرت سیدہ زار زار رونے لگیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تسلی تشفی فرماتے ہوئے دوبارہ کان کی طرف جھکے اور کوئی ایسی بات فرمائی۔ کہ حضرت

سیّدہ کو متبسّم کر دیا۔

حضرت صدیقہ نے اول گریہ اور معاً تبسم ملاحظہ فرما کر تعجب کرتے ہوئے دریافت فرمایا۔ کہ میں نے کبھی تمہیں ایسا نہیں دیکھا۔ کہ رنج میں علی الفور فرحت و سرور کا اظہار ہو۔ ایسی کیا بات تھی۔ جس نے خلاف عادت یہ امر ظاہر کرایا۔ سیدہ نے فرمایا۔ کہ اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے بیٹی رنجیدہ نہ ہونا اب ہماری رخصت کے دن قریب ہیں۔ اس لئے کہ ہمارا شوق دلی عالم اقدس کی طرف زیادہ بڑھ رہا ہے۔ اب ہم عنقریب اس دار فانی سے جوارِ رحمت سبحانی میں جانے والے ہیں۔ لہٰذا تم ہماری صحبت کو غنیمت جانو اور جس قدر ممکن ہو یہیں رہو۔ اس خبر وحشت نے میرے دل کے ٹکڑے کر دیئے اور میں زار و قطار رونے لگی۔ پھر میرے کان میں فرمایا بیٹی غمگین ہونا بے کار ہے۔ یہ دن سب کے لئے ہے۔ تمھیں بھی مژدہ ہو کہ تم سب سے پہلے ہم سے ملوگی۔ دوسری بشارت اور دیتا ہوں۔ کہ روضۂ رضواں میں تم ہی سیّدۂ زنانِ جنت ہو گی۔ اس مژدہ کو سُن کر میں مسرور ہو کر متبسّم ہو گئی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فاطمہ روح الامین نے مجھ سے کہا ہے کہ زنانِ جنت کی سیّدہ فاطمہ سردار ہو گی اور تمام زنانِ اہلبیت سے پہلے سیّدہ ہی آپ سے ملیں گی۔ یہ دونوں بشارتیں حضرت سیّدہ کا غم کم کرنے کو کافی ہوئیں۔

روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بخار نے شدت کی۔ تو فرمایا سات کنوؤں میں سے سات مشک پانی منگواؤ اور ہم پر ڈالو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طشت میں بٹھا کر ایسا ہی کیا گیا۔ اس سے بخار میں گونہ تخفیف ہوئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور جماعت کے ساتھ نماز

ادا فرمائی۔ بعد نماز وعظ فرمایا۔ جس میں بعد حمد وثنا اور استغفار برائے شہدائے اُحد کے یہ مضمون تھا۔ کہ انصار میرے خاص ہیں۔ اُنہیں کے ساتھ میں نے ہجرت کی۔ انہوں نے مجھے رہنے کو جگہ دی۔ ان کے جو نیک ہیں ان کی تعظیم کرنا اور جو بد ہیں اُن سے چشم پوشی اختیار کرنا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب انصار نے دیکھا کہ مرض روز بروز ترقی پا رہا ہے۔ تو اپنے گھر میں چین نہ آتا۔ مسجد نبوی کے اردگرد دیوانہ وار پھرتے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جب انصار کا یہ حال دیکھا حاضر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انصار کی بےچینی کا حال عرض کر رہے تھے کہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور انصار کی بےچینی عرض کرنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غایت خلق ومحبت کے اقتداء سے فرمایا کہ مجھے بٹھاؤ علی اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھایا پھر فرمایا انصار کیا کہتے ہیں عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم! وہ روتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاید اس مرض میں ہم سے جدا ہو کر دار القرار میں قیام فرمائیں گے۔ پھر نامعلوم ہمارا کیا حال ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور ایک ہاتھ دوش علی پر رکھا اور دوسرا فضل بن عباس پر۔ اور مسجد نبوی میں رونق افروز ہوئے۔ اور منبر پر تشریف ارزانی فرما کر وعظ شروع فرمایا۔ اردگرد اس شمع نبوت کے مہاجرین وانصار پروانہ وار فدا ہونے کو حاضر تھے۔ آپ نے بعد حمد وثناء کے مہاجرین وانصار کو وصیتیں فرمائیں اور قریش کے متعلق بہت کچھ فرمایا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ گھر سے تشریف لاکر منبر پر رونق افروز ہوئے۔ اور بلال کو حکم دیا کہ اعلان کر دے تاکہ سب لوگ جمع ہو جائیں۔ مجھے کچھ وصیت فرمانی ہے۔ اور یہ بھی کہہ دے کہ

یہ ہماری آخری وصیّت ہے

حضرت بلال روتے ہوئے چلے اور مدینہ کے گلی کوچے میں اعلان فرمایا۔ اس وحشت ناک اعلان نے ہر موافق ومخالف کے دل میں بے چینی پیدا کردی اور تھوڑی سی دیر میں تمام مجتمع ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوئے اور نہایت دردناک بلیغ وفصیح لب ولہجہ میں خطبہ پڑھ کر قوم کی طرف مخاطبہ فرماتے ہوئے سب سے فرمایا۔ کہ اب ہمارا وقت قریب ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے بہت جلدی علیحدہ ہونے والے ہو۔ سچ کہو جب میں تم سے جدا ہوں گا تو تم کس طرح رہو گے۔ اور یاد رکھو کوئی پیغمبر ہمیشہ کے لئے دنیا میں نہیں آیا۔ اب ہمیں بھی اشتیاق لقائے الٰہی ہے۔ سب نے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی بدل وجان پیروی کریں گے اور شریعت غرا وقرآن وفرمان سامی کو اپنا دستور العمل رکھیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے سوال فرمایا کہ سچ کہو میں نے تم میں کس طرح احکام پہنچائے۔ تمہاری وجہ سے کیا کیا مصیبتیں برداشت کیں۔ میرے دندان مبارک تم نے شہید کئے۔ میرے چہرۂ زیبا کو خون میں رنگا اور قسم قسم کی بلائیں میں نے صرف تمہاری ہدایت کی غرض سے برداشت کیں اور جاہلوں سے گالیاں سُنیں۔ بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھ کر صبر سے رہا۔ سب نے عرض کی بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ صابر اور انتہائی شاکر ہیں۔ اور فی الواقع حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو راہِ ہدایت ہی نہیں دکھائی بلکہ خدا سے ملایا۔ برائیوں سے چھڑایا۔ اس کی جزا ہماری طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا ہی دے گا۔ ہم اس کا بدلہ دینے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ جس کسی کا قرض میرے ذمّہ ہو۔ وہ میرا لحاظ نہ کرے۔ مجھ سے ابھی وصول کرلے۔ جس کسی کو میں نے مارا ہو وہ ابھی مجھ سے اس کا بدلہ لے لے۔ غرضکہ جو کچھ حقوق العباد سے جس بندۂ خدا کا مجھ پر ہو۔ مجھ سے ابھی صاف صاف کہے۔

اور اس کو لے۔ میں نہیں چاہتا کہ یہاں کا معاملہ قیامت کے دن کے لئے باقی رہے۔ کوئی اپنے دل میں یہ خیال نہ کرے۔ کہ اگر اس وقت میں اپنا حق لوں گا۔ تو خدا اور رسول کے مزاج کے خلاف ہوگا۔ یا محبوب خدا کے دل میں اس کی طرف سے عداوت پیدا ہو گی۔

یاد رکھو! عداوت میرے دل میں خدا نے پیدا ہی نہیں فرمائی۔ بلکہ میں اس کو اپنا دوست جانتا ہوں۔ جو اپنا حق ابھی مجھ سے طلب کرلے۔ یا مجھے معاف کردے یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُترے اور نماز ظہر ادا فرمائی۔ پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور وہی اعلان دہرایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اصرار حد سے بڑھ گیا۔ تو ایک شخص اُٹھا اور عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے تین درم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تجھے جھٹلاتا نہیں۔ اور قسم نہیں دلاتا مگر اتنا دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ کس معاملہ کے ہیں۔ عرض کی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ایک فقیر آپ کے پاس حاضر ہو کر سائل ہوا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین درم کا حکم دیا۔ میں نے دے دیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔ اُنہوں نے ادا فرمائے۔

سیر امام شہید اسماعیل خوارزمی اور روضۃ الاسلام قاضی سدید الدین میں ہے۔ کہ اسی مجلس میں عکاشہ ابن محصن اسدی کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس قدر اس استفسار میں مبالغہ فرماتے تو میں ہرگز عرض نہ کرتا مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکرر سہ کرر غایت مبالغہ سے حکم دے رہے ہیں۔ مجبوراً عرض کرتا ہوں۔ اس لئے کہ اگر اب نہ کہوں تو گنہگار ہوتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر تبوک میں ناقہ پر غصہ میں تازیانہ مار رہے تھے۔ وہ میرے شانہ اور پشت پر لگا اور اس سے سخت تکلیف محسوس ہوئی۔ اب اس کا بدلہ چاہتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جزاک اللہ۔ اے

عکاشہ اچھا ہوا کہ تم نے ابھی کہہ دیا اور قیامت پر نہ چھوڑا۔ میں دنیا میں بدلہ دینے کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ بمقابلہ آخرت کے۔

اے عکاشہ تمہیں یہ بھی معلوم ہے۔ کہ وہ چابک کونسا تھا۔ عرض کی ہاں لکڑی کا دستہ اور خیزران سے گتھا ہوا تھا۔ اور تسمہ دُرّہ کی صورت میں اس کے آگے تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کو حکم دیا۔ کہ وہ چابک حضرت سیدہ کے پاس ہے۔ جاؤ اور جلدی لاؤ۔ جب سلمان بارگاہ فاطمہ پر پہنچے۔ آواز دے کر وہ تازیانہ طلب کیا۔ حضرت سیدہ نے فرمایا۔ سلمان! ابا جان بخار میں مبتلا ہیں۔ سواری کرنے کی قوت نہیں تازیانہ کیا کریں گے۔ سلمان نے سب قصّہ عرض کر دیا۔ آپ رونے لگیں اور بارگاہ الٰہی میں یوں دعا کی۔ الٰہی جو میرے باپ سے اس وقت قصاص مانگ رہا ہے۔ اس کے دل میں رحم ڈال دے کہ وہ اس وقت بہت نحیف ہیں" اور تازیانہ سلمان ان سے لے کر مسجد میں آئے۔ یہاں صحابہ نے اس تازیانہ کو دیکھ کر باآواز رونا شروع کیا۔ اُدھر سیدہ نے شہزادہ کونین سیدنا حسنین کو بلا کر تمام قصّہ سنایا۔ اور کہا جاؤ ایک ایک چابک کے بدلے میں سو سو چابک اپنے اوپر لے لو اور نانا جان پر فدا ہو جاؤں۔

جس وقت شہزادگان نے یہ سُنا۔ معًا دل و جان سے تیار ہوئے اور سمت مسجد روانہ ہوئے۔ جس وقت آپ مسجد میں پہنچے۔ صحابہ کی آوازیں گریہ وزاری سے اس قدر بلند تھیں کہ مسجد گونج رہی تھی۔ گھبرا کر آگے بڑھے تو دیکھا کہ شہنشاہ کونین نبی الحرمین صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں۔ اور چابک عکاشہ کے ہاتھ میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ عکاشہ اٹھو اور جس طرح ہم نے تم کو چابک لگایا تھا۔ اسی طرح اسی قوت سے مارو۔

صحابہ کرام عکاشہ کے ارد گرد تھے۔ اور ایک ایک کے بدلے میں سو سو

چابک کھانا چاہتے تھے۔ اور عکاشہ کو سمجھا رہے تھے۔ اتنے میں سید الشہداء حسین و حسن تشریف لے آئے اور رو رو کر پکارے کہ اے عکاشہ کسی سے بدلہ نہ لے۔ ہم موجود ہیں۔ ایک ایک چابک کے بدلے میں سو سو چابک ہم پر لگا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں شہزادوں کو گود میں لیا اور فرمایا جانِ پدر! تم ایسا خیال نہ کرو۔ قصاص مجھ پر واجب ہے۔ میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ پھر عکاشہ سے فرمایا کہ ہاں عکاشہ جلدی کر اور اپنا بدلہ لے۔

عکاشہ نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم! اس روز میری پشت برہنہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پشتِ مبارک سے ردائے مبارک اٹھالی۔ ملائکہ میں شور برپا ہو گیا۔ عرش معلیٰ لرزنے لگا۔ صحابہ کرام جوشِ گریہ اور خروش زاری سے از خود رفتہ تھے۔ کہ قدرت کاملہ نے برعکس اپنا کرشمہ دکھایا۔ عکاشہ کی نظر جیسے ہی شانۂ اقدس محمدی پر پڑی

نقشۂ مہر نبوت آنکھوں میں آگیا

کود کر آگے بڑھا۔ چابک کو اٹھا کر پھینک دیا۔ اور خاتمِ مشکیں مہر نبوت سید المرسلین کو چومنے لگا۔ اور از خود رفتگی میں پروانہ وار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طواف کرتا جاتا تھا اور بار بار عرض کرتا تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عکاشہ کے ہاتھوں میں وہ قوت کہاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بدلہ لے۔ عکاشہ کس دل سے یہ کام کرتا۔ یہ تمام مکر اس وجہ سے تھا کہ مہر نبوت کی زیارت کر لوں۔ اور پشتِ مبارک کو چوم لوں۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا تھا مَنْ مَسَّ جِلْدِیْ لَنْ تَمَسَّہُ النَّارُ یعنی جس نے ہمارے جسم کو مس کر لیا۔ اس پر آتشِ دوزخ حرام ہے۔ یہی سبب تھا۔ کہ غلام سے یہ قصور سرزد ہوا۔

ورنہ عکاشہ کا جب جان و مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار ہے تو ایک چابک کی زد کیا حقیقت رکھتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔

یہ آخری جلسہ تھا۔ جو حیاتِ جسمانی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں منعقد ہوا۔

اگرچہ یہ روایت درجۂ صحت کو نہیں پہنچی۔ مگر فضائل میں ضعیف روایت بھی مقبول ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں نقل کی گئی ہے۔

انہی ایام میں ایک روز روح الامین دربار حبیب مکرم میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا سلام فرماتا ہے اور یہ کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی دنیا میں قیام پسند فرماتے ہیں تو اس مرض سے شفا ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا۔ کہ جبرئیل! میں نے جہاں اپنے تمام امور سپرد بخدا کئے ہیں۔ اس کو بھی اُسی کے سپرد کرتا ہوں فَاِنْ شَآءَ اَحْیَانِیْ وَاِنْ شَآءَ اَمَاتَنِیْ

اگر خلاص جوئی و گرم ہلاک خواہی
سر بندگی بخدمت بنہم کہ بادشاہی
بجسے نمی توانم کہ حکایت تو گویم
ہمہ جانب تو خواہند تو آں کنی کہ خواہی

روایت ہے کہ خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مرض میں نماز جماعت سے ادا فرمائی۔ ہر نماز کے وقت بلال دروالا پر حاضر ہو کر اَلصَّلٰوۃُ حَاضِرَۃٌ عرض کر کے مطلع کرتے۔ ایک وقت کی نماز پر بلال نے حاضر ہو کر وہی عرض کیا۔ جواب نہ پایا۔ اس لئے کہ آقائے مدینہ روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ برفیق اعلیٰ تھے۔ جو بظاہر غشی کی صورت میں تھا اَلصَّلٰوۃُ حَاضِرَۃٌ کہا۔ پھر جواب نہ ملا۔ روتے ہوئے مسجد میں آ کر گر پڑے۔ آپ کی زبان مبارک پر

یہ لفظ تھے وَاغَوثَاہُ وَالِانقِلاعُ رَجَاہُ وَالِانکِسَارُ ظَہرَاہُ۔ افسوس اب کون میری فریاد سنے گا۔ میری امیدوں کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ میری پشت شکستہ ہوگئی ؎

بامن فلک ار جفا نکردے چہ شدے
وزیارہ خودم جدا نہ کردے چہ شدے
چوں آخر کار بے می باید زیست
اول بتو آشنا نہ کردے چہ شدے

مختصر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع عالم فنا کی طرف بلایا۔ تو پوچھا نماز ہوگئی۔ عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار ہے۔ اول خود ارادہ فرمایا۔ مگر طاقت اُٹھنے تک کی نہ تھی فرمایا مروا ابابکر فلیصل بالناس۔ ایک صحابی تشریف لائے اور فرمایا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے نماز پڑھانے کا حکم ہوا ہے۔ لہٰذا وہ امامت فرمائیں۔ بلال بحکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدیق کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بہ تعمیل حکم آپ اُٹھے۔ جب آپ کی نظر مبارک محراب نبوت پر پڑی۔ تو اس کو اپنے محبوب اور قبلۂ ویقین و کعبۂ دین سے خالی پایا۔ ضبط گریہ نہ ہو سکا۔ زار زار رونا شروع فرمایا۔ اہل جماعت بھی بھرے تو بیٹھے ہی تھے۔ باآواز فریاد کرکے چیخنے لگے ؎

زانکہ قد تو بمحراب ندیدم
بر چہرۂ بجز اشک چوں خونناب ندیدم
بے موئے تو یک لحظہ قرارے نگرفتم
بے روئے تو در دیدۂ خود خواب ندیدم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آواز آہ و بکا سُنی۔ حضرت سیدہ سے فرمایا کہ کیا شور و غوغا ہے؟ عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اصحاب ہیں۔ غم

مفارقت میں نالاں وگریاں ہیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت علی اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہم کو طلب فرمایا۔ اور ان کے کندھوں کی مدد سے دولت کدہ سے باہر تشریف لائے اور نماز ادا فرمائی اور جگر سوزان محبت کے جراحتہائے فرقت پر مرہم رکھا۔ اور سب کو تسلی دے کر واپس دولت سرائے میں تشریف لائے۔ شب کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جو آنکھ لگی۔ تو عجیب وحشتناک خواب دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رو کر عرض کی۔ ابھی ایک خواب دیکھا ہے۔ کہ میں نے زرہ پہن رکھی تھی مگر وہ زرہ مجھ سے اتر گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعبیر فرمائی کہ خواب سچا تھا۔ زرہ پناہ جسم ہوتی ہے۔ اور تمھاری پناہ میں تھا۔ اب وہ وقت قریب ہے۔ کہ میں تم سے جدا ہو جاؤں گا۔ اور تم تہارہ کر دشمنوں میں شکار مصیبت ہو گے۔ اور تیغ جفا سے شہید ہو کر مجھ سے ملو گے۔ اتنا فرمانے پائے تھے۔ کہ سیدہ فاطمہ حاضر ہوئیں اور عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں دیکھتی ہوں۔ کہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہی ہوں۔ ناگاہ وہ مصحف مبارک میری نظروں سے غائب ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مصحف مبارک میں تھا۔ جو تمھاری نظروں سے غائب ہونے والا ہوں۔ اتنے میں شہزادگان کونین سیدنا حسنین سید الشہداء حاضر آئے اور عرض کی ناناجان ہم دونوں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ وہ یہ کہ ایک تخت ہوا پر اڑ رہا ہے۔ اور ہم دونوں اس کے نیچے برہنہ سر چل رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آبدیدہ ہو کر فرمایا۔ اے نوردیدہ مصطفےٰ وہ تخت ہمارا تابوت تھا۔ کہ ملائکہ اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ اور اس کے نیچے تم دونوں فرق برہنہ کئے گیسوئے مشکیں پراگندہ فرمائے جا رہے ہو۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ان تعبیروں سے اہل بیت میں تاب ضبط نہ رہی اور سب زار و قطار رونے لگے۔

یہاں سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اگر ماتم روا ہوتا تو یہ خاص موقعہ ماتم تھا۔ لیکن سب نے صرف گریہ و بکا پر اکتفا کیا اور ماتم سے محترز رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت تھی۔

روایت ہے کہ وفات حسرت آیات سے تین روز قبل روح الامین مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کرب و بے چینی بحد غایت ہے۔ دوسرے روز بھی ایسے ہی حاضر ہوئے۔ اور وہی جواب ملا۔ تیسرے روز پھر حاضر ہوئے مزاج پرسی پر وہی جواب پایا۔ کہ اتنے میں ملک الموت معہ اسماعیل نامی ایک فرشتہ کے حاضر ہوئے۔ یہ فرشتہ ایک لاکھ ملائکہ پر حاکم ہے۔ اور ہر فرشتہ ایک ایک لاکھ فرشتوں کا حاکم ہے۔ دروازۂ اقدس پر حاضر ہوئے۔ روح الامین نے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! ملک الموت نے داخلہ کی اجازت نہیں لی۔ یہ اعزاز مخصوص حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے ہے۔ کہ عزرائیل بلا اجازت دردولت پر حاضر نہ ہو سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اجازت دے دو۔ چنانچہ بعد حصول اجازت وہ حاضر ہوئے۔ سلام عرض کیا۔ اور پھر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے قبض روح کے لئے باری تعالیٰ عز اسمہ نے بھیجا ہے۔

حکم دیجئے۔ اگر فرمائیں روح مبارک کو لے کر عالم بالا پر پہنچاؤں اور حکم کیجئے تو واپس چلا جاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کی طرف نظر کی۔ جبریل نے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت یہ ہے کہ جناب حق سبحانہ کی یہی مرضی ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عزرائیل اپنا کام کر ہم بھی مشتاق لقاء ذات ہیں۔

گویا سراوقاتِ غیب سے ہاتف عالم لاریب گوش ہوش محبوب میں یوں عرض فرمایا تھا ؎

تو باز ذروۂ نازی مقیم پردۂ رازی
قرار گاہ چہ سازی دریں نشیمن فانی
تو مرغ عالم قدسی حریف مجلس انسی
دریغ باشد اگر تو دریں مقام بمانی

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ عزرائیل علیہ السلام بحکم الٰہی ایک ہزار ملائکہ اسپان ابلق سوار کے ساتھ در دولت سید الانبیا علیہ التحیۃ والثناء پر حاضر آئے اور دروازۂ عالی پر کھڑے ہو کر عرض کی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ بَیْتِ النُّبُوَّۃِ وَمَعْدَنِ الرِّسَالَۃِ اجازت دیجئے کہ میں حاضر خدمت اقدس ہونا چاہتا ہوں۔ دور دراز سے آیا ہوں۔ حضرت سیدہ بالین اقدس پر حاضر تھیں۔ آپ نے جواب دیا ابھی ملاقات نہیں ہو سکتی۔ کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک ناساز ہے۔ عزرائیل نے پھر اجازت مانگی۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ سہ بارہ ایسی ہیبت ناک آواز کے ساتھ اجازت طلب کی کہ حاضرین دربار ڈر گئے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم مبارک کھول دیں۔ دیکھا کہ سب کے حواس پراگندہ ہیں۔ اور ہر ایک از خود رفتہ۔ فرمایا تمھارا کیا حال ہے تم ایسے پریشان کیوں ہو؟

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔ کہ ابا جان ایک عجیب مرد مہیب الصوت ہے۔ دروازہ پر کھڑا اجازت چاہتا ہے۔ میں نے تین بار جواب دیدیا مگر وہ جواب نہیں سنتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیٹی تم جانتی ہو یہ کون ہے۔ آپ نے عرض کی ایک بدوی معلوم ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بدوی نہیں ہے۔ یہ وہ ہے جو عمر بھر کی لذتیں نیست و نابود کر دیتا ہے۔ یہ قطع کنندۂ مرادات ہے۔ یہ جدا کنندۂ مراحات ہے۔ بیٹی! یہ یتیم کنندۂ فرزندان ہے۔ یہ بیوہ کنندۂ زنان جہان ہے۔ یہ وہ حریف ہے کہ بغیر کنجی کے قفل کھول لے۔ اور بغیر راستہ کے مرغ جان کو قبض کر لے۔ فاطمہ اس کا نام ملک الموت عزرائیل ہے۔ یہ تمھارے باپ کی روح قبض کرنے آیا تھا۔ یہ تمھیں یتیم بنانے آیا ہے۔ میرے آستانۂ اقدس کی حرمت کا اسے خیال ہے۔ ورنہ اس نے آج تک کہیں داخل ہونے کو اجازت نہیں لی۔ نہ اس کو کسی سے اجازت لینے کی ضرورت ہے۔

یہ تمھارے والد ماجد کا اعزاز خاص ہے۔ جو اجازت داخلہ طلب کر رہا ہے۔ دروازہ کھول دو اور صبر سے کام لو۔ حضرت سیدہ نے ایک آہ دلِ پر درد سے کھینچی اور اٹھیں۔ اور دروازہ کھولتی ہوئی آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے وَامَدِیْنَتَاہُ خَرِبَتِ الْمَدِیْنَۃُ ہائے افسوس مدینہ اجڑتا ہے۔ صاحب سکینہ آج مدینہ چھوڑتے ہیں۔ افسوس مدنی چاند بھی غروب ہونے کو ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ کا ہاتھ پکڑا۔ اور ان کو سینہ بے کینہ سے لگا کر فرمایا۔ بیٹی غم نہ کرو۔ یہ دن سب کے لئے ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ ارشاد الٰہی ہے۔ کہ اتنے میں آپ کی چشمانِ مبارک بند ہو گئیں۔ آپ کو خیال ہوا کہ روح اقدس جسدِ اطہر سے کہیں مفارقت نہ کر گئی ہو۔ سینہ مبارک سینہ اقدس سے ہٹایا اور پکاریں وَاَبَتَاہُ۔ اے پدر جان من فدائے بابا۔ ایک بار تو آنکھ کھول کر میری طرف اور دیکھ لیجئے۔ ایک بات تو اور بھی زبان مبارک سے فرما دیجئے۔ اس درد آواز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم مبارک وا فرمائیں۔ اور زبان دُر فشاں سے یوں گوہر ریزی کی۔ کہ جان پدر! اے سیدہ بضعۃ خیر البشر کیوں روتی ہو۔ تمھارے رونے سے حاملانِ عرش روتے ہیں۔ اور دستِ اقدس سے رخسارۂ سیدہ کے آنسو صاف فرمائے اور متعدد بشارتیں سنائیں۔ پھر دعا کی۔ الٰہی فاطمہ کو میرے صدمۂ مفارقت میں صبر عطا فرما۔ بیٹی! جب ہماری روح قبض ہو جائے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنا۔ کہ قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے وَاِذَا اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ یعنی جب ان پر مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں۔ ہم بھی اللہ کے لئے ہیں۔ اور اسی کی طرف رجوع ہونے والے۔ یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کا سلام اور رحمت ہے۔

اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔ نہ کہ مصیبت کہ ایام یاد کر کے ماتم کریں سینہ کوٹیں۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے دونوں نور العین سید الشہدا حسنین کو بہت جلدی لاؤ۔ آپ کو علی الفور خدمت اقدس میں پہنچایا گیا۔ دونوں شہزادے سلام کر کے بالین اقدس پر بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو سینہ سے لگایا اور اس قدر پیار فرمایا۔ کہ فرطِ محبت سے چشمِ نوری بھر آئیں۔ پھر آپ نے حاضرینِ مجلس سے ان کی تعظیم و تکریم و محبت و مؤدّت کی وصیت فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت میں محبت اہل بیت کے جو خلاف ہے وہ خارجی کہلاتا ہے۔

مقتل نور الائمہ میں ہے کہ جس وقت دونوں شہزادے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر تھے۔ اُس وقت دونوں کی طرف نظر ڈالی۔ اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ پھر چشمِ مبارک بند فرمالیں۔ پھر فرط محبت سے دونوں کو سینہ سے لگا کر فرمایا۔ افسوس یہ رخ رنگین داغ یتیمی کے ساتھ خاک و خوں میں آلودہ ہوگا۔ اور یہ گیسوئے مشکیں ظلم و ستم ستمگاراں سے گرد آلود ہوگا صبر کرنا۔ کہ میرے بعد جفا کارانِ اُمت اُن کے ساتھ سخت ظلم کریں گے۔ شہزادوں نے عرض کی۔ نانا جان! آج آپ جو اس قدر پیار فرما رہے ہیں اور سینہ سے لگا رہے ہیں۔ کیا کہیں تشریف لے جا رہے ہیں۔ اگر آپ کہیں جا رہے ہیں۔ تو ہمیں کس کی پناہ میں دیتے ہیں۔

اُدھر سیدہ رو کر عرض کرنے لگی۔ ابّا جان! اگر مجھے کوئی حاجت ہوگی۔ تو کس سے عرض کروں گی۔ اور ان جگر گوشوں کی ضدیں اب کون پوری کرائے گا۔ اے مونسِ غریباں۔ اے نوازندۂ یتیماں۔ اے ملجائے بے کساں۔ اے دستگیر بے چارگان۔ میں آپ کی جدائی میں کس طرح صبر کروں گی ؏

در غم آباد جہاں بے یار بودن مشکل است
غم زحد بگذشت بے غمخوار بودن مشکل است

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو زیادہ تسلّی و تشفّی دی۔ تھوڑی دیر بعد پھر چشمان مبارک میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ گناہوں سے معصوم ہیں۔ پھر سبب گریہ کیا ہے فرمایا انما بکیت رحمۃ من امتی۔ یہ میرا رونا امت کے لئے ہے۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو رخصت فرمایا۔ اور عزرائیل کو حکم دیا کہ اپنا کام کرے۔ تھوڑی دیر بعد عزرائیل سے فرمایا ٹھہر۔ جبریل کو آجانے دو۔ عزرائیل نے عرض کی۔ فرمانبردار حکم ہوں۔ بہت اچھا۔

جناب الٰہی کی طرف سے مالکِ دوزخ کو حکم ہوا۔ کہ روح مطہر حبیب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر لائی جارہی ہے۔ آگ بجھا دے اور اے رضوان روح مقدس کے لئے صفوف حورانِ بہشتی قائم کر اور بہشتوں کو آراستہ و پیراستہ رکھ۔ اور اے سکان صوامع جبروت اٹھو اور صف بستہ کھڑے ہو جاؤ کہ روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم آتی ہے۔ اے جبریل جاؤ اور ہمارے حبیب کو پیام شوق پہنچاؤ۔ روح الامین گریاں و نالاں دربار عالی میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبریل ایسے وقت مجھے تنہا چھوڑ گئے۔ عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم انتظام میں مشغول تھا اب بشارتیں لے کر حاضر ہوا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کیا بشارتیں ہیں۔ آپ نے عرض کی ان النیران قد خمدت والجنان قد زخرفت والحور العین قد تزینت والملائکۃ قد صففت لقدومک وحدک نار جہنم سرد ہو گئی۔ بہشت سجا دیئے گئے۔ صفوف ملائکہ دست

بستہ خیر مقدم کو کھڑی ہیں۔ حورعین کی جماعت مزین کھڑی ہے۔ محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر مقدم کے لئے۔

جملہ قدس برائے تو بیاراستہ اند
خوش خراماں گزر اے جاں بتماشہ گہ ناز
قدمے پیش نہ و قصرِ فلک را بفروز
برقع از رخ بفگن جملہ ملائک بنواز

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔ یہ سب بشارتیں مبارک ہیں۔ مگر ایسی خوشخبری سناؤ۔ جس سے میری آنکھیں روشن ہوں اور دلِ حزیں شاد۔ جبریل نے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء مع ان کے امتیوں کے جنت حرام ہے۔ جب آپ مع اپنی امت کے داخل جنت نہ ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس خبر سے مسرور ہوئے اور فرمایا جبریل اس سے زیادہ بشارت وافی اور مژدہ کافی اور خبر عالی سناؤ۔ عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم طے ہو چکا ہے کہ کل قیامت کو جو عرصہ گاہ حسرت و ندامت ہوگا۔ اس میں سب سے اول جس کے فرقِ نازہ پر تاج شفاعت رکھا جائے گا وہ آپ ہی ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل اس سے بھی زائد کوئی ایسی بشارت سناؤ جو گرہ ملال کو میرے دل سے کھولے اور زنگ اختلال کو لوح ضمیر سے مٹائے۔ عرض کی اے مقتداء انبیاء و رسل اے پیشوا مناہج سبل ظاہر فرمائیے وہ غم کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے سب سے زیادہ اس کا غم ہے کہ میرے بعد میرے امتی حقائق قرآنی کس سے سمجھیں گے۔ اور روزہ داران رمضان بغیر میرے کیونکر روزہ افطار کریں گے۔ حاجیان بیت الحرام بغیر میرے منا کیونکر جائیں گے۔ اور ان کے اعمال

کی مجھے کیونکر خبر ہو گی۔ جبرئیل نے عرض کی اے سردارِ زمین و زمان خوش ہو جیئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام امتی آپ ہی کی پناہ میں دیئے ہیں اور قیامت کے روز بھی آپ ہی اُن کے مختار ہیں۔ جس قدر آپ چاہیں بخشوائیں وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى اسی لئے فرمایا ہے۔ جب تک آپ خوش نہ ہو جائیں بس ہی نہ کی جائے۔ یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم متبسّم ہوئے۔ اور فرمایا۔ کہ اب میں خوش دل ہوا اور میری آنکھیں روشن ہوئیں۔ عزرائیل آؤ اور جس کام پر تم مامور کئے گئے ہو اُسے پورا کرو۔

ملک الموت حضرت عزرائیل مؤدبانہ قبض روح اطہر کے لئے آگے بڑھے اور مشغول قبض ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک آسمان کی طرف تھی اور زبان مبارک پر یا الرفیق الاعلیٰ جاری تھا۔ کہ ناگہاں دست مبارک بیجان ہوئے اور عالم وصال کی طرف ارتحال فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَ... اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥

رفت آں طاؤس عرشی سوئے عرش
چو رسید اندر مشامش بوئے عرش
شاہبازے ایں قفس در ہم شکست
رفت و خوش بر ساعدِ سلطاں نشست

روایت ہے کہ جب عزرائیل جبرئیل کے ساتھ روح مطہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبض کر کے اعلیٰ علیّین کی طرف روانہ ہوا۔ تو آپ زور زور سے یا محمداہ یا رسول اللہ رب العالمین فرماتے ہوئے روانہ ہوئے اور ایک روایت میں ہے۔ جب اُس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم فانی سے انتقال فرمایا تو حضرت سیّدہ کے آنسو جاری تھے۔ اور یہ لفظ زبان مبارک پر تھے یا

ابتاہ اجاب ربہ دعاہ جنت الفردوس ماداہ۔ ہائے ابا جان! آپ کی دعا خدا نے قبول فرمالی اور اپنے پاس بلالیا۔ اور جنت قرارگاہ بنادی۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اہل بیت اطہار پر تو جو قیامت قائم ہونی تھی ہوئی۔ مگر اس مصیبت میں جن و ملک۔ زمین و فلک۔ ثابت و سیارہ۔ جبال و اشجار۔ نبات و اشجار۔ وحوش و ہوام۔ سباع و سوام۔ مرغان ہوا۔ ماہیان دریا۔ سب گریاں و نالہ کناں تھے۔ عظم اللّٰہ اجورنا بمصائبنا بحضرت سیدنا و نبینا و غیثنا و مغیثنا و غوثنا و غیاثنا وارزقنا شفاعۃ الکبریٰ۔ وادخلنا تحت لوائہ یوم الجزاء۔

اب حضرت سیّدہ پر کیا گزری

قبل واقعہ سیّدہ کے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ حضرت سیدہ کی ولادت کب ہوئی۔ اور آپ کے بھائی بہن کتنے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم شریف کیا تھا؟ واضح رہے۔ کہ آپ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہ سے پیدا ہوئیں۔ آپ کے دو بھائی اور تین بہنیں اور تھیں۔ صاحبزادگان کا اسم شریف قاسم اور عبداللہ تھا۔ حضرت قاسم کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ہوئی اور حضرت عبداللہ کا لقب مبارک طیب و طاہر تھا اور ابتدائے اسلام میں ان کی ولادت ہوئی۔ اور بعد چندے رخت ارتحال باندھ کر سمت دارالبقا روانہ ہوئے اور صاحبزادیوں کے اسم شریف ام کلثوم۔ رقیہ۔ زینب۔ فاطمہ تھے۔ ان میں سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ اور یہی ایک صاحبزادی بعد وفات تک حیات رہیں۔ اور تینوں صاحبزادیاں حین حیات سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں انتقال فرما چکی تھیں۔ حضرت سیدہ

فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے۔ کہ آپ کی ولادت ۳۵ھ میں قبل ۵ سال نبوت کے ہوئی۔ بعض کا قول ہے۔ ۱ھ میں واقع ہوئی۔ شیخ ابو محمد بن خشاب اپنی کتاب موالید میں امام محمد باقر سے نقل فرماتے ہیں۔ کہ آپ کی ولادت پانچ سال بعد بعثت و اظہار نبوت کے ہوئی۔

صاحب روضۃ الواعظین فرماتے ہیں۔ کہ جب حضرت خدیجہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میں حاملہ ہوئیں۔ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدیجہ! مجھ کو روح الامین نے خبر دی ہے کہ یہ صاحبزادی جو ہوں گی ان کا نام فاطمہ رکھنا کہ یہ نام ان کا نسلی ہے۔ اس کے معنی پاک پاکیزہ۔ بابرکت خجستہ اطوار کے ہیں چنانچہ جب ان کی ولادت قریب ہوئی۔ تو آپ نے انتظام زچہ خانہ کے لئے حسب رواج قریش میں سے بلایا۔ سب نے انکار کر دیا۔ کہ ہم تمہاری امداد و نظام زچہ خانہ کو ہرگز نہ آئیں گے۔ کیونکہ تم نے ہماری بات نہ مانی اور متمول کو چھوڑ کر یتیم ابو طالب کی بیوی بنیں۔ تو انگری پر درویشی کو ترجیح دی۔ آپ اس جواب سے ملول و اندوہگین ہوئیں کہ اچانک چار عورتیں ظاہر ہوئیں۔ جو گندم گوں دراز قد تھیں۔ انہوں نے حاضر ہو کر کہا ہم بنی ہاشم کی عورتیں ہیں۔ حضرت خدیجہ ان اجنبی عورتوں کو دیکھ کر خائف ہوئیں۔ تو ان میں سے ایک نے کہا کہ خدیجہ غم نہ کر اور اصلاً خوف و خطر دل میں نہ لا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے تیری خدمت کے لئے بھیجا ہے اور ہم تمہاری بہنیں ہیں۔ میں سارہ بنت اسحاق ہوں اور یہ مریم بنت عمران اور یہ کلثوم ہمشیر موسیٰ علیہ السلام اور یہ آسیہ فرعون کی بیوی ہیں۔ تمہاری خدمت کے لئے ہم چاروں بھیجی گئی ہیں۔ یہ کہہ کر ایک دائیں طرف بیٹھ گئی اور ایک بائیں طرف۔ ایک پیچھے کو۔ ایک آپ کے آگے۔ کہ اتنے میں آثار وضع حمل پیدا ہوئے۔ مختصر یہ کہ حضرت سیدہ فاطمہ کی ولادت ہوئی۔

آپ یدِ قدرت سے طاہرہ و مطہرہ متولد ہوئیں۔ جب آپ کو ہاتھوں میں لیا گیا۔ ایک نور تمام حجرہ میں چمکا۔ غرض کہ چمن محمدی میں جب یہ ایک پھول کھلایا۔ گلشنِ سعادت میں یہ غنچہ دلبر آراستہ ہو گیا۔ تو بستان عصمت ریاحین ریاض سے مہک کر نسیم جمال و شمیم کمال تمام عالم میں پھیلانے لگا۔

تبارک اللہ ازیں اختر خجستہ کہ گشت
ز نور طلعت او برج فضل نورانی

روایت ہے کہ بعد ولادت دس حوریں بہشت بریں سے حجرہ مطہرہ میں بھیجی گئیں۔ ہر ایک کے پاس ایک طشت اور ایک ابریق تھا۔ اور ان ابریقوں میں آب کوثر مملو تھا۔ چنانچہ وہ چاروں عورتیں جو پہلے سے حاضر تھیں اٹھیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس طشت میں بٹھا کر آبِ کوثر سے غسل دیا۔ اور ایک سپید کپڑا جو عطر ہائے جنت سے معطر تھا نکالا۔ اس میں سیدہ کو لپیٹ لیا۔ اور ایک ٹکڑے میں جو بحد غایت معطر تھا۔ آپ کا سر مبارک بطریق مقنع کے باندھا اور کہا لو خدیجہ مبارک ہو۔ حضرت خدیجہ نے خوشی خوشی آپ کو گود میں لیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ خدیجہ نے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام فاطمہ اور کنیت ام محمد رکھی

اور لقب راضیہ۔ مرضیہ۔ میمونہ۔ زکیہ۔ بتول۔ زہرا عنایت فرمائے۔

روضۃ الاحباب میں ہے۔ کہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اہلبیت میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے۔ آپ نے فرمایا فاطمہ۔ پھر عرض کیا۔ مردوں میں۔ فرمایا ان کے شوہر علی۔ اور ایک روایت

میں ہے کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مجمع صحابہ میں رونق افروز تھے۔ کہ صحابہ نے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو یاران و اصحاب سے زیادہ محبوب نہیں رکھتے۔ کہ اتنے میں علی مرتضیٰ معہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کے تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کہ صحابہ نے کہا تھا۔ فرمایا۔ سیدہ نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جواب فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل بیت میں سب سے زیادہ محبوب فاطمہ اور مردوں میں علی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس پر فاطمہ ناراض ہو۔ اس پر خدا ناراض ہے اور جس سے فاطمہ خوش ہے۔ اس سے خدا اور اس کا رسول راضی۔ سچ کہو جو فرزندان فاطمہ کو شکار جور و ستم بنائیں گے۔ ان سے فاطمہ خوش ہوں گی یا ناراض؟ سب نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشنودی محال ہے ؎

قتل اولادِ نبی آں گاہ عذر
بیشک آں عذریست بدتر از گناہ

روایت ہے کہ ایک بار سیّد انبیاء علیہ التحیۃ والثناء حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ہمراہ لے کر ایک غزوہ میں تشریف لے گئے۔ دونوں شہزادگان طفولیت میں تھے۔ چھوٹے صاحبزادہ ایک روز گھر سے باہر آکر مدینہ کے خرموں میں چلے گئے اور درختوں کے نیچے کھیل رہے تھے کہ ایک یہودی جس کا نام صالح بن رقعہ تھا اس طرف سے گزرا دیکھا چھوٹے شہزادے کھیل رہے ہیں۔

اس نے ان کو گود میں لیا اور گھر لے جاکر چھپا دیا۔ دن بھر انتظار رہا۔ جب عصر کا وقت گزر گیا۔ تو حضرت سیّدہ کی بے چینی بڑھی۔ زار زار رونے لگیں۔ اور اسی از خود رفتگی میں ستر بار حجرہ سے باہر تشریف لائیں کہ کوئی حسین کو شاید لا رہا ہو۔ یا کوئی آئندہ روندہ نظر آئے تو اسے تلاش کے لئے بھیجوں۔ آخر حجرے

شہزادہ کو فرمایا کہ جانِ مادر! تمہیں جاؤ اور حسین کو لاؤ۔ انہیں گئے دن بھر گزر گیا۔ آپ روانہ ہوئے اور رخموں میں پہنچ کر پکارے یا حسین بن علی یا قرۃ عین النبی این انت۔ اے بھائی حسین تم کہاں ہو

دلِ ما تمام بردی رخِ خود نمے نمائی

بکجات جویم اے جاں زکہ بر سمت کجائی

مگر کوئی جواب نہ ملا۔ اچانک ایک ہرن اُدھر سے گزرا۔ آپ نے اس سے فرمایا یا ظبی ھل رایت اخی حسینا اے ہرن! میرے بھائی حسین کو تو نے دیکھا ہو تو بتا دے۔ ہرن کو خدا نے زبان ناطق عطا فرمائی۔ اور بحکم الٰہی وہ اس طرح جواب دینے لگا۔ کہ اے نور دیدۂ سرور۔ و اے سرور سینۂ زہرا و حیدر! اخذہ صالح بن رفعۃ الیھودی۔ اس کو صالح بن رفعہ یہودی نے پکڑ لیا ہے واخفاہ فی بیتہ اور اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے۔ وہاں سے انہیں لائیے۔ امام حسن خراماں خراماں اس کے گھر پہنچے۔ اور آواز دی۔ صالح باہر آیا۔ آپ نے فرمایا۔ صالح! میرے بھائی حسین کو لا۔ ورنہ ابھی اپنی والدہ سے کہتا ہوں۔ تاکہ وہ دعا کریں کہ روئے زمین پر کوئی یہودی باقی نہ رہے۔ صالح شہزادہ کی اس ذہانت پر سخت متحیر ہوا کہ چھوٹے سے بچے اور تلاش میں یہ ذکاوت کہ آخر چور پکڑ لیا۔ عرض کرنے لگا۔ صاحبزادے تمہاری ماں کون ہیں۔ آپ نے فرمایا میری والدہ زہرا صاحبہ (روضۃ خضرا) فاطمہ زہرا ہیں۔ صالح نے کہا کہ ہاں تمہاری ماں کو میں جان گیا مگر باپ بتاؤ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میرے باپ شیر یزداں شاہ مرداں علی اسد اللہ ہیں۔ صالح نے کہا تمہارے باپ کو بھی پہچان گیا۔ اب اپنے نانا کو بتاؤ وہ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا قلنا رسول الثقلین سید کونین مقتدائے

حرمین پیشوائے مشرقین سردار مغربین ہیں۔ جن کا نام نامی **محمد** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہ تمام جواب سن کر اس نے کہا کہ اے جگر گوشہ رسول خدا و اے نور دیدۂ علی مرتضیٰ قبل اس کے کہ میں تمہارے چھوٹے بھائی کو تمہیں دوں۔ مجھے تعلیمِ اسلام فرماؤ۔ آپ کی گفتگو نے میرے دل میں گھر کر لیا۔ آپ کے فیض صحبت سے میں بہت متاثر ہوا۔ امام حسن سید الشہدا رضی اللہ عنہ نے اسے تعلیم کلمہ فرمائی۔ اس نے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھا۔ اور گھر میں سے شہزادہ حسین سیّد الشہداء کو لایا۔ کچھ اشرفیاں آپ کی نذر کیں۔ آپ گھر تشریف لائے اور دلِ فاطمہ زہرا کو تسکین دی۔ بعد ازاں صالح ستّر آدمی اپنی قوم کے ہمراہ لے کر خدمت شہزادگان میں آیا اور آپ نے سب کو شرفِ اسلام سے مشرف فرمایا۔ پھر سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے عرض کی کہ میں نے سخت گناہ کیا کہ شہزادہ صاحب کو چھپایا۔ آپ اس قصور کو معاف فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں تو معاف کرتی ہوں۔ مگر یہ فرزندانِ علی مرتضیٰ ہیں۔ لہٰذا علی سے عذر تقصیر کر کے اور معاف کرا لے۔ صالح منتظر رہا۔ جب شیرِ خدا غزوہ سے تشریف لے آئے۔ تمام قصہ عرض کر کے معافی چاہی۔ آپ نے فرمایا۔ میں تجھ سے بہت خوش ہوں اور اپنی طرف سے تیری خطا معاف کرتا ہوں۔ لیکن یہ دونوں شہزادے ریحان روضۂ رسالت نہال حدیقۂ جلالت جگر گوشانِ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان سے معافی طلب کرتا کہ تو بری ہو۔ صالح گریہ کناں خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی اے سید المرسلین۔ اے رحمۃ للعالمین صالح نے خطا کی ہے۔ اسے معاف فرما دیں۔ اور تمام قصہ مفصل عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صالح ہم نے تو تیرا قصور معاف فرمایا۔ مگر یہ

برگزیدگانِ خدا ہیں۔ لہٰذا تو خدا کے حضور میں استغفار کر۔ وہاں کی بخشش حقیقتاً بخشش ہے۔ صالح روتا ہُوا جنگل کو چلا۔ اور تضرع زاری سے جناب الٰہی میں اپنے قصور کی معافی مانگنے لگا اور اس طرح عرض پیرا ہُوا ؎

یارب بہ درِ تو عذر خواہ آمدہ ام
بگریختہ بودہ ام براہ آمدہ ام
اکنوں نہ پئے عذر گناہ آمدہ ام
بپذیر کہ باحالِ تباہ آمدہ ام

اسی طرح سترہ شبانہ روز جنگل میں روتا رہا۔ آخرش روح الامین بحکم رب العالمین دربارِ رسالت میں حاضر آئے اور عرض کی۔ کہ جنابِ باری آپ کو سلام فرما کر ارشاد فرماتا ہے۔ کہ اس بڈھے صالح کو بلا کر بشارت دیجئے کہ ہم نے اس کی توبہ قبول فرمائی۔ اور اس کا نام آپ کے دوستوں میں لکھا۔ اللہ اکبر ایک یہودی اس خطا پر بعد اسلام بھی اس قدر پریشان ہو۔ جب خطا معاف ہو۔ ستمگاران شامی کو جگر گوشۂ مصطفےٰ نور دیدۂ زہرا کو زہر قہر سے سات بار دو پارہ کریں۔ اور فرزند پسندیدہ مرتضیٰ کو معہ ۷۲ جان نثاروں کے تیغ بے دریغ سے میدانِ کربلا میں ہلاک کریں۔ ان کا کیا حال ہو گا ؎

اے کمربستہ بخوں ریزی اولاد رسول
ہیچت آخر زخداوندِ جہاں شرم نبود
ہیچ اندیشہ نہ کردی کہ رسول الثقلین
از پے حرمتِ ایناں چہ وصیت فرمود

آہ ازاں دم کہ کند فاطمہ از جورِ تو داد
مصطفیٰ بر تو غضب ناک و علی خشم آلود

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے مجھ سے دریافت کیا۔ کہ تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا دیئے کے روز ہوئے ہیں۔ میں نے کہا چند روز گزر گئے۔ آپ نے مجھے ملامت کی اور بُرا بھلا کہا میں نے عرض کی معاف کرو۔ ابھی جاتا ہوں اور شام کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتا ہوں اور تمہارے اور اپنے لئے عرض کروں گا کہ بخشش کی دعا فرمائیں۔ چنانچہ میں روانہ ہوا۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر اُٹھے اور حجرہ کی طرف روانگی کا عزم فرمایا۔ میں بھی پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر ہوا اور کچھ خفیہ گفتگو کر کے غائب ہو گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلے تو میرے پیروں کی آہٹ پا کر میری طرف رُخ کر کے فرمایا کون؟ میں نے عرض کی حذیفہ ہے۔ فرمایا ہاں۔ کہو کیا کہتے ہو۔ میں نے عرض کی۔ میرے اور میری والدہ کے لئے آمرزش گناہ کی دعا چاہتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ وَلِاُمِّکَ۔ اللہ تجھے اور تیری ماں کو بخش دے۔ پھر فرمایا حذیفہ یہ شخص جو میرے سامنے آیا تھا تو نے دیکھا تھا۔ میں نے عرض کی جی ہاں۔ فرمایا یہ فرشتہ تھا کہ اس سے پہلے کبھی ہمارے پاس نہیں آیا۔ اس نے مجھے سلام کیا۔ اور پھر جناب باری کی طرف سے یہ بشارت سنائی کہ فاطمہ زہرا سیدہ زنان اہل جنت ہوں گی۔ اور شہزادگان حسن و حسین سید جوانانِ اہل بہشت ہوں گے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا۔ انس جن عورتوں کے مناقب زیادہ ہیں اور مرتبہ بلند۔ وہ مریم بنت عمران۔ خدیجہ بنت خویلد۔ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آسیہ زنِ فرعون بنتِ فراحم ہیں۔

کتاب الآل مصنفہ امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ میں ایک روایت ہے کہ جب حق سبحانہٗ تعالیٰ نے آدم و حوا کو بہشت میں متمکن فرمایا۔ تو ایک روز فردوس اعلیٰ کے باغیچوں میں گلگشت فرماتے ہوئے حضرت حوا کی طرف مخاطبہ فرما کر یوں کہا کہ اللہ نے تم سے زیادہ حسین اور نیک دوسرا پیدا ہی نہ فرمایا حق سبحانہ تعالیٰ نے روح الامین کو حکم دیا۔ کہ جب آدم و حوا فردوس کی گلگشت سے واپس آئیں۔ تو ہمارے حبیب مکرم محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر سیدہ کی زیارت کراؤ۔ چنانچہ جب آپ فردوس میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ ایک شاہزادی رونق افروز ہیں۔ جن کے سر پر ایک تاج نوری ہے اور دو گوشوارہ نوری کانوں میں لٹک رہے ہیں۔ ان کے روئے انور کی تابانی نے تمام بہشت کو منور کر رکھا ہے۔ آدم نے دیکھ کر روح الامین سے پوچھا۔ کہ جبریل یہ صاحبزادی کس کی ہیں۔ جن کو یہ زیبائی عطا فرمائی ہے کہ ریاض جنان ان کے نور سے ایسا منور ہے۔ جبریل نے کہا کہ یہ سیدہ فاطمہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے آپ کے دوش اقدس پر ایک کملی پشمینہ کی تھی۔ کہ دونوں شہزادے تشریف لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کملی میں لیا۔ اتنے میں حضرت شیر خدا و فاطمہ زہرا تشریف لائے۔ انہیں بھی اس کملی میں لے لیا۔ پھر فرمایا اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا یعنی اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر

والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔ پھر فرمایا جو تم سے لڑے میں اس سے لڑنے والا ہوں اور جو محبت کرے میں اس سے محبت کرنے والا ہوں۔

عرض کہ آپ کے بہت کچھ فضائل ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ ایک روز سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں رونق افروز تھے کہ اتنے میں چند خواتین قریش زیورات سے آراستہ اور نہایت پُرتکلف لباس سے پیراستہ حاضر ہوئیں اور عرض کہ اے ابوالقاسم اگرچہ مذہباً ہم تم سے جدا ہیں۔ مگر قرابتہً یگانہ ہیں ایک شہر کے ایک گھر کے۔ یہ ہم نہیں چاہتے کہ قطعی رشتۂ رحم منقطع کریں۔ آج شادی ہے اور فلانی لڑکی لڑکے کو منسوب ہوگی۔ لہٰذا اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ کو بھیجئے۔ تاکہ ان کی شرکت سے ہمارا دل خورسند و شادماں ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول تو کچھ سکوت فرمایا پھر انہیں جواب دیا کہ اچھا تم چلو۔ میں فاطمہ کو بھیجتا ہوں۔ وہ تو گئیں اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا جانِ پدر! مجھے حکم ہے کہ جفا و آزار خلق کو برداشت کروں اور زہر نفاق کو شکر کے ساتھ پیوں۔ آج کچھ قریش کی عورتیں میرے پاس آئی تھیں اور یہ درخواست منظور کرا لے گئیں کہ میں تم کو ان کے یہاں شرکت کے لئے بھیجوں۔ تمہاری کیا رائے ہے۔ عرض کی ابا جان میں بندۂ فرماں ہوں ؎

مرا تو جانِ عزیزی و شاہ محترمی
بہر چہ حکم کنی بر وجودِ من حکمی

ابا جان! جانے کو تیار ہوں۔ مگر حیران ہوں کیا پہنوں اور کس جوڑہ کو زیب تن کر کے جاؤں۔ وہ لباس فاخرہ سے آراستہ ہوں گی۔ مجھے خیال

ہے کہ جب وہ عورتیں میرے پرانے کپڑے اور جریدہ چادر دیکھیں گی تو طنز وطعنہ کریں گی۔ اسلام کا استہزاء ہوگا۔ اس جلسہ میں عتبہ کی بیوی، شیبہ کی بیٹی، ابوجہل کی بہن وغیرہ بھی ہوں گی۔ جو انتہا درجہ کی دریدہ دہن اور فضول گو ہیں۔ ممکن ہے یہ تمام کج اندیشہ کہہ بیٹھیں کہ تمھارے باپ تو اپنے کو دنیا ومافیہا کا سردار کہتے ہیں۔ اور تمھارے پاس کپڑوں تک کا کیا حال ہے۔ ادھر وہ حمالۃ الحطب اُم جمیل زوجہ ابولہب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھایا کرتی ہے۔ اور ہندہ ابوسفیان کی بیوی یہ دونوں حاضر غائب ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں رہتی ہیں۔ یہ بھی ضرور ہوں گے اور اُن سے مخالفت عداوت کی حد کو پہنچی ہوئی ہے۔ یہ عام دنوں میں جب حرم میں آتی ہیں۔ تو دیبائے رومی اور خز مصری اور بردہائے یمنی۔ حلہ عراقی پہنی ہوتی ہیں۔ پھر شادی میں تو نہ معلوم کیا لباس ہوگا۔ اور زیورات مکلل بجواہر اور تکیہ زربفت کے ان کے یہاں ہیں۔ میں اس چادر کے ساتھ جو چند جگہ سے خرموں کی چھال سے سلی ہوئی ہے کیسے اوڑھ کر جاؤں؟

اباجان! ان کی چشم حق بین کور ہیں۔ یہ جماعت جاہ وحشم دنیا کو دیکھنے والی ہے۔ وہ درخت جو بوستانِ نبوت میں جوئبار رسالت سے چڑھا بڑھا ہو۔ اس کی نظر میں دیباؤ زیورہائے دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔ مگر ان اندھوں کی نظریں یہاں تک کیسے پہنچ سکتی ہیں ؎

وہ کہ آں صورت پرست از حالِ ما آگاہ نیست

آرے آرے اہلِ صورت رابمعنی راہ نیست

اباجان۔ آج اماں جان ہوتیں۔ تو وہ یہ سب ظاہری سامان بھی مہیا فرمادیتیں۔ مگر انھوں نے پہلے ہی جوارِ رحمت میں قیام فرمالیا اور مجھ کو اپنے

فراق میں روتا چھوڑا۔ یہ فرما کر سیدہ کے چشمِ نوری بھر آئے اور قطرات اشک رخسارۂ انور پر ٹپکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی آبدیدہ ہوئے۔ پھر فرمایا۔ جانِ پدر! ملول نہ ہو۔ اگر وہ دنیاوی زیورات سے آراستہ ہیں تو تم حلہائے نوری سے پیراستہ۔ بیٹی یہ ملمع دنیاوی ہے۔ بعد چندے سوائے خسران وزیان کچھ نہیں۔ تمھاری آراستگی آخرت میں جلوہ ریزی کرے گی۔ بیٹی! ہم اپنی کملی پر فخر کرتے ہیں الفقر فخری یہ فقر ظاہری اور باعث فخر ہے ؎

ماؤ گلیمِ فقر کہ تارے ازاں بہ است
از حلّۂ یمانی و دیبائے ششتری
ماؤ پلاسِ عجز کہ در دیدۂ خرد
زیبا تر از پلاس خز است عبقری

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے کہ اتنے میں روح الامین حاضر دربار بحکم کردگار ہوئے۔ اور عرض کی کہ حضرت جلیل بعد سلام ارشاد فرماتے ہیں کہ فاطمہ سے کہہ دیجئے کہ وہ شادی میں اسی لباس سے تشریف لے جائیں اور ہماری کارسازی کا مشاہدہ فرمائیں۔ آج سیّدہ کا حسن و جمال اس ہی شان میں ہمیں دکھلانا منظور ہے۔ ان کا یہ خیال ہے کہ وہ استہزا کریں گی۔ اور ہماری یہ مرضی ہے کہ اسی صورت میں وہ پرتوہ جمال فاطمی پر پروانہ وار نثار ہو کر قید کفر سے خلاصی پائیں۔

خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹی! ابھی جبرئیلِ امین آئے تھے اور جناب باری کا یہ حکم لائے ہیں۔ آپ نے سن کر جواب دیا بہت اچھا۔ نافرمانی اپنا شیوہ نہیں۔ جو خطرہ دل میں آیا تھا۔ وہ عرض کر دیا۔ اب جبکہ حکم الٰہی یونہی ہے۔ مجال توقف ہی نہیں۔ آپ اُٹھیں اور مقنعۂ فقر زیب فرق فرمایا چادر

عصمت اوڑھی اور مثلِ خورشید انور تنہا بغیر خادمہ کے شرکت شادی کو روانہ ہوئیں۔ کیونکہ الشّمس بنجوم السماء فریدۃ ، چاند سورج ستاروں میں آسمان پر ایک ہی ہے ؎

چہ غم خورشیدِ تاباں را اگر تنہا رود در راہ
چہ غم سروِ خراماں را اگر تنہا بروں آید

چنانچہ جب آپ دولتکدہ سے جلسۂ شادی میں روانہ ہوئیں۔ تو جلسہ گاہ میں تمام خواتین قریش چشم براہ اور گوش بآوازِ قدم تھیں کہ اب وہ نیک ساعت آنے والی ہے کہ شہزادی کونین والدہ حسین جگر گوشۂ سید الثقلین رونق افروز ہوں۔ کہ اچانک ان کے کان میں آواز آئی۔ کہ مؤدب ہو جاؤ شہزادی کونین لخت جگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ زہرا تشریف لاتی ہیں کہ اتنے میں سیدہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے حسن وجمال باطنی سے درودیوار ہائے دیوانخانہ کو اپنے شیشۂ جمال سے مثل خورشید تاباں کے روشن فرمایا۔ حضرت سیدہ نے سلام فرمایا۔ سب نے ادب سے عرض کی ؎

کردی سلامِ ذوق سلامت بدل رسید
ویں خانہ از سلام تو دار السّلام شُد

تمام خواتین جلسۂ ہیبت وجلال سے محوِ حیرت تھیں۔ کسی میں تاب کلام نہ تھی اور سیدہ خراماں خراماں تشریف ارزاں ہوئیں۔ خواتین قریش کی نظروں میں آپ کا لباس فاخرہ ایسا جچا کہ محو حیرت تھیں اور دل میں کہہ رہی تھیں کہ ایسا کپڑا آج تک دیکھا نہ سُنا۔ فرق اقدس پر جو نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک تاج مرصع بدُرِ شاہوار مکلل بیاقوتِ آبدار مثل لعل درخشندہ مثال فیروزہ درخشندہ ہے۔ کہ آنکھیں اس کی تابانی سے خیرہ ہیں۔ اور قمیص مبارک ایسی زری سے مغرق

ہے۔ کہ اتنا صاف زری دنیا کے خزانوں میں کہیں نہ پائی۔ زیورات ایسے سجے ہیں۔ کہ زرگرانِ عالم جس کی مثال بنانے سے قاصر ہیں۔ اور کنیزان پاکیزہ سرشت ہمراہ ہیں۔ جو چاروں طرف اس بقعۂ نور کے چل رہی ہیں۔ کسی نے چادرِ مبارک کے دامن اُٹھا رکھے ہیں۔ کوئی خاکِ قدم آنکھوں میں لگا رہی ہے۔ ایک خادمہ آپ کے پیچھے پیچھے پنکھا کرتی آرہی ہے۔ ایک آگے آگے سنہری انگیٹھی میں عود کا بخور روشن کئے آرہی ہے۔ جس کی خوشبو سے مشامِ دماغ معطر ہو رہے ہیں۔ اس عظمت و دبدبہ سے کوکبۂ فاطمی اس گھر میں پہنچا۔ کہ درو دیوار سے یہ آوازیں آنے لگیں ؎

تو از ہر در کہ باز آئی بدیں خوبی و زیبائی
درے باشد کہ از رحمت بروئے خلق بگشائی

بزیور ہا بیارایند وقتے خوب رویاں را
تو سیمیں تن چناں خوبی کہ زیور ہا بیارائی

ملامت گوئی بے حاصل ترنج از دست نشناسد
دراں ساعت کہ یوں یوسف جمال از پردہ بنمائی

غرض کہ چشم ہائے خواتین اس گوہر صدف خلق و ادب پر پڑتے ہی خیرہ ہو گئیں۔ اور آئینۂ عقل و فہم تیرہ۔ اپنی جگہ سے اُٹھیں۔ اور آپس میں ایک دوسرے سے کہتی تھیں کہ یہ فاطمہ ہیں یا کسی سلطان ہفت اقلیم کی صاحبزادی۔ یہ زہرا ہیں یا کسی خاقان مملکت کی حرم ؎

ایں کیست ایں۔ ایں کیست ایں در حلقہ ناگاہ آمدہ
ایں نور اللہ است ایں از نزد اللہ آمدہ

ایں بخت و دولت را نگر ایں لطف و رحمت را نگر

در چارۂ بداختراں با روئے چوں ماہ آمدہ

یہ کون خاتون ہے کہ چہرۂ زیور کا نور مثل آفتاب ہے۔ اور یہ کپڑے کہاں سے آئے ہیں خزائن ملوک عرب میں نظر نہیں آتے۔ ایسے کپڑے نہ چرب دستانِ مصر و اسکندریہ بنا سکتے ہیں نہ ہنرمندان روم و فرنگ تیار کر سکتے ہیں۔ جب حواس درست ہوئے تو پہچانا کہ یہ سیّدہ فاطمہ زہرا ہیں۔ پہچانتے ہی جسم پر لرزہ طاری ہوا۔ اور سب قدم فاطمہ پر جھک گئیں۔

اس واقعہ عظیم کو دیکھ کر اکثر کافرہ خواتین حضور کو جادوگر (معاذ اللہ) قرار دے کر جلسہ گاہ سے چل دیں۔ اور اکثر اپنی غلطی کی معترف ہو کر نہایت ادب سے تواضع میں مشغول ہوئیں۔ اور کہنے لگیں کہ سیّدہ ہم شرمندہ ہیں۔ کہ ہماری وجہ سے آپ کو تشریف آوری کا تکلیف برداشت فرمانی پڑی۔ اب حکم دیجئے کیا پیش کریں۔ کس قسم کا شربت حاضر کیا جائے۔ ہمارے ابا جان کا ارشاد ہے اجوع یومین واشبع یوما۔ دو دن بھوکی رہوں اور ایک دن کھاؤ۔ ہاں اگر مجھے خوش کرنا چاہتے ہو۔ تو ظلمت کدۂ کفر سے قدم جہالت کو نکال لو۔ اور فضائے نور افزائے ایمان میں آ جاؤ۔ جیسے ہی ارشاد سیّدہ سنا۔ سب نے تہ دل سے باآواز عرض کیا اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؁

آرام دل و زندگی جاں ز دم اوست

ہر جا کہ نہد پائے صفا در قدم اوست

صاحب شواہد النبوۃ اس واقعہ کو مدینہ میں لکھتے ہیں اور بعض مکہ معظمہ میں۔ بہرکیف روایت معتبر یہ ہے کہ یہ قصہ بعد ہجرت کا ہے۔ اس وقت آپ کی

عمر مبارک ایک روایت سے ۹ سال کی تھی۔ اور ایک روایت سے ۱۴ سال کی۔ اور ایک اور روایت ہے۔ جو زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔ اس میں بست سالہ عمر مبارک ہے۔ بہر کیف واقعہ سب نے یہی لکھا ہے۔ اختلاف عمر و مقام میں ہے۔ نیز اس میں اختلاف ہے کہ کس ماہ کا واقعہ ہے۔ بعض رجب المرجب لکھتے ہیں اور بعض صفر المظفر۔ بست سالہ عمر جس روایت میں ہے وہ رمضان المبارک بتاتے ہیں

آپ کی شادی کی مختصر کیفیت

آپ کی شادی کے متعلق اکثر اکابر صحابہ عرض کرتے تو حضور سیّد یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں فرما دیتے۔ کہ میں اس معاملہ میں حکم الٰہی کا منتظر ہوں۔

مناقب ابو المویّد خوارزمی میں ہے کہ روز خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دولت سرائے امّ سلمہ میں رونق افروز تھے کہ ایک فرشتہ خدمت گرامی میں حاضر ہوا۔ جس کے بیس سر تھے۔ اور ہر سر میں ہزار زبان تھی۔ اور ہر زبان سے تسبیح و تہلیل کرتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا کہ جبریل ہیں۔ آپ نے فرمایا بھائی اس سے قبل تم کبھی اس صورت میں نہیں آئے۔ فرشتہ نے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں جبریل نہیں ہوں۔ مجھے ضرضائیل کہتے ہیں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس لئے مجھے بھیجا ہے کہ نور کی تزویج نور سے کردوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ضرضائیل صاف بتاؤ کس کی تزویج کس کے ساتھ کرنے آئے ہو۔ عرض کی سیّدہ فاطمہ

کی علی اسد اللہ سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت علی کو بلایا اور سیدہ کا عقد اس فرشتہ کی موجودگی میں حضرت علی سے کر دیا۔ ایک روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں خدمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر تھا۔ کہ آثارِ وحی چہرۂ زیبا پر ظاہر ہوئے۔ تھوڑی دیر میں انجلاوحی ہو گیا۔ تو فرمایا انس تمھیں معلوم ہے۔ اس وقت جبریل خدا کی طرف سے کیا پیام لاتے تھے۔ میں نے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں اور باپ آپ پر نثار ہوں۔ اللہ اور اللہ کا رسول ہی جانتا ہے۔ فرمایا یہ پیغام تھا کہ ان اللہ تعالیٰ یامرك ان تزوج الفاطمۃ من علی حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ سیدہ فاطمہ کا عقد حضرت علی سے کر دو۔ انس جاؤ اور شرفا مہاجرین مثل صدیق و فاروق و ذی النورین اور طلحہ و زبیر کو بلالاؤ۔ اور اکابر انصار سے سعد وقاص۔ معاذ بن جبل۔ عبادہ بن صامت۔ اسید بن حضیر کو بھی کہو کہ خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تم کو یاد کرتے ہیں۔ میں حسب الارشاد گیا اور سب کو بلا لیا۔ حضرت علی بھی حاضر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ بلیغ پڑھا۔ جس میں حمد و ثنا و ترغیب نکاح کا مضمون تھا۔ پھر فرمایا مجھے امر الٰہی ہے کہ فاطمہ کو علی کے عقد میں دے دوں۔ لہٰذا ان کا مہر چار سو مثقال مقرر کرتا ہوں۔ علی تم منظور کرتے ہو۔ حضرت علی نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بخوشی منظور کرتا ہوں۔ تین بار اس کی تکرار فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا پر یہ جلسہ ختم فرمایا جمع اللہ شملکما واسعد جدکما وبارك علیکما واخرج منکما ولداً کثیراً طیباً۔ جمع کرے اللہ تعالیٰ تمھاری پراگندگی کو۔ اور بھلائیاں تمھارے قریب رہیں اور برکت دے اللہ تمھارے اندر اور تم سے نیک اور پاک

اولادیں عطا فرمائے۔ یہ تین بار کا ایجاب و قبول اس لئے مسنون ہے۔
مناقب خوارزمی میں ہے۔ کہ اس شادی کے متعلق متعدد احادیث ہیں۔ خلاصہ سب کا یہ ہے۔ کہ کچھ میوہ بہشتی روح الامین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبریل یہ کیسے میوے ہیں۔ عرض کی۔ حضور آج تمام ملائکہ کو حوالی بیت المقدس میں جمع ہونے کا حکم ہوا اور تمام حوران بہشتی آراستہ کی گئیں۔ اور راحیل فرشتہ کو حکم ہوا۔ کہ وہ منبر نوری پر جو خطبہ گاہ آدم صفی ہے۔ بیت المقدس میں پہنچ کر خطبہ پڑھے اور سیدہ فاطمہ کا عقد شیر خدا علی مرتضیٰ سے کرے اور میوہ ہائے جنت ملائکہ اور حوران بہشتی پر لٹائے۔ اس سنت کے ماتحت بھی نکاح میں خرمے کھانے سنت ہوئے۔

چنانچہ اس جلوس سے فرصت پا کر میں بحکم الٰہی اس امر کی اطلاع کرنے حاضر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوا ہوں۔ کہ اب زمین پر آپ بھی اس عمل کو پورا فرما دیجئے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماع مہاجرین و انصار فرما کر عقد نکاح فرمایا اور سیّدہ کو حضرت علی کے یہاں رخصت کیا۔ عشا کی نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کے یہاں تشریف لائے اور ایک کوزہ پانی پر معوذتین پڑھ کر یہ دعا پڑھی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پھر اس پانی پر دم کر کے سیّدہ اور علی کو تھوڑا تھوڑا پلایا۔ اور تھوڑا سر اور سینہ پر ڈالا۔ پھر دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اِنَّھُمَا مِنِّیْ وَاَنَا مِنْھُمَا اَللّٰھُمَّ کَمَا اَذْھَبْتَ عَنِّی الرِّجْسَ وَطَھَّرْتَنِیْ فَطَھِّرْھُمَا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جانے لگے۔ تو سیّدہ فاطمہ رونے لگیں۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹی کیوں روتی ہو۔ میں نے تمھیں کس کو دیا ہے۔ تم جانتی ہو۔

میں نے تمہارا اس سے عقد کیا ہوا ہے کہ جو اسلام میں بہت اول۔ علم میں بہت سے اعلیٰ اعزاز میں بہت سے افضل ہے۔ اور اللہ نے اُسے گنجینۂ عرفاں بنایا ہے۔ پھر فرمایا اَنَا مدینۃ العلم وعلی بابھا میں شہر عرفاں ہوں تو علی دروازۂ عرفاں ہیں

حضرت سیّدہ کا جہیز

سیّدہ کے اس جہیز کی تو کوئی حد و غایت ہی نہیں۔ جو دربار الٰہی سے آخرت میں ملے گا۔ لیکن دنیا میں جو جہیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔ اس میں دو جوڑے اور دو بازو بند نقرئی۔ اور ایک چادر ایک پیالہ ایک چکی دو گلاس۔ ایک مشک۔ ایک کٹورہ پانی پینے کا دو رضائی بھوکتان سے مملو تھیں۔ چار گدے دو اُون سے بھرے ہوئے اور دو لیف خرماں یعنی کھجور کی چھال سے تھے۔

امام ابوبکر طرطوسی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب ستین الجامع للطائف البساطین میں نقل فرماتے ہیں۔ کہ ایک منافق نے منافقانِ مدینہ سے کہا۔ کہ علی تم نے کہاں شادی کی۔ تم معدن فضل و کمال اور شجاع ترین مبارزان ہو پھر وہاں سے جہیز بھی کیا ملا ہو گا۔ اگر میری لڑکی سے شادی کرتے تو جہیز میں اپنے گھر سے تمہارے گھر تک اُونٹوں کی قطار لگا دیتا۔ حضرت علی نے فرمایا یہ شادی نہ تقدیر سے ہوئی ہے نہ تدبیر سے۔ بلکہ اَلْحُکْمُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْکَبِیْرِ تھا۔ علاوہ ازیں میری نظر مال و متاع دنیا پر نہیں۔ میرا مقصد محض رضائے الٰہی ہے۔ ہماری عزت نہ اعمال سے ہے نہ اموال سے اور ہماری مباحات کردگار پر ہے نہ درہم و دینار پر سے

ہمت ما را نظر بر درہم و دینار نیست
مقصد و مقصود ما جز پر تو دیدار نیست

جب مرتضیٰ شیر خدا یہ جواب دے چکے۔ تو غیب سے آواز آئی۔ کہ اے علی اوپر دیکھو اور سیدہ فاطمہ کے جہیز کا جو مقابلہ کرے اُسے دکھاؤ۔ حضرت علی نے سر مبارک بلند فرمایا تو تمام میدان پُر از ناقہائے بہشت دیکھا اور ہر ناقہ میں جواہرات بہشتی مملو تھے۔ اور ہر ناقہ پر ایک کنیز حسین و جمیل اور ایک غلام خوبصورت سوار تھا پھر آواز آئی ھذا جھاز فاطمۃ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جہیز ہے حضرت علی شیر خدا اسد اللہ کرم اللہ وجہہ نے یہ تمام سامان ملاحظہ فرما کر اس منافق سے کہا کہ چل تجھے جہیز دکھاؤ۔ یہ کہہ کر گھر لائے۔ حضرت سیدہ نے دیکھتے ہی فرمایا۔ آپ کہتے ہیں یا میں کہوں۔ آپ نے فرمایا کس امر کے متعلق۔ فرمایا کہ سرزنش منافقاں جو آپ نے سنی اور میرا جہیز چشم بصیرت سے ملاحظہ فرمایا۔ یہ سُن کر منافق شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

معارج النبوۃ میں ہے کہ ایک روز حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلیمان علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی صاحبزادی کو بڑا زبردست جہیز دیا۔ منجملہ اس کے یہ ہے کہ اپنے داماد کے لئے ایک تاج تیار کرایا جس میں سات سو سچے نگینے۔ ہیرا و یاقوت و فیروزہ و زمرد کے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا علی کرم اللہ وجہہ نے اس تذکرہ کو سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے سامنے کہا۔ حضرت سیدہ کو اس ذکر سے کچھ ملال ہوا اور یہ خیال ہوا کہ شاید علی اپنے دل میں یہ سمجھے ہیں کہ سلیمان تو اپنی بیٹی کو اس قدر جہیز دیں اور خواجۂ عالم سید بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام انبیا سے اعلیٰ و اولیٰ ہیں۔ اپنی بیٹی کو اس صورت میں کتخدا فرمائیں کہ نہ داماد کے پاس دولت دنیاوی نہ فاطمہ کے ساتھ کچھ سامانِ عیش۔ مگر اس راز کو سیدہ نے

اپنے دل میں رکھا اور کسی پر ان کا انکشاف نہ کیا۔ اسی خطرہ میں کچھ دن گزر گئے۔
ایک روز مولا علی شیر خدا خواب میں ملاحظہ فرماتے ہیں۔ کہ فاطمہ صدر بہشت میں
ایک تخت مکلل بجواہر پر رونق افروز ہیں اور حوریں ارد گرد کمربستہ حاضر ہیں اور
ایک صاحبزادی نہایت حسین و جمیل زیورات سے آراستہ سامنے کھڑی ہے۔
حضرت علی نے سیدہ سے پوچھا۔ یہ کس کی لڑکی ہیں آپ نے فرمایا سلیمان علیہ السلام
کی صاحبزادی ہیں۔ حق تعالیٰ نے انہیں میری خدمت کے لئے مقرر فرمایا ہے۔
اس روز جو ابا جان نے آپ سے ان کے جہیز کا ذکر کیا اور آپ نے مجھ سے کہا۔ تو
میرے دل میں کچھ خطرہ پیدا ہوا۔ اس کے بدلے اللہ نے انہیں میری خدمت
کے لئے مقرر فرمایا۔ اور آپ کو دکھایا کہ اعزاز و حرمت فاطمہ عنداللہ ایسا ہے۔ اور
تاج کے بدلہ میں لوائے حمد آپ کے لئے مقرر فرمایا۔ لوائے حمد وہ زبردست علم
ہے۔ کہ سوائے حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے لئے مخصوص نہیں۔
اس علم کا طول ایک ہزار برس کی راہ کا ہے۔ اس کا قبضہ چاندی کا ہے اور
نشان یاقوت سرخ کا ہے۔ اور اس میں جڑاؤں سبز زمرد کے ہیں۔ اس پر زریں
حروف میں منقش ہے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ
الۡعٰلَمِیۡنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ
یہ لواء عرصات حشر میں قائم کیا جائے اور منادی ندا دے کہ کون ہیں۔ نبی امی سید
عربی خواجہ ہاشمی رہنما، تہامی محمد بن عبداللہ تشریف لائیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم رونق افروز ہو کر اس علم کو ہاتھ میں لیں۔ پھر تمام انبیاء آدم سے عیسیٰ تک
معہ صدیق و شہداء و صلحاء و جمیع مومنین اس لواء کے نیچے آ کر جمع ہوں۔ چنانچہ خود
فرمایا ادم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیمۃ ؎
آدم ومن دونہ تحت اللواء آمدہ چوں تو علم افروختہ

پھر ایک تاج نوری لایا جائے اور فرق سلطان انس وجاں پر رکھا جائے۔
اور حلہ حریر سبز سے بدن مبارک آراستہ ہو۔ پھر براق حاضر کیا جائے۔ کہ اس پر شہسوار میدان اسریٰ سوار ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جماعت انبیا تاج پوش براقوں پر سوار ہو کر روانہ ہوں یہاں تک کہ بہشت پہنچیں۔ اس وقت علم آپ کے دست مبارک میں ہو گا۔ اور آپ آگے آگے اس کوکبۂ نوری کے چلیں گے۔
اس وقت منادی آپ سے پوچھے گا کہ علی یہ تاج اچھا ہے یا داماد سلیمان علیہ السلام جس کا تذکرہ تم نے ہماری فاطمہ کے حضور میں کیا تھا۔

امام نجم الدین عمر نسفی تفسیر فاتحہ میں روایت فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ کے یہاں تشریف لائے تو دیکھا کہ سیدہ فاطمہ ملول و حزیں تشریف فرما ہیں اور گریہ کناں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب گریہ و ملال دریافت فرمایا۔ تو عرض کی کہ ابا جان! بر سبیل حکایت عرض کئے دیتی ہوں اس کو شکایت نہ سمجھا جائے۔ وہ یہ کہ تین روز سے کھانا نہیں کھایا ہے۔ مجھے اپنی پرواہ نہیں۔ مگر حسن و حسین کے گلگونۂ عارض کمائے ہوئے جب دیکھتی ہوں۔ جگر پاش پاش ہو جاتا ہے۔ وہ بھوک کی وجہ سے بے طاقت ہوئے جا رہے ہیں۔ جب وہ بھوک سے روتے ہیں۔ میں بھی اپنے میں تاب ضبط نہ دیکھ کر روتی ہوں اور علی بھی رونے لگتے ہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ رکھا تھا۔ آج بھی اس کا افشانہ ہوتا۔ مگر آج دونوں شہزادوں نے آبدیدہ ہو کر بھولی بھالی زبان سے یوں فرمایا کہ اماں جان اب تو ہمارے اندر چلنے پھرنے کی بھی طاقت نہیں رہی۔ اماں! کیا اس طرح اور بچے بھی بھوکے رہتے ہیں جیسے کہ ہم بھوکے ہیں۔ بس یہ سن کر میری نظروں میں تمام عالم تاریک ہو گیا۔
ابا جان! یہ تو فرمائیے کہ اگر ایسی حالت میں اپنے رب سے مانگا جائے تو بے صبر

اور گستاخ تو نہ کہا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیٹی خدا سے مانگنا بے صبری و گستاخی نہیں۔ بلکہ سوال کرنے سے خدا خوش ہوتا ہے۔ یہ سن کر حضرت سیدہ گھر میں تشریف لے گئیں اور دوگانہ نفل ادا فرما کر زبان نیاز سے مناجات عرض کر کے یوں عرض پیرا ہوئیں کہ الٰہی! تو خوب جانتا ہے۔ کہ عورت مرد کے مقابلہ میں بغایت کمزور ہے۔ پھر پیغمبروں کی قوت کا مقابلہ تو محال۔ اگر ابا جان کے ساتھ کوئی خاص سر ہے۔ تو وہ ان کی شایانِ شان ہے۔ وہ خود بارہا فرما چکے ہیں ابیتُ عند ربی۔ یطعمنی ربی ویسقینی۔ میں اپنے رب کے پاس کھاتا پیتا ہوں۔ میں تیری ادنیٰ کنیز۔ مجھ میں یہ قوت کہاں۔ اگر میرے ساتھ بھی ایسا ہی منظور ہے۔ تو مجھے طاقت تحمل عطا فرما۔ تاکہ یہ اندوہ راحت بخش دل و جان ہو۔ یہ کہا اور بے ہوش گئیں۔ کہ روح الامین دربار الٰہی میں حاضر ہوئے اور عرض کی اُٹھئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ہوا؟ عرض کی۔ گریہ وزاری فاطمہ سے ملائکہ میں شور مچ گیا۔ عرش معلٰی لرز گیا۔ انہیں سنبھالئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ دیکھا کہ فاطمہ سجدہ میں بیہوش ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سر مبارک اُٹھا کر اپنے پہلو میں لیا اور رائحہ گیسوئے مشکبار سے ان کی مشام کو معطر بنایا۔ وہ ہوش میں آئیں۔ تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ کے پیٹھ پر ہاتھ رکھا اور دعا کی۔ الٰہی! فاطمہ کو بھوک پیاس سے محفوظ کر دے۔ حضرت سیدہ فرماتی ہیں کہ اس دعا کے بعد سے جب تک میں دنیا میں رہی۔ کبھی بھوکی نہ رہی۔

اسی معارج میں دوسری روایت ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ کے پاس تشریف لائے۔ تو سیدہ کو تین روز کے فاقہ سے دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دست دعا دراز فرما کر یوں دعا فرمائی اللھم انزل رزقا

علی محمد و اھل بیتہ کما انزلت علی مریم بنت عمران۔
الٰہی رزق نازل فرما محمد اور اس کے اہل بیت پر جیسے کہ فراخی رزق فرمائی تھی مریم بنت عمران پر۔ پھر فرمایا۔ فاطمہ حجرہ میں جاؤ اور جو کچھ ہو لے آؤ۔ آپ گئیں تو آپ کے پیچھے پیچھے دونوں شہزادے بھی چلے۔ سیدہ نے دیکھا کہ ایک کاسہ مکلل بجواہرات ہے۔ اس میں ثرید بھرا ہے اور کچھ گوشت بھنا ہوا ہے۔ جو اس پر رکھا ہے۔ اس میں سے مشک و زعفران کی خوشبو آرہی ہے۔ سیدہ اس پیالہ کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلوا باسم اللہ۔ کھاؤ خدا کا نام لے کر۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معہ صاحبزادی اور جگر گوشان مولا علی کے لے سے تناول فرمایا۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ اسی کاسہ میں سے دونوں وقت سات روز کامل نوش فرمایا۔ اور اس میں سے ذرہ بھر کم نہ ہوا۔ ایک روز شہزادے حسین گھر میں سے ایک لقمہ اس گوشت کا ہاتھ میں لے کر باہر تشریف لائے۔ ایک یہودی کی عورت نے دیکھ کر کہا۔ کہ اے اہل بیت تمھیں یہ بھنا گوشت کہاں سے ملا۔ امام حسن نے فرمایا۔ کہ عالم غیب سے ہم کو اللہ نے عطا فرمایا ہے۔ یہودیہ نے کہا اس میں سے تھوڑا مجھے بھی چکھاؤ۔ چونکہ اس گھرانہ میں سائل کا سوال رد کرنا شیوہ ہی نہ تھا ہاتھ بڑھایا اور چاہتے تھے کہ اسے دیں کہ یک لخت وہ لقمہ پس خوردہ معہ اس کاسۂ غیبی کے غائب ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو فرمایا اگر اس راز کا اظہار نہ ہوتا۔ تو تا حیات اہل بیت یہ کاسہ خالی نہ ہوتا۔

غرض کہ فضائل سیدہ اس قدر ہیں کہ اگر لکھے جائیں تو ایک مستقل کتاب بنے۔ بخوف طوالت اسی پر اکتفا کر کے حال وفات لکھتا ہوں:۔

وفات حضرت سیّدہ کا مختصر حال

روایان صادق الروایت اور مخبران ظاہر الدرایت نقل فرماتے ہیں۔ کہ الم مفارقت سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جتنا سیدہ فاطمہ کو ہوا کسی کو نہ تھا۔ کہ وفات حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر گریاں و نالاں تھیں۔ کہ آپ کی زاری پر ہر ایک شجر و حجر روتا۔ زمین و آسمان میں کوئی ایسا نہ تھا۔ جو گریہ فاطمہ پر نالہ کناں نہ ہوا ہو۔ پریوں کے نالہ فغاں اور ملائکہ سماوی کا گریہ اور زاری ملائکہ ذرہ ذرہ عرش مجید لوگوں کے کانوں میں گونجتی تھی۔ اور حقیقتاً بات بھی یہ ہے۔ کہ وفات سید کائنات سے بڑھ کر اور غم بھی کیا ہوتا کہ کہ چراغ عالم مخفی ہو گیا ہے

آں سرو خوش خرام چو اندر چمن نماند
بر طرف باغ زیب گل و یاسمن نماند
یعقوب وار دیدۂ نرگس سفید شد
از درد آنکہ یوسف گل پیرہن نماند

جب سیدہ کی زاری کسی طرح رکتی نظر نہ آئی تو ایک روز حضرت علی نے فرمایا۔ اے نور دیدۂ مصطفےٰ آج مدینہ میں قیامت ہے۔ اگر تم چاہتی ہو کہ میں تم سے راضی رہوں۔ تو صرف یہ بات ہے کہ تم یہ گریہ و زاری چھوڑ کر صبر و شکیبائی سے کام لو۔ سیدہ نے عرض کی تعمیل حکم کو تیار ہوں۔ مگر کیا کروں۔ کسی طرح جی نہیں مانتا ہے

آنکھوں پہ اختیار ہے اچھا نہ روئیں گے
پر قلب زار زار تو بے اختیار ہے

آپ نے فرمایا۔ شب کو روضۂ اطہر پر چلیں گے۔ اللہ نے چاہا تو وہاں دل ٹھہر جائے گا۔ چنانچہ شب ہوئی جب تمام مرد سو گئے۔ تو سیدہ کے لینے کو شیر خدا گھر آئے۔ دیکھا تو بیہوش ہیں۔ آپ کو ہوش میں کیا۔ جب آپ کی نظر مبارک چشم علی پر پڑھی تو پکاریں یا ابا الحسن۔ اے حسن و حسین کے ابا! رات کتنی باقی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ دو تہائی رات ابھی باقی ہے۔ عرض کی تو اب اجازت ہے کہ میں چلوں۔ آپ نے فرمایا ہاں چلو۔ مگر بلند آواز سے نہ رونا۔ یہ سن کر سیدہ چاہتی تھیں کہ علی کے قدموں میں گریں کہ حضرت علی نے ہاتھوں میں روک لیا۔ اور روضہ مقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تشریف لائے۔ سیدہ کی جیسے ہی نظر مہر منور پر پڑی تو روئیں اور بے ساختہ زبان مبارک سے یہ لفظ نکلے یا خیر خلق اللہ مالك و للتراب۔ اے کائنات سے افضل۔ اے درِ صدف توحید تم کو اور خاک سے کیا تعلق۔ یہ کہہ کر روضۂ اطہر پر گریں اور اپنا چہرۂ زیبا گرد مزار میں آلودہ فرمایا اور زبانِ حال سے یہ فرما رہی تھیں ؎

زیں مصیبت بے غم دل در جہاں یکجاں کجاست
در ہمہ روئے زمین یک دیدہ بے طوفاں کجاست
عالمے ہم چو سکندر در سیاہی ماندہ اند
اے خضر بنمائی رہ کاں چشمۂ حیواں کجاست

حضرت علی نے بہت کچھ تسکین دی اور فرمایا اس قدر زاری نہ کرو تو سیدہ نے فرمایا یا ابن عم لاتلومنی اے چچا کے بیٹے مجھے ملامت نہ کر کہ میں مصیبت زدہ ہوں۔ اور برجستہ ایک قصیدہ اسی زاری میں فرمانا شروع کیا۔ جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

صُبّت علیّ مصائب لو انّہا
صبّت علی الایام صرن لیالیا

مجھ پر وہ مصیبتیں پڑی ہیں۔ کہ اگر ان مصیبتوں کو دنوں پر ڈالا جائے۔ تو تمام ہجوم اندوہ سے مثل شب تیرہ کے ہو جائیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب سیدہ فاطمہ زیارت روضہ مطہرہ کو حاضر آئیں تو خاک قدم اُٹھا کر آنکھوں سے مل اور زار زار رو کر یوں فرمانے لگیں ؎

نو بہار من کجا شد آں گلِ سیراب کو
مے تواں دیدن بخوابش اے دریغا خواب کو
گر نگریم ور نخندم ہیچ انکارم مکن
گریہ را صد وجہ دارم خندہ را اسباب کو

روایت صحیحہ سے ثابت ہے کہ بعد وفات حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کسی نے حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ہنستے نہ دیکھا۔ بلکہ رات دن سینہ بریاں وچشمِ گریاں رہتیں۔

جب وفات خواجۂ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دو ماہ وبقولے تین ماہ پانچ یوم اور بروایتے چھ ماہ گزر گئے تو آپ کو کوئی تکلیف نہ تھی۔ صرف حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا صدمۂ وفات تھا۔ کہ ایک روز شیر خدا اسد اللہ دولت کدہ میں تشریف لائے تو دیکھا کر آٹا گوندھا جا رہا ہے۔ اور تھوڑی مٹی تر کر رکھی ہے اور صاحبزادوں کے کپڑے دھوئے جا رہے ہیں۔ حضرت علی نے بے وقت یہ انتظام دیکھ کر فرمایا۔ کہ اے نور دیدۂ مصطفٰے اے محبوبۂ سردار انس وجاں واے جگر گوشۂ آخر الزمان یہ کیا ہو رہا ہے۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کی هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ۔ اوقات مصیبت گزر گئے۔ اب دولتِ وصال کے ایّام آئے۔ شب کو میں نے ابا جان

کو خواب میں دیکھا۔ کہ میرے سرہانے کھڑے اِدھر اُدھر ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ جیسے کسی کا انتظار ہو۔ میری نظر جیسے ہی پڑی۔ میں بے تاب ہو کر پکاری یا ابتاہ این انت ابا جان! آپ کہاں ہیں۔ تو میں تو تمہارے سوز و فراق میں دل سوختہ و تن گداختہ ہو رہی ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹی میں یہاں ہوں اور تمہارا منتظر ہوں۔ جانِ پدر! ایامِ فراق گزر چکے۔ اور اوقات وصال قریب آئے۔ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے۔ کہ تم قفس عنصری کو خیر باد کہہ کر عالم ارواح میں ہم سے آکر ملو گی۔ بلکہ فاطمہ! ابھی میرے ساتھ چلو۔ میں نے عرض کی ابا جان میں آرزو مند لقائے سامی ہوں۔ ابھی لے چلئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیٹی خیر! کل تک تم ہم سے مل لینا۔ اتنے میں آنکھ کھل گئی۔ اب میرا خیال ہے۔ کہ شاید آج شب میں تم سے جدا ہو جاؤں اس لئے یہ روٹیاں پکاتی ہوں۔ کہ میرے دونوں لخت جگر۔ نور بصر۔ قرۃ العینین شہزادہ حسنین بھوکے نہ رہیں۔ آپ میرے غم جدائی میں از خود رفتہ ہوں گے وہ کس سے روٹی مانگیں گے۔ کپڑے یوں دھو رہی ہوں کہ میرے بعد نامعلوم ان کے کپڑے کوئی دھوئے یا نہ دھوئے۔ کم از کم ایک بار تو اور دھو کر پہنا دوں۔ مٹی یوں بھگوئی ہے کہ ان کی زلفیں مشکیں دھو کر نکھار کر ایک بار انہیں اور دولہا بنا لوں۔ معلوم نہیں کہ میرے بعد کتنا غبار ان کے گیسوؤں پر ہو۔ اور یہ یتیم کس طرح رہیں۔

حضرت مولا علی نے زبان فاطمہ سے یہ کلام فراق جو سنا۔ آنسوؤں کی جھڑی باندھ دی اور فرمانے لگے افسوس سرکار مدینہ کے زخم فراق سے ابھی نجات نہ پائی تھی کہ تم بھی رفاقت ترک کرتی ہو۔ اے بضعۂ احمد۔ وے بضاعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اے سیارۂ راہ قبول۔ وے ستارۂ جلوہ گاہ رسول! میں کیونکر جیوں گا اور میری مفارقت تمہارے دل نے کیونکر گوارا کی۔ اور برجستہ ایک شعر فرمایا ؎

یا زہرۃ الزہراء فی افق العُلیٰ
والدرۃ البیضاء فی صدف النہیٰ
اے تو در درج نبوت گوہر عالم فروز
وے تو در برج ولایت زہرۂ روشن جبیں

سیدہ نے فرمایا۔ اے شیر خدا۔ غم مفارقت میں صبر کرنا اور میری جدائی میں نہ رونا کہ تمہارے رونے سے میرے لخت جگر شہزادہ حسن وحسین کو صدمہ ہوگا۔ اور ان کے صدمہ سے میری روح پریشان ہوگی۔ پھر دونوں شہزادوں کو سینہ سے لگا کر زار زار رونے لگیں۔ پھر غسل دے کر زلفیں سنوار کر کپڑے پہنا کر فرمانے لگیں۔ میں نہیں جانتی کہ کل تمہارے ساتھ کیا ہو۔ پھر شہزادوں نے فرمایا کہ اے جانان مادر! اپنی نانی خدیجہ کی خدمت میں ہو آؤ۔ دونوں شہزادے گورستان بقیع کو روانہ ہوئے اور حضرت علی سے فرمایا۔ کہ اب آپ یہیں رہیں۔ کہ وقت وداع قریب ہے۔ حضرت علی نے فرمایا۔ افسوس تم نے بھی ساتھ چھوڑا ہے

دلہا کباب می شود از آتش وداع
یا رب کہ برفتہ زجہاں رسم انقطاع

غرض کہ حضرت علی بیٹھ گئے۔ پھر سیدہ نے فاطمہ بنت عمیس کو بلا کر فرمایا کہ روٹیاں پکا دے۔ فاطمہ بنت عمیس روٹی پکانے میں مشغول ہوئیں۔ اور سیدہ زہرا نے نہایت مبالغہ سے غسل فرمایا۔ پھر لیٹ گئیں اور حضرت اسما بنت عمیس کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگیں۔ اسماء مجھے اس کی زیادہ فکر ہے کہ میرا جنازہ باہر جائے گا۔ اور لوگ دیکھیں گے۔ اس نے عرض کی سیدہ! میں نے جبشہ میں دیکھا ہے۔ کہ عورتوں کے جنازہ پر نرم شاخیں کمان کی طرح باندھ کر اوپر سے چادر ڈالتے ہیں۔ اس طریقہ سے جنازہ نکالنے میں پردہ دری نہیں

ہوتی۔ آپ نے وہ گہوارہ بنوا کر ملاحظہ کیا اور بہت خوش ہوئیں۔ پھر وصیت فرمائی۔ کہ میرا جنازہ اس گہوارہ میں اٹھایا جائے۔ اور مجھے غسل اسماء بنت عمیس دیں۔ میرے جنازہ کے ساتھ زیادہ مجمع نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ اسماء اب تو تھوڑی دیر کو باہر جاؤ میں اپنے رب جلیل کے حضور میں مناجات کر لوں۔ حضرت اسماء بنت عمیس زوجۂ صدیق اکبر باہر آ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد جب ہچکیوں کی آواز مسموع ہوئی تب باہر تشریف لے گئیں تو دیکھا کہ سجدہ میں رو رہی ہیں۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میں نے کان لگائے۔ تو جناب الٰہی میں عرض کر رہی ہیں کہ الٰہی بحرمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے جگر گوشوں کو میری جدائی میں صبر عطا فرما اور بطفیل خواجۂ کائنات میری خطائیں معاف کر۔ اور میرے ابا جان کی اُمت کے گناہوں سے در گزر۔ اس آواز سے میں بھی از خود رفتہ ہو کر رونے لگی۔ میری آواز گریہ سُن کر سیدہ نے سر مبارک اُٹھایا۔ مجھے دیکھ کر فرمایا۔ اسماء میں نے تم سے کہا تھا کہ باہر رہو۔ جب میں بلاؤں تو آنا۔ میں تب باہر گئی۔ تھوڑی دیر بعد آواز آنا بند ہو گئی تو میں بے تابانہ پکاری یا قرۃ عین الرسول۔ کچھ جواب نہ ملا۔ پھر پکاری یا سیدۃ النساء یا بنت المصطفیٰ! پھر بھی جواب نہ ملا۔ چادر مبارک چہرۂ زیبا سے ہٹائی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ عروس روح کلبۂ فنا حجرۂ عنا سے نکل کر روضۂ نفا و دار البقا کی طرف پرواز کر چکی ہے۔ میں نہ اللہ ارہ روتے ہوئے قدموں پر گر ی۔ تو آپ نے حرکت فرمائی۔ اور میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ اسماء مزار پر انوار سید الابرار پر اگر جاؤ تو میرا سلام عرض کر دینا۔ یہ فرمایا اور ۳ رمضان المبارک سنہ ۱۲ھ یوم سہ شنبہ اور بروایت روضۃ الشہداء ۳ رمضان المبارک سنہ ۱۱ھ کو محنت خانہ دنیا سے دار البقا کو رحلت فرمائیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اس صدمۂ جانکاہ نے حضرت شیرِ خدا مولیٰ علی مشکلکشا کی جان پر جو کچھ بنانا تھا بنایا۔ آپ کی چشمِ مبارک سے برابر آنسو جاری تھے اور کلمات شکر کا ورد بد ستور ساری۔ اس صدمہ میں آپ نے چند اشعار فرمائے جو یہ ہیں ؎

حبیب لیس یعدل له حبیب

وما لسواه فی قلبی نصیب

مجھ سے وہ میرا پیارا جدا ہوا ہے کہ جس کے بعد اب کوئی محبوب ہی نہیں آتا۔ اور میرے دل میں اس کے سوا کسی کا حصہ بھی نہیں

اری علل الدنیا علی کثیرۃ

وصاحبها حتی الممات علیل

دنیا کے امراض بکثرت دیکھتا ہوں

اور مریض بلکہ موت بھی بیمار ہے

لکل اجتماع من خلیلین فرقة

وکل الذی دون الفراق قلیل

ہر اجتماع میں افتراق ضروری ہے۔ اور ہر وصل سوائے فراق کے کم ہے۔

وان افتقادی فاطما بعد احمد

دلیل علی ان لا یدوم خلیل

اور سیدہ فاطمہ جیسی محبوبہ کی جدائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دلیل ظاہر وعلامت باہر ہے۔ کہ محبوب ہمیشہ کسی کا کسی کے پاس نہیں رہ سکتا۔

آہ! سچ ہے ؎

فلک را غیر ازیں خود نیست کارے
کہ گرداند جدا یارے زیارے
بہر جا دوستان بیند ھم آواز
ہماں جا نغمۂ دوری کند ساز

آپ کا جنازۂ مبارک حضرت اسماء بنت عمیس زوجۂ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تیار کیا۔ آپ نے ہی حسبِ وصیت غسل دیا۔ آپ نے ہی کفن پہنایا۔ آپ نے ہی گہوارہ تیار کیا۔ اور اس محبوبۂ ناز کو سلایا۔ آپ کے جنازۂ مبارک کے ساتھ مندرجہ ذیل اجلۂ صحابہ شرکت فرما سکے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ۔

بروایت اصح آپ جنت البقیع قبۂ اہلبیت میں مدفون ہوئیں۔ یہاں ہی بعد میں حضرت عباس۔ حضرت امام حسن سید الشہداء۔ حضرت امام زین العابدین۔ حضرت امام محمد باقر۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم مدفون ہوئے۔ اور بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ سر سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ بھی یہاں ہی مدفون ہے۔

اس مقام کو قبۂ اہل بیت کے علاوہ بیت الحزن بھی کہتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک بیت الحزن بقیع میں دوسرا مقام ہے۔ اور قبۂ اہلبیت دوسرا مقام۔

کتب شیعہ اور بعض ضعیف روایات احناف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھ کر آپ کو رات ہی میں

دفن کر دیا اور سب کو اطلاع نہ کی۔ صبح فاروق اعظم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہما نے شکایت فرمائی۔ تو آپ نے معذرت کرتے ہوئے جواب دے دیا۔ کہ میں مرحومہ کی وصیت سے مجبور تھا اور اصح روایت یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ بقیع میں دفن ہوئیں۔

اسکی مؤید دو باتیں ہیں اول یہ کہ جب جنازہ باہر نکالنا ہی مقصود نہ تھا تو گہوارہ وغیرہ کیوں بنا۔ بنابریں ثابت ہوا کہ ضرور جنازۂ مبارکہ باہر آیا اور وصیت امام حسن سید الشہداء سے بھی ثابت ہے کہ آپ بقیع میں مدفون ہوئیں چنانچہ وہ وصیت مفصل حالات حضرت امام حسن سید الشہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مذکور ہوگی۔

حضرت سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا عقد امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہو چکا تھا۔ بعد انتقال فاروق اعظم دوسرا نکاح عون بن جعفر سے ہوا۔ مگر آپ کی اولاد بن صغر سنی میں انتقال فرما گئیں۔ دوسری صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو منسوب ہوئیں۔ ان سے ایک صاحبزادہ ہوئے جن کا نام علی رکھا گیا۔ اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں ان کا نام بھی ام کلثوم ہوا۔ یہ بعد اپنی خالہ کے انتقال کے محمد بن جعفر کے عقد میں آئیں۔ ان سے اولاد کا سلسلہ جاری ہوا۔ اسی طرح حضرت علی بن عبداللہ بن جعفر سے بھی نسل چلی جو فاطمی جعفری کہلاتے ہیں۔ اور دونوں شہزادے امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی ولادت ان کے مفصل تذکرہ میں آئے گی۔ اس لئے کہ اس کتاب کی علت غائی یہی دو ہستیاں ہیں۔ یا یوں کہیئے کہ اس برات قصائص کے یہی دو دولہا ہیں۔ اس واسطے اس مقام پر ان کا مختصر تذکرہ بے لطف ہوگا۔

حاکم جابر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں۔ کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک ماں کے بیٹوں کا عصبہ باپ کی طرف سے ہوگا۔ مگر حسنین کا ولی اور عصبہ میں ہوں۔ اس کو علامہ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب خصائص کبریٰ میں نقل

فرماتے ہیں۔

احناف کے نزدیک سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی زندگی کا سب میں مہتم بالشان دور بعد وفات حضور سید یوم النشور ہے کہ اس میں آپ نے بجز گریہ وزاری اور کچھ نہ کیا ہر آن ہر لحظہ تصویر نبی آنکھوں میں رکھی مگر

حضرات شیعہ کا سب میں اہم واقعہ مطالبۂ فدک

قرار دیتے ہیں۔ اور یہ اگرچہ ایک معمولی قصہ ہے جو ایک بار ہوا پھر تا زیست اس کا تذکرہ ہی نہیں آیا۔ مگر باہمی نزاع شیعہ وسنّی کے باعث یہ بڑا اہم قصہ ہو گیا ہے۔ میں اگرچہ یہ چاہتا تھا کہ اس کتاب کو مخزن سیر و تواریخ ہی رکھوں اور واقعات دل گداز کے سوا کوئی جھگڑے کی بات نہ آنے دوں۔ مگر بحیثیت ایک مؤرخ کے جہاں اکثر حالات و کوائف نذرِ ناظرین کئے ہیں اس پر بھی قدرے روشنی ڈالتے ہوئے گزرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں کہ اس معاملہ میں جو کچھ ہوا وہ کیا ہوا اور کیسا ہوا۔ ناظرین قصہ کو دیکھ کر خود ہی فیصلہ فرمالیں گے کہ اس میں کسی ہستی کے ذمہ کوئی الزام نہیں آتا۔

فدک ایک زمین تھی جس میں خرموں کا باغ تھا۔ جو بطور فَے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی آپ اپنی حیات صوری میں اس کی آمدنی پر اس طرح متصرف تھے کہ اہل بیت و ازواج مطہرات کے خرچ سے جو بچتا اُسے خیرات فرما دیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بحیثیت خلیفۂ رسول ہونے کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تمام متروکہ پر قبضہ فرما کر حسب ارشاد سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تقاسمہ فرمانا شروع کیا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ سمجھ کر کہ فدک ابّا جان کا مملوکہ ہے اور باپ کے

متروکہ سے بیٹی حقدار ہے۔ جناب صدیق کے حضور میں مطالبہ فرمایا۔ کہ فدک چونکہ اباجان کا ہے۔ لہٰذا وہ میرا حق ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ کہ تابع حکم و فرمان سامی ہوں۔ مگر آپ سے پہلے حکم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ماننا مجھ پر فرض ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے نحن معاشر الانبیاء لانرث ولا نورث ہم انبیا کی جماعت ہیں نہ کسی کا ہم ورثہ لیں اور نہ ہمارا متروکہ کسی کا ورثہ بنے ماترکناہ صدقۃ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔ اب حضور کی جیسے مرضی میری مجال نہیں کہ متروکۂ نبی پر احکام میراث جاری کردوں۔ ہاں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں تصرف تھا۔ بحیثیت خلیفہ رسول میں بھی کرتا رہوں گا۔ اس کے آگے یہ لفظ ہیں فغضبت فاطمۃ لاتتکلم حتیٰ ماتت۔ یعنی پھر غصہ ہوئیں حضرت سیدہ اور نہیں گفتگو کی یہاں تک کہ رحلت فرمائی۔

اس کے معنی حضرات شیعہ یہ کرتے ہیں کہ سیدہ صدیق سے ناراض ہو کر آگئیں اور مرتے وقت تک صدیق سے کلام نہ فرمایا۔ اس پر چند ایراد ہیں۔

اول یہ کہ حدیث کے لفظ یہ نہیں بتاتے کہ صدیق سے ناراض ہوئیں اور صدیق سے ہی تا زیست اس رنج کو دل میں رکھ کر بات نہ کی۔ دوسرے یہ الفاظ بھی حدیث میں نہیں کہ اس سوال کرنے پر آپ ناراض ہوئیں۔ اور پھر اس معاملۂ فدک میں تا زیست گفتگو نہ فرمائی۔

تو اب غور طلب یہ امر ہے کہ سیدہ شباب اہل الجنۃ حقیقتاً مومنہ اور مومن گر تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن شام تک بھی دل میں رنج نہیں رکھتا۔ قرآن پاک میں ہے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے

میں تمھیں حاکم نہ بنائیں۔ پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے تسلیم کرلیں۔

پھر صدیق نے جواب میں حکم سرکار ابد قرار سنایا تھا۔ اُسے ماننا تو درکنار (معاذاللہ) سیدہ ناراض ہوجائیں ہم اس عقیدہ کو ماننے کے لئے کسی طرح تیار نہیں۔ ہم اس ہستی مقدسہ کو نہ صرف مومنہ جانتے ہیں بلکہ محض ان کی محبت کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ لہذا اس حدیث کے اخیر ٹکڑے کے یہی معنی صحیح سمجھیں گے کہ سیدہ کو جب اس حدیث کا علم ہوا تو آپ اس سوال سے ناراض ہوئیں اور بہ تعمیل ارشاد سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر معاملہ فدک میں گفتگو نہ فرمائی۔ اور اس کی مؤید حدیث بیہقی ہے۔ جو شعبی سے نقل فرماتے ہیں کہ جناب سیدہ کی مرض وفات میں صدیق حاضر ہوئے۔ اجازت داخلہ طلب فرمائی۔ شیر خدا کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ خلیفہ رسول اللہ صدیق اجازت حاضری چاہتے ہیں۔ سیدہ نے فرمایا۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ مگر آپ کی اجازت مقدم ہے۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور بہت دیر تک گفتگو رہی۔ اثنائے گفتگو میں فدک کا تذکرہ بھی نہ ہوا۔

علاوہ ازیں صدیق اکبر کی بیوی اسماء بنت عمیس تو ہر وقت حاضر دربار رہی تھیں۔ تو بسمجھنے کی بات ہے کہ جس کے خاوند سے ناراضگی ہو۔ اس کی بیوی سے محبت قرین عقل نہیں۔

ایک حدیث میں یوں ہے جو بخاری شریف اور موطا میں منقول ہے کہ سیدہ نے ازواج مطہرات کو معہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ اور اپنا متروکہ فدک ان سے طلب کیا۔ صدیق نے جواب میں کہلوا دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ ہمارا ورثہ نہ کوئی لے نہ اپنا ہمیں دے۔ ہم جو کچھ چھوڑیں وہ سب صدقہ ہے۔ البتہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں

سے اسی طرح نوش فرما سکتے ہیں۔ جیسے زمانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ یہ حکم سنتے ہی تمام ازواج مطہرات اپنے دعویٰ سے دستبردار ہوگئیں۔

شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ فدک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات صوری میں حضرت سیدہ کو ہبہ فرما دیا تھا مگر اس پر شیعہ وسنّی متفق ہیں کہ فدک عین حیات سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے قبضہ میں تھا اور سیدہ کا کوئی قبضہ اس پر نہ تھا۔ اور اس کی موید وہی حدیث ہے کہ بعد وفات سیدہ نے طلب فرمایا۔ اگر مقبوضہ ہوتا تو طلب کرنا تحصیل حاصل تھا۔ اور یہ مسئلہ ہر دو فریق کا مسلّمہ ہے کہ ہبہ قبل القبض باطل ہے۔

ہم اس دعویٰ کی تحقیق کرنا نہیں چاہتے کہ ہبہ کی حدیث غلط ہے یا صحیح۔ کیونکہ تسلیم کر لینے میں ہمارا مقصد باطل نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ جب حیات سرکار مدینہ میں قبضہ نہیں ہوا تو ہبہ باطل رہا اور جب ہبہ باطل رہا۔ تو دعویٰ ہبہ کا بے سود ہے۔ اب رہا سوال ہنر دکہ۔ اس کا جواب ہو چکا۔ اور متروکہ زمین عورتوں کا ورثہ نہ ہونا کتب شیعہ سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ کتاب من لایحضر الفقیہ کے باب نوادر الوصایا میں ہے کہ فلا ارض والعقار فلا میراث لھن یعنی عورتوں کا زمین اور ملک مزروعہ میں کوئی حصہ نہیں۔ اور سوانح سیدہ مؤلفہ مولوی بہاؤ الدین پنڈی میں بھی یہی دلائل موجود ہیں۔

بنابریں صاف ظاہر ہے کہ سیدہ کا سوال فدک کے متعلق اس وقت تک ہی تھا جب تک وہ ورثہ پدری کی حقدار اپنے کو سمجھتی رہیں اور جب حدیث سن لی صاف دست بردار ہوگئیں اور تازیست کبھی سوال نہ فرمایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی آمدنی فدک اسی طرح منقسم ہوتی رہی۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات صوری اور صدیق کے زمانہ خلافت میں ہوئی۔

پھر انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس زمین کا متولی بنادیا۔

ایک بار تقاسمہ میں کچھ باہمی بدمزگی ہوئی۔ تو علی و عباس نے حضرت فاروق کے پاس حاضر ہو کر تمام قصہ کہا۔ فاروق نے صحابہ کو جمع فرمایا اور اُن کے سامنے یہ تقریر کی کہ میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں۔ سچ بتاؤ۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ ہم جماعت انبیاء ہیں۔ نہ ورثہ لیتے ہیں۔ نہ ہمیں کسی کا ورثہ ملتا ہے۔ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ سب اصحاب نے شہادت دی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم فدک کی آمدنی میں سے ایک سال کا نفقہ ازواج مطہرات کو دے دیتے تھے۔ اور باقی حوائج مسلمین پر صرف فرماتے۔ یہی عمل صدیق اکبر خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ان کے بعد میں نے بھی دو سال تک وہی عمل کیا۔ پھر تم دونوں مل کر جب میرے پاس آئے اور عہد کیا کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے وہی ہم کریں گے۔ میں نے تمھارے حوالہ کیا۔ اگر اب تم یہ چاہو کہ اس کو تم دونوں پر تقسیم کر دوں تو اس کی مجھ سے امید نہ رکھو۔

چنانچہ یہ زمین حضرت علی و عباس کے قبضہ میں رہی۔ پھر تنہا حضرت علی متولی رہے۔ پھر دونوں صاحبزادوں امام حسن و حسین کی تولیت میں رہی۔ ان کے بعد امام زین العابدین اور حسن مثنٰی متولی رہے۔ یہاں تک کہ پھر مروان قابض ہو گیا۔

یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں اس زمین کو ترکہ بنا کر تقسیم نہیں فرمایا۔ نہ سید الشہداء۔ امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما نے۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ صدیق جیسی پاک ہستی سیدہ کی ناراضگی کیونکر گوارا فرما سکتی تھی اور سیدہ جیسی مقدس ہستی فرمان نبوی سن کر کیونکر ان پر غضبناک ہو سکتی تھی۔ صدیق تو اپنی زندگی اور زمانہ خلافت میں اتنے دیانت دار مشہور تھے کہ آپ کی امانت داری ضرب المثل تھی۔ آپ تمام ممالک مقبوضہ کی آمدنی سے اپنی ذات پر ایک حبّہ بھی زائد از ضرورت صرف کرنا گوارا نہ فرماتے تھے اور وقت وفات اپنا تمام متروکہ بیت المال میں داخل فرمادیا۔ غرض کہ ہمارا عقیدہ دونوں ہستیوں کے متعلق کوئی سوءظن اور گستاخی کی اجازت نہیں دیتا۔ اور واقعات سیر و حدیث بھی اسی خیال کے مؤید ہیں (واللہ تعالیٰ اعلم)

تذکرہ خصائص و فضائل شیرِ خدا اور آپ کی وفات

اب خصائص و فضائل شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور آپ کی وفات کا تذکرہ سنئے

اگرچہ ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہمیں کوائف و حالات جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یہاں بیان کرنے چاہئیں تھے۔ پھر عمر فاروق کے پھر عثمان رضی اللہ عنہم کے۔ پھر شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے۔ مگر سب سے مقدم ذکر مولیٰ علی شیر خدا اس غرض سے رکھا گیا۔ کہ سلسلہ مضمون اسی کا متقاضی تھا۔ کیونکہ جب حضرت سیدہ کے حالات آگئے۔ تو ان کے زوج مکرم مولی علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل و خصائص بیان ہونے چاہئیں۔ بنابریں اس طرح سلسلہ رکھا گیا۔

دوسرے شواہد النبوۃ میں ہے کہ حضرت سیدی امیر المومنین مولیٰ علی

شیر خدا ائمہ اثنا عشر میں پہلے امام ہیں اور شمائل و فضائل جس قدر آپ کے ہیں۔ کسی دوسرے صحابی کے نہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم کو اس قدر فضائل کسی کے نہ ملے۔ جتنے کہ امیر المومنین سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے ملتے ہیں۔ اگرچہ مرتبہ تقرب میں موجب افضل نہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ایک یہی حدیث وہ ہے۔ کہ تمام فضائل و فواضل پر حاوی ہے۔ جو فضائل صدیق میں آئے گی۔

آپ کی ولادت باسعادت مکہ معظمہ میں بعد از تیس سال عام الفیل یوم جمعہ ۱۳ رجب المرجب کو ہوئی۔

ایک روایت میں ہے کہ یمن میں ایک شخص مثرم بن دعیب الشیقا زاہدانِ یمن میں مشہور ایک سو نوے سال کی عمر کا تھا۔ ایک روز اوقات عباد میں اس نے وقتِ مناجات جناب الٰہی میں دعا کی کہ الٰہی اپنے حبیب مکرم نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی مقرب عزیز کی زیارت کرا دے۔ تیر دعائے بے ریا ہدف اجابت پر لگا۔ حضرت ابوطالب کو سفر یمن لاحق ہوا۔ جب آپ یمن پہنچے۔ تو شرفائے یمن سے ملاقات فرمائی۔ منجملہ اُن کے مثرم کی زیارت کو بھی تشریف لائے۔ مثرف نے آپ کو دیکھ کر بہت تعظیم کی۔ اپنے پہلو میں بٹھایا۔ پھر پوچھا آپ کس قوم سے ہیں اور کہاں کے رہنے والے ہیں؟ آپ نے کہا میں اہل تہامہ سے ہوں۔ مثرم نے کہا تہامہ میں کس جگہ کے ہیں۔ آپ نے فرمایا اہل مکہ سے۔ پھر اس نے کہا کس قبیلہ سے ہیں۔ آپ نے کہا بنی ہاشم بن عبد مناف سے۔ مثرم یہ سنتے ہی اُٹھا اور پیشانی ابوطالب کو چوما۔ اور کہا الحمد للہ خدا نے میری دعا قبول فرمائی۔ اور مرنے سے پہلے آپ کی زیارت کرائی۔ آپ اپنا نام تو بتائیں۔ آپ نے فرمایا

مجھے ابو طالب کہتے ہیں۔ مشرم نے کہا اور آپ کے باپ کا کیا نام ہے؟ آپ نے فرمایا عبدالمطلب۔ مشرم نے کہا۔ میں نے کتب سابقہ میں پڑھا ہے کہ عبدالمطلب کے دو نبیرہ ہوں گے۔ ایک نبی مرسل ہوگا۔ اس کے باپ کا نام عبداللہ اور دوسرا ولی کامل ہوگا۔ اس کے باپ کا نام ابو طالب ہے۔ جب وہ نبی تیس سال کے ہو جائیں گے۔ تو اللہ اس ولی کو پیدا فرمائے گا۔ مشرم نے پوچھا کیا وہ نبی پیدا ہو گئے آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کا نام ہے۔ اور ۲۹ سال اس وقت ان کی عمر ہے۔ مشرم نے کہا ابو طالب مبارک ہو۔ تم کو اس سال میں وہ فرزند دلبند عطا ہوگا۔ جو امام متقیان اور پیشوائے مومنان بنے گا۔ جب تم مکہ پہنچو تو اپنے برادر زادہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں میرا اسلام عرض کر دینا۔ اور یہ بھی کہہ دینا کہ مشرم آپ کے نیازمندوں سے غائبانہ نیازمند ہے اور اس امر کی شہادت دیتا ہے۔ کہ خدا ایک ہے اور آپ اس کے سچے رسول ہیں۔ اور جب تمھارے فرزند دلبند متولد ہوں۔ تو انہیں بھی میرا اسلام شوق عرض کر دینا اور انہیں بشارت دینا کہ آپ وصی پیغمبر ہوں گے۔ اور آپ پر مراتب ولایت کا اختتام ہوگا۔

ابو طالب نے فرمایا کہ جو کچھ تم نے کہا۔ اس کی تصدیق میں کیونکر کروں مجھے کوئی ایسی کرامت دکھاؤ۔ جس سے میں تمہیں صاحب تصرف مان سکوں۔ مشرم نے کہا۔ آپ کیا چاہتے ہیں۔ فرمائیں میں خدا سے دعا کروں گا۔ مجھے یقین ہے وہ ضرور قبول فرمائے گا۔ ابو طالب نے اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک انار کا درخت خشک نظر آیا۔ آپ نے کہا۔ کہ یہ درخت ابھی تر و تازہ ہو کر پھل دے۔ مشرم نے دعا کی۔ اس درخت میں تازہ انار پیدا ہوئے۔ اور وہ سرسبز ہوا۔ ابو طالب نے وہ انار لئے ایک کو تراشا۔ تو سرخ مثل

لعل ربانی کے اس کے دانہ نکلے۔ آپ یہ کرامت دیکھ کر واپس مکہ تشریف لائے۔
اور اس سال حسب پیشگوئی مثرم بن وعیب آپ کی بیوی فاطمہ بنت اسد سے طواف خانہ کعبہ میں ولادت شیر خدا اسد اللہ کرم اللہ وجہہ ہوئی۔ آپ کی ولادت کا قصہ یوں ہے کہ:-

آپ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد حاملہ تھیں۔ نواں مہینہ تھا۔ خانہ کعبہ میں طواف کے لئے حاضر ہوئیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں مشغول طواف تھی۔ تین شوط باطمینان پورے کر چکی تھی۔ شوط چہارم کر رہی تھی کہ دردِ زہ محسوس ہوا تھا۔ سیّد یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے چہرے کے تغیر سے مجھے پہچانا۔ اور فرمایا کیا بات ہے۔ جو آپ کا رنگ متغیر ہو رہا ہے؟

میں نے عرض حال کیا۔ فرمایا فاطمہ! طواف پورا کر چکیں۔ یا نہیں۔ میں نے عرض کی۔ نہیں۔ فرمایا طواف پورا کر لو۔ اور اسی حال میں اگر درد بڑھ جائے تو اندرون خانہ کعبہ چلی جانا۔ کہ اس میں کوئی حکمت الٰہی ہے۔

صاحب بشارۃ المصطفیٰ نقل فرماتے ہیں کہ میں عباس بن عبدالمطلب اور چند قبیلہ بنی عبد العزیٰ کے لوگوں کے ساتھ مسجد بیت الحرام میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ فاطمہ بنت اسد مسجد میں آئیں اور ان کو نواں مہینہ تھا۔ جب وہ مشغول طواف ہوئیں۔ تو شوط رابع میں چلنے کی قوت نہ رہی تو آپ پکاریں۔ اے خداوند خانہ بالحرمت کعبہ اس ولادت کو مجھ پر آسان فرما۔ کہ یک لخت دیوار کعبہ شق ہوئی اور فاطمہ بنت اسد اندرون کعبہ تشریف لے گئیں اور ہماری نظروں سے غائب۔ ہم نے اندرون کعبہ آپ کو تلاش کیا مگر نہ ملیں۔ چوتھے روز آپ اسی کعبہ سے باہر تشریف لائیں۔ اور حضرت علی کو گود میں لئے ہوئے تھیں۔ آپ کے فضائل میں ابوداؤد کا یہ شعر مشہور ہے۔ جس کو صاحب

روضۃ الشہدا نقل فرماتے ہیں ؎

ولادتہ فی الحرم المعظم امہ
طالب وطاب ولیدھا والمولد

اس کا کسی نے شعر میں یوں ترجمہ فرمایا ہے ؎

گوہر چو پاک بود وصدف نیز پاک بود
آمد میانۂ حرم کعبہ در وجود

فاطمہ بنت اسد حضرت علی کو گود میں لائیں۔ اور ابوطالب کو بشارت دی۔ ابوطالب نے آکر آپ کو گود میں لیا۔ اور آپ کا رخسارۂ انور دیکھنے لگے۔ کہ حضرت نے ہاتھ بڑھایا اور باپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ابوطالب نے کہا۔ فاطمہ اس کا کیا نام رکھا؟ آپ نے فرمایا آپ جو چاہیں نام رکھ دیں۔ ابوطالب نے کہا اس کا نام زید رکھتا ہوں

جب خبر ولادت علی حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ تو فرمایا۔ اس کا کیا نام رکھا؟ ابوطالب نے کہا میں نے اس کا نام زید رکھا ہے۔ اور ان کی ماں نے اسد رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا نام علی رکھو جو عالی ہمتی کی خبر دے۔ آپ کی والدہ نے عرض کی۔ خدا کی قسم مجھے غیب سے یہ آوازیں آتی تھیں کہ فاطمہ اس کا نام علی رکھ مگر میں نے اس کو چھپایا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ فاطمہ بنت اسد اور ابوطالب کے مابین نام رکھنے میں جھگڑا ہوا۔ شب کو فاطمہ حرم میں آئیں اور آسمان کی طرف رخ کر کے برجستہ یوں کہنے لگیں ؎

بیّن لنا بحکمك المرضی
ما ذا تری من اسم ھذا الصبی

یعنی الٰہی حکم ظاہر فرمادے۔ جو کچھ اس بچہ کا نام رکھنا منظور ہے تو دیوار کعبہ کی طرف سے ایک آواز سنی۔ جس میں کوئی یہ بیت کہہ رہا تھا ؎

فاسمہ من شامخ علی

علیؑ اشتق من العلی

یعنی اس بچہ کا نام علی رکھ۔ یہ نام عُلی سے مشتق ہے۔

نصیریہ عقیدہ میں اِنَّ اللّٰہَ ھُوَالْعَلِیُّ الْکَبِیْرُہ سے استناد کر کے آپ کو خدا کہتے ہیں۔ جو اسلام میں شرک خالص ہے

روایت ہے کہ آقائے مدینہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو حضرت علی کو گود میں لے کر تحنیک فرمائی۔ یہ ایک مسنون طریقہ ہے کہ بعد پیدائش فرزند کسی بزرگ کو بلا کر تحنیک کرائی جائے۔ اس کا یہ طریقہ ہے کہ کھجور یا چھوہارہ چبا کر اپنی زبان سے اس طفل رضیع کے تالو میں لگادے۔

چنانچہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک اُن کے منہ میں دے کر اپنا لعاب دہن انھیں چٹایا۔ اسی لئے حضرت علی اکثر فخریہ فرمایا کرتے کہ فی فمی لعاب رسول اللّٰہ میرے منہ میں حضور خواجہ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن ہے۔

آپ کی ولادت کے پانچ سال بعد قریش میں ایک قحط عظیم پڑا۔ حضرت ابوطالب چونکہ کثیر العیال اور قلیل الاموال تھے۔ اُن پر اس قحط نے زیادہ اثر ڈالا۔ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے فرمایا کہ ابوطالب کی کثیر العیالی نے انھیں قحط محسوس کرایا ہے لہذا چلو ان کی اولاد کی کفالت کریں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ معہ حضرت عباس تشریف لائے اور ارادہ ظاہر فرمایا۔ ابوطالب نے عرض کی۔ عقیل کو میرے پاس رہنے دو۔ باقی اولاد میں سے

جس کو چاہو لے لو۔ چنانچہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو لیا اور حضرت عباس نے جعفر کو۔ اس طرح سے حضرت علی کی ابتدائی تعلیم و تربیت آغوشِ نبوی میں ہوئی۔ بعد اظہارِ بعثت آپ اسبق الایمان لوگوں میں ہیں۔ نماز پنجگانہ سب سے اول حضرت علی نے پڑھی۔ بروز دوشنبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اظہار نبوت ہوا اور سہ شنبہ کے دن حضرت علی نے نماز پڑھنی شروع کی۔

سیرۃ ابن ہشام اور ترمذی باب المناقب میں ناقل ہیں۔ کہ آپ دس سال کی عمر میں ایمان لائے۔ آپ نے اپنی عمر مبارک میں کبھی کفر و شرک نہ کیا۔ آپ اوائل ایام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظمہ کے پہاڑوں کے غاروں میں چھپ چھپ کر نماز پڑھتے۔

ایک دن ابوطالب نے دیکھ لیا۔ استفسار کیا کہ یہ تم کیا کرتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چچا! یہ طریقہ مذہب الٰہی اور اس کے ملائکہ اور تمام انبیاء کرام اور ہمارے جدّ امجد ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ مجھ کو خدا نے اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ میں اس کے بندوں کو ہدایت کروں۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ سب سے اول آپ کو یہ دین حق قبول کرنا چاہیئے۔ ابوطالب نے کہا کہ میں تو ابھی اس امر کے لئے تیار نہیں۔ مگر تمھیں اجازت دیتا ہوں کہ اپنا کام کئے جاؤ۔ اپنی زندگی میں میں تمھارا محافظ ہوں۔ اپنے ہوتے ہوئے تم کو کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچنے دوں گا۔ پھر جناب امیر سے فرمایا کہ تم اپنے ابن عم کی پیروی کرو۔ وہ تم کو برائی کی طرف نہیں لے جائیں گے۔ یہ عبارت خصوصیت سے سیرۃ ابن ہشام میں ہے۔ اور یہی مضمون ابن اثیر اور تاریخ ابوالفدا وغیرہ میں ہے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قبل بیان فضائل کے اول قصۂ خلافت کو صاف کر دیا جائے۔ کیونکہ اس معاملہ کو حضرات شیعہ نے بہت ہی طول دے دیا ہے۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے :۔

قصّۂ خلافت

بعد وفات سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کی فکر ہوئی۔ اس میں متعدد جماعتیں بننے لگیں اور زیادہ تاخیر و تعویق خطرناک تھی۔ بلکہ انہدام بناءِ اسلام کا خوف تھا۔ چنانچہ مصلحتہً اجلّہ صحابہ سے استمزاج کیا گیا کہ خلیفۂ اول کس کو مقرر کیا جائے؟ اس وقت اہلبیت میں سے کوئی شریک نہ ہوسکا۔ کہ وہ سب انصرام مہمات وفات میں منہمک تھے۔ چونکہ زمانہ حیات صوری میں وقت مرض حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کے لئے حکم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے دیا تھا۔ جیسا کہ بخاری شریف میں مقام باب الامامۃ پر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاشتد مرضہ فقال مروا ابابکر فلیصل بالناس قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا انہ رجل رقیق اذا قام مقامک لم یستطع ان یصلی بالناس فقال مری ابا بکر فلیصل بالناس فعادت فقال مری ابابکر فلیصل بالناس فاتاہ الرسول فصلی بالناس فی حیاۃ النبیؐ اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہ کے بار بار سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی جواب ہو چکا تھا۔ کہ جسے خدا خلیفہ بنانا چاہتا ہے۔ وہی خلیفہ ہوگا۔ ایک دو بار ایسا بھی فرمایا کہ خدا نہیں چاہتا مگر ابوبکر کو۔ علاوہ ازیں بہت سی احادیث ہیں جو بخوف طوالت نقل نہیں کی گئیں۔

صاحب سیرۃ حلبی حضرت علی کا ایک قول نقل فرماتے ہیں جو ہمارے دعوے کی دلیل واضح ہے۔ ہم اس حدیث کو حاشیہ ابن ماجہ شریف سے نقل کرتے ہیں قال علی رضی اللہ عنہ قال کان من النبی صلی اللہ علیہ وسلم

عہد فی ذلک ما ترکت القتال علی ذلک والنبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یمت فی مرۃ بل مکث ایاما و لیالی فیوذنہ بالصلوٰۃ فیامر ابابکر یصلی بالناس وھو یری مکانی فلما مات صلی اللہ علیہ وسلم اخترنا بالدنیا من رضیہ صلی اللہ علیہ وسلم لدیننا فبایعناہ ۔ یعنی حضرت علی نے فرمایا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے عہد نہ لیتے ۔ اس خلافت کے معاملہ میں تو ہم مقاتلہ ترک نہ کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم علی الفور دنیا سے رخصت نہ ہوئے ۔ بلکہ چند روز بیماری میں رہے اور مؤذن جب اذان دیتا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم فرماتے اور خود ملاحظہ فرماتے اور میں بھی حاضر ہوتا ۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو ہم نے دنیا میں بھی صدیق کو اختیار کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ایسی ہی پائی اور جب دین میں حضور ہمارا امام بنا چکے تو خلافت میں ہم نے ان سے بیعت کر لی اب معاملہ صاف ہی ہو گیا ۔

سیرۃ حلبی ایک معتبر کتاب ہے ۔ علاوہ ازیں جو صورت حضرت علی فرما رہے ہیں وہ قرین قیاس بھی ہے ۔

مزید برآں صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے ۔ جس کے معنی صاف بتا رہے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نامزد کر دی تھی ۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض موت میں مجھ سے فرمایا کہ اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلا لو ۔ تاکہ میں ایک دستاویز لکھ دوں ۔ میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی آرزو مند خلافت کی آرزو کرے یا کوئی یہ کہے کہ میں اس کا زیادہ حق دار ہوں ۔ مگر اللہ اور مسلمان سوائے ابوبکر کے کسی کو نہ مانیں گے عن عائشۃ قالت قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضۃ ادعی لی ابابکر اباک واخاک حتی اکتب کتابا

فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا اولی ویابی اللہ والمومنون الا ابابکر۔ جبیر بن مطعم راوی ہیں کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوال کیا۔ آپ نے فرمایا۔ پھر آنا۔ اس نے عرض کی۔ اگر پھر آؤں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پاؤں۔ یعنی اگر آپ کا انتقال جسمانی ہو جائے تو کیا کروں۔ فرمایا۔ میں نہ ملوں۔ تو ابوبکر پاس چلی آنا عن جبیر بن مطعم ان امرأۃ سألت رسول اللہ علیہ وسلم شیئًا فامرھا ان ترجع الیہ فقالت یارسول اللہ ارایت ان جئت ولم اجدک قال ابی کانھا تعنی الموت قال فان لم تجدینی فاتی ابابکر۔

مختصر یہ کہ ہم صحابہ کرام کے متعلق کوئی سوءظن کرنے کے حقدار نہیں ہیں۔ ان کے مقابلہ میں چہ می گوئیاں کرنے کا کوئی مجاز نہیں۔ آقائے مدینہ رحمتِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متعلق فرما گئے الصحابۃ کلھم عدول یعنی تمام صحابہ عادل ہیں۔ پھر کسی اصحابی کے متعلق کسی امر میں مثل حضرات شیعہ برائی کا الزام دینا حقیقتًا حماقت نہیں تو بے عقلی و ناعاقبت اندیشی سے کسی طرح کم نہیں۔

خلافت صدیقی کی بابت مؤرخین لکھ رہے ہیں۔ تقیفہ بنی ساعدہ میں اس امر کی بابت استمزاج ہوا کہ اب خلیفہ کون ہو۔ وفات قیامت آیات کے بعد ہر انصاری نے علیحدہ ایک خلیفہ تجویز کر لینا چاہا۔ ادھر قریش میں بے چینی تھی۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما آستانہ نبوی پر حاضر تھے۔ آپ نے یہ قصہ سن کر حضرت علی سے اجازت لی اور اس مجمع میں پہنچے۔ دیکھا کہ ایک ہنگامہ برپا ہے۔ سعد ابن عباد انصاری اپنی خلافت کے متعلق کچھ تحریک کر رہے تھے۔ انصار ابھی کسی کی خلافت پر متفق نہیں ہوئے تھے کہ یہ دونوں حضرات پہنچ گئے۔ حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر سعد بن عباد خاموش ہو گئے۔ آپ نے سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ میں دیکھتا ہوں تم باہمی خلافت پر غور کر رہے ہو۔ کیا تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد معلوم نہیں کہ فرمایا ہے الائمۃ من قریش یعنی امام قریش میں سے ہوں گے۔ اس کو سن کر بعد ردّ و قدح بسیار اس امر پر فیصلہ ہو گیا کہ بیشک قریشی ہونا چاہیئے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ابوبکر سے بہتر اس خدمت کے لئے کسی کو نہیں جانتا۔ لہذا سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں۔ جب فاروق اعظم نے بیعت کر لی۔ تو سب نے بخوشی بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا دیئے۔ اس مکان میں جو لوگ حاضر تھے۔ سب اجلّہ صحابہ تھے اور مؤرخین نے انہیں کو اہل ثقیفہ کہا ہے۔

جب صدیق اکبر خلیفۃ المومنین قرار پا گئے تو آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلوایا اور معاملہ خلافت کا تذکرہ کیا۔

یہاں مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ آپ نے اسی دن بخوشی بیعت فرمالی۔ اور بعض کا خیال ہے کہ چالیس روز تک آپ عدیم الفرصت رہے۔ اس کے بعد آپ نے بیعت کی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶ ماہ بعد بیعت فرمائی۔ بعض کہتے ہیں جب سیدہ خاتون رضی اللہ عنہا رحلت فرما چکیں۔ اس وقت بیعت کی۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء میں یہ روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مکان بنی سعد سے واپس آکر منبر پر کھڑے ہوئے۔ اور چار جانب دیکھا۔ تو حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ نظر نہ آئے۔ آپ نے آدمی بھیج کر بلایا۔ اور فرمایا اے شیر خدا اخ وصہر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ میری خلافت سے ناراض ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں ضروری کاموں میں مشغول

ہونے کی وجہ سے شریک نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ سے آپ مجھ پر الزام نہ دیجئے ۔ میں بطیب خاطر آپ کی بیعت کو موجود ہوں پھر آپ نے بیعت کر لی۔

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ تاریخ الخلفاء میں یہی مضمون تحریر فرماتے ہیں۔ تاریخ اعثم کوفی میں آپ کا اس وقت بیعت نہ کرنا منقول ہے اور بخاری و مسلم کی روایت سے آپ کا بعد وفات سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا بیعت کرنا درج ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اگر اس خلافت کے مخالف نہ تھے۔ تو اتنے دن بیعت کرنے میں کیوں تأمل فرمایا؟ اس کے متعلق حضرات شیعہ نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی عداوت باطنی کی وجہ سے بہت ملبا چوڑا قصہ بنا گئے ہیں اور جو کچھ دل میں آیا خوب زور دے کر لکھا ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ وہ ہستیاں تمام و کمال صحبت یافتہ خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔ ان کے متعلق ہمیں کچھ چہ میگوئی کرنے کا کیا حق ہو سکتا ہے۔ بقول شخصے "ڈوکری کو رام کتھا سے کیا بحث" بڑوں کی باتیں بڑے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ہم اس کی بابت کچھ نہیں لکھنا چاہتے۔ کہ اس بیعت میں حضرت علی کی طرف سے کیوں تاخیر و تعویق ہوئی۔ ہاں یہ ضرور کہیں گے۔ کہ خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کا دور صحابہ کے لئے ایک ابتلا و مصیبت کا دور تھا۔ خصوصیت سے اہل بیت نبوی کے لئے یہ عہد بالکل خارزار تھا۔ اس دور میں ان کی نظروں میں عالم تاریک تھا۔ موسم بہار خزاں سے بدلا ہوا تھا۔ کوئی خوش کن پھول نہ تھا۔ جو ان کی پریشانی میں تخفیف کرتا۔

نہج البلاغت جو خطبات علی کا مجموعہ ہے۔ جس کو حضرات شیعہ بھی مستند مانتے ہیں۔ اس میں حضرت علی جناب صدیق و فاروق کی اسطرح تعریف فرماتے ہیں کہ جس کو سن کر کسی مسلمان کے دل میں باہمی رنجش کا شائبہ بھی نہیں رہتا۔ ایک خطبہ میں فرماتے ہیں هما اماماں عادلان

تا سلطان وماتاً علی الحق صدیق وفاروق دونوں عادل۔ شریعت اسلام پر عمل کرنے والے تھے۔ یہاں تک اسی راست گوئی اور عدل پروری میں دُنیا سے رخصت ہوئے۔

جب خود سرکار یہ فیصلہ کریں۔ تو پھر خدام کی مجال۔ جو زبان طعن کھول سکیں۔ مگر ہاں۔ سبّ وشتم کی وہی جرأت کر سکتا ہے۔ جو رفض امر شیر خدا کرے۔ اور حضرت علی کو اپنا پیشوا زبان سے ہی مانے اور دل میں ان کی کوئی وقعت نہ رکھے۔
حضرت صدیق نے اپنی وفات سے قبل بمشورۂ شیر خدا، حضرت فاروق اعظم کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا تو حضرت علی نے کوئی عذر نہ کیا اور علی الفور روفاق سے بیعت کرلی۔

حضرت فاروق نے کسی کو خلافت کے لئے نامزد نہ کیا۔ بلکہ ۶ شخصوں پر خلافت منحصر کر دی۔ اور فرمایا کہ مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ وہ تین دن میں ان میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کرلیں۔ وہ ۶ حضرات یہ تھے۔ طلحہ۔ زبیر۔ عبدالرحمٰن بن عوف سعد بن ابی وقاص۔ عثمان بن عفان۔ علی مرتضیٰ
ان میں باہمی مشورت ہوئی۔ تو حضرت زبیر نے اپنا حق حضرت علی کو دے دیا اور حضرت طلحہ نے عثمان غنی کو۔ اور حضرت سعد نے عبدالرحمٰن بن عوف کو۔

عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنا حق اس شرط پر چھوڑا کہ دو شخصوں میں انہیں انتخاب کا حق دیا جائے۔

پھر حضرت عبدالرحمٰن نے دو شبانہ روز غور فرما کر علیحدہ علیحدہ علی وعثمان کو بلایا۔ اور فرمایا میں چاہتا ہوں۔ کہ اگر میں تم سے بیعت کروں تو تم کتاب اللہ اور سنت رسول پر عمل کرو اور حضرت شیخین کے قدم بقدم چلو۔ حضرت عثمان

نے بلاکسی عذر کے صاف اقرار حتمی فرمالیا۔ اور حضرت علی نے یوں فرمایا کہ حتی الامکاں ایسا ہی کروں گا۔ عبدالرحمٰن بن عوف یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے اور دوسرے وقت علیٰ روس الاشہاد دونوں بزرگوں سے پھر وہی سوال کئے۔ دونوں نے وہی جواب دیئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان سے بیعت فرما لی اور کسی نے انکار نہ کیا حضرت علی نے بھی بطیب خاطر بیعت کرلی۔

علاوہ ازیں حضرت مولا علی شیر خدا چونکہ باب علم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اس بنا پر حکمت الٰہیہ اور عقل سلیم بھی اس امر کی مقتضی ہے کہ سب کے بعد خلیفہ ہوں۔ اس لئے کہ عمارت مکمل ہوجانے کے بعد اس عمارت کی محافظت کے لئے دروازہ لگتا ہے۔ دنیا میں قبل از عمارت کوئی دروازہ کے قفل نہیں لگاتا۔

اسی وجہ میں ہم آئمہ اربعہ کو مان کر اس قلعہ اسلام کو بحمدہ تعالیٰ مستحکم بنائے ہوئے ہیں۔ اب وہ حضرات جو سب شیخین کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ ان کے متعلق ہم اس رسالہ میں کچھ لکھ کر لطف مضمون کو خراب کرنا نہیں چاہتے۔ مگر ہاں اتنا کہنا بے جا نہیں سمجھتے۔ کہ وہ **شیر خدا کو دروازۂ عرفان سمجھ کر اس محل عرفان کی دیواریں منہدم** کر کے اس محل کو غیر محفوظ کر چکے ہیں جس مکان یا جس قلعہ میں دروازہ مستحکم ہو اور دیواریں منہدم وہ قلعہ کبھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ یہی سبب ہے کہ ان حضرات نے اس ضد میں قرآن تک کو محرّف مان کر اپنا حصہ اسلام سے بھی چھوڑ دیا۔ جس کی مفصّل بحث ہمارے ایک ناول "صبح نور" میں موجود ہے۔ جس کے مطالعہ سے ناظرین سمجھ سکیں گے کہ ان حضرات کے یہاں یہ قرآن موجودہ کتنا غیر معتبر ہے۔

خیر۔ خلافت و امارت کی بحث بقدر ضرورت ہم لکھ چکے۔ مفصل بحث پھر کسی موقعہ پر کریں گے۔ اب اپنے اصل مضمون کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ یعنی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کے فضائل و خصائل اور آپ کی شہادت۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل خصائل اور شہادت

مناقب ابن مردویہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز قبل از وفات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا یا ابا الریحانتین ۔ میں تمھیں وصیت کرتا ہوں ۔ کہ میرے ان دونوں پھولوں کا خیال رکھنا ۔ یہ مرجھانے نہ پائیں ۔ عنقریب دو رکن تم سے جدا ہو کر اپنے مقام پر جانے والے ہیں ۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت علی نے فرمایا ھذا احد ارکنی یہ ایک رکن ہے ۔ جو آج جدا ہو کر اپنے مقام کو گیا ۔

پھر جب سیدہ کی وفات ہوئی ۔ تو فرمایا ھذا الرکن الثانی یہ دوسرا رکن بھی مجھ سے جدا ہوا ۔ روایت ہے ۔ کہ حضرت مولا علی شیر خدا اکثر فرمایا کرتے تھے ۔ میں نے بہت زبردست مصیبتیں اُٹھائیں اور متعدد بلائیں برداشت کی ہیں ۔ مگر سخت ترین بلا اور اشد ترین مصائب تین ہیں ۔

اوّل :۔ وفات قیامت آیات خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ میرے ہادی راہ اور پشت پناہ تھے ۔ جب سے وہ آنکھوں سے اوجھل ہوئے ہیں ۔ میرا دل آتش فرقت سے بریاں اور چشم نا دیدہ غایت حسرت سے گریاں ہے ؎

اے ہم نفساں آہ کہ بے یار بماندم　　در دستِ غمِ ہجر گرفتار بماندم
آں بحر رسالت چو شد از دیدہ من دور　　من با صدفِ چشم گہر بار بماندم

دوسری :۔ وفات خلیلہ جلیلہ دلبند مصطفےٰ جگر گوشہ احمد مجتبیٰ فاطمہ زہرا ہے ۔ کہ سکون دل پر غم ہے اور نور دیدۂ پُرنم کیونکہ وہ میری مونس و غمگسار اور یار وفادار تھیں ۔

تیسری بلا خبر شہادت جگر گوشہ حسن و حسین ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دی ہے۔ شواہد النبوۃ میں ہے کہ ایک بار سفر فرماتے آپ میدان کربلا میں پہنچ گئے۔ اس زمین کو دیکھ کر زار و قطار گریاں ہوئے۔ ہمراہی سبب گریاں پوچھنے لگے۔ آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم یہی وہ مقام ہے جہاں قافلہ حسین آکر ٹھہریگا۔ اونٹ اس مقام پر ہوں گے۔ خیمہ حرم محترم یہاں ہوگا۔ میر الخت جگر زخموں میں چور اس مقام پر ذبح ہوگا۔ عرض کیا گیا۔ حضور اس مقام کا کیا نام ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کربلا۔

آپ کے القاب:۔ جو دربار نبوی سے ملے بہت ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہیں۔ امیر النحل۔ یعسوب الدین۔ بیضۃ البلد۔ کرار غیر فرار۔ اسد اللہ الغالب۔ مطلوب کل طالب۔ امیر المؤمنین۔ مولی المؤمنین۔ ولی المتقین۔ امام المتقین۔ سید العرب۔ صدیق الاکبر۔ امام البررہ۔ خلیفۃ الرسول۔ قاتل الفجرہ۔ مقیم الحجۃ۔ ولی اللہ۔ امام الاولیا وغیرہ وغیرہ۔

نوٹ:۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خطاب صدیق اکبر ہونا اس امر کا مقتضی نہیں کہ دوسرے صحابہ کو صدیق اکبر نہ کہا جائے:۔

مسند امام احمد حنبل جزو سابع میں ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز امام حسن و امام حسین کے ہاتھ پکڑ کے فرمایا جو مجھے دوست رکھتا ہے اور ان دونوں کو معہ ان کی ماں اور باپ کے محبوب سمجھتا ہے۔ وہ قیامت کے دن میدان حشر میں میرے ساتھ ہوگا۔

فردوس الاخبار میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ علی کی محبت ماحی السیئہ ہے اور علی کی دشمنی اتنا زبردست گناہ ہے۔ کہ نیکیاں اس کے گناہ نہیں مٹا سکتیں۔

غزوۂ خیبر کے متعلق روایت ہے کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا۔ کل یہ عَلَم اس شخص کے ہاتھ میں دیں گے جو یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ خدا اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے وَیُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اور اللہ اور رسول اللہ اُسے دوست رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولیٰ علی شیر خدا کو وہ عَلَم ملا۔ اور آپ ہی قالع خیبر اور فاتح عسکر ہیں۔ غرض کہ آپ کے فضائل بہت ہیں اس عجالہ میں ان کا احصاء متعذر ہے۔

آپ کی عبادت کی یہ کیفیت تھی۔ کہ شب بھر عبادت فرماتے۔ حلم اس درجہ کا تھا کہ ایک روز آپ نے اپنے غلام کو آوازیں دیں۔ باوجودیکہ وہ غلام پس دیوار موجود تھا۔ جب آپ ستر بار پکار چکے اور نہ بولا تو آپ وہاں تشریف لائے دیکھا کہ کھڑا ہے۔ آپ نے فرمایا تو نے میری آواز سنی۔ عرض کیا جی ہاں سنی۔ فرمایا جواب کیوں نہ دیا۔ عرض کیا آپ کو غصہ میں آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اس ذریعہ سے آپ کو غضبناک کر کے دیکھنا چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ غصہ کرنے سے شیطان خوش ہوتا ہے اور ضبط غصہ سے رنجیدہ۔ تو پھر میں ایسا کام کیوں کروں۔ جس سے شیطان خوش ہو۔ بلکہ اُسے اور زیادہ غمگین کرتا ہوں۔ جا میں نے تجھے آزاد کیا اور جب تک میں زندہ ہوں تیری خورد ونوش میرے ذمہ ہے ؛

تواضع اس درجہ کی تھی۔ کہ زمانہ خلافت میں جب کہ آپ کی سلطنت افریقیہ مغرب سے سمرقند تک پھیل چکی ہے۔ آپ پیادہ پا بازار کوفہ میں تشریف لے آتے اور رعایا برایا جو کچھ عرض کرنا چاہتی۔ بے فکری سے عرض کر لیتی اور لوگ پکار کر کہتے کہ ہٹ جاؤ امیر المؤمنین تشریف لے جا رہے ہیں۔ راستہ دے دو۔ مگر آپ کبھی کسی کو نہ فرماتے۔

ایک روز آپ بازار سے کچھ سامان خرید کر خود دولت کدہ کی طرف لا رہے تھے کوئی نیازمندوں میں سے بڑھا اور عرض کی حضور یہ سامان میں لے چلوں

گا آپ نے فرمایا ابو العیال احق ان یحملہ بچوں والا زیادہ حق دار ہے کہ گھر کا بار اٹھائے۔ اس نے عرض کی حضور! آپ ہمارے خلیفہ ہیں۔ ایسے کام خدام کریں گے۔ آپ کو اس سے کیا نسبت؟ تو فرمایا لا ینقص الرجل من کماله ما یحمله الی عیاله انسان کا کمال گھر کا سامان اٹھا کر لے جانے سے کم نہیں ہو جاتا۔

آپ سخاوت میں ایسے بے مثل ہیں کہ حاتم بھی اس در سے سخاوت سیکھنے آئے۔ جس کی صریح دلیل یہ ہے کہ آپ کی سخاوت کی تعریف قرآن پاک میں بھی موجود ہے اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ٥ یعنی جو اپنے مال خیرات کرتے ہیں رات میں اور دن میں پوشیدہ اور ظاہر اس کا بدلہ ہے ان کے رب کے پاس ان کو نہ کچھ اندیشہ ہے نہ کچھ غم۔

صاحب تفسیر حسینی اس آیۃ کریمہ کا شان نزول یہ تحریر فرما رہے ہیں کہ شیر خدا علی کرم اللہ وجہہ کے پاس چار درم تھے آپ نے ایک درم علانیہ طور پر صدقہ فرمایا۔ ایک درم پوشیدہ۔ ایک شب میں خیرات فرمایا ایک دن میں تصدق کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ آقائے مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت فرمایا کہ تم نے کیا صدقہ کیا اور کس غرض سے اس طرح صدقہ کیا۔ عرض کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کی یہی چار صورتیں میرے ذہن میں آئیں۔ چاروں سے موافقت کر کے اس طرح صدقہ کیا تاکہ باری تعالیٰ عز اسمہ کسی صورت کو پسند فرما کر میرا صدقہ قبول کر لے۔

صاحب تفسیر کشاف اس آیۃ کریمہ کے ماتحت فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر نے چالیس ہزار دینار اس طرح صدقہ فرمائے کہ دس ہزار اعلانیہ دس ہزار خفیہ اور دس ہزار شب میں۔ ہزار دن میں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیۃ کریمہ تعریف صدیق میں نازل فرمائی۔

دوسرے مقام پر اور ارشاد ہے یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا ۝ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا ۝ یعنی اپنی منتیں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں۔ جس کی برائی پھیل جاتی ہے۔ اور کھانا کھلاتے ہیں۔ اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو ان سے کہتے ہیں۔ ہم تمھیں خاص اللہ کے لئے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں مانگتے۔

اس آیت کریمہ کا شان نزول تفسیر حسینی میں یوں ہے کہ آقائے مدینہ رحمت مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کو دولت کدہ میں رونق افروز ہوئے تو شہزادہ کونین سیدنا حسین سید الشہداء کو بیمار پایا۔ حضرت سیدہ فاطمہ و شیر خدا مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ منت مانو۔ اللہ انہیں شفاء عاجل عطا فرمائے گا۔ سیدہ و مرتضیٰ نے تین روزوں کی منّت مانی اللہ تعالےٰ نے سبطین کو صحت کامل عطا فرما دی۔ آپ نے معہ سیدہ کے روزے رکھے۔ پہلے روزہ پر جو لاکر روٹیاں بنائیں۔ وقت افطار دروازہ پر ایک فقیر پکاکر کہ اے اہلبیت محمد مسلمان سائل ہوں۔ آپ نے اپنا حصہ عطا فرماکر پانی پر افطار کرلیا۔ سیدہ نے بھی دیدیا اور پانی پر روزہ افطار فرماکر دوسرا روزہ رکھا۔ اس روز بھی ایک یتیم افطار کے وقت دروازہ پر سائل بن کر آیا۔ آپ نے معہ سیدہ کے تمام کھانا ایثار فرمادیا۔

اور پانی پر افطار کرکے تیسرے روزہ کی نیت کرلی۔ تیسرے روز وقت افطار ایک ایسیر حاضر ہوگیا۔ آپ نے تیسرے دن بھی تمام کھانا اسے بخش دیا۔ اس وقت یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔

حدیث میں روایت ہے کہ مدتوں حضرت شیر خدا کی یہ شان رہی کہ سیر ہو کر کھانا تناول نہ فرماتے۔ جب آپ سے عرض کیا جاتا تو فرما دیتے کہ حسبی من الطعام ما یقیم ظہری مجھے کھانا اس قدر کافی ہے۔ جو میری پشت سیدھی رکھے۔ اور عبادت الٰہی میں کمزوری سے نقصان نہ آنے دے۔

علاوہ ازیں بہت سی آیات ہیں جو حضرت علی کی فضیلت میں وارد ہیں۔ سورہ رعد میں ایک آیت ہے اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں منذر ہوں اور علی ہاد ہیں۔

تفسیر در منثور میں ہے کہ اَلَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ کی بابت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ علی کی تعریف کی ہے اور حافظ ابو نعیم حلیہ میں ابن عساکر سے بھی یہی روایت کرتے ہیں کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ کے ماتحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ علی سید الصادقین ہیں۔ ایسا ہی تفسیر ثعلبی اور در منثور سیوطی میں ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت علی کی شان میں ہے از مسند امام احمد و تفسیر ثعلبی۔ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ اس آیۃ کریمہ میں مومن سے مراد علی ہیں اور فاسق سے مراد ولید بن عتبہ ہے مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا

مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ اس آیت کریمہ میں حضرت علی کی شہادت کی طرف اشارہ ہے۔ علامہ ابن حجر مکی صواعق محرکہ میں حضرت عکرمہ سے روایت فرماتے ہیں۔ کہ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ یہ آیت میرے چچا سیدنا حمزہ سید الشہداء اور چچازاد بھائی عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل فرمائی۔ عبیدہ جنگ بدر میں مرتبہ شہادت پا چکے اور حمزہ جنگ احد میں اپنا کام بنا چکے۔ اور میں اس اُمت کے بدترین خبیث کا منتظر ہوں۔ پھر آپ نے اپنا دست اقدس محاسن مبارک پر پھیر کر فرمایا مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ خون سے رنگی جائے گی۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ بخاری شریف اور مسند امام حنبل و ابوداؤد و ترمذی سے تفسیر ثعلبی میں ہے۔ اور صواعق محرکہ میں ابن حجر مکّی بھی ناقل ہیں۔ کہ براء ابن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی دعا کرو۔ کہ الٰہی مجھ سے عہد فرما کہ میری محبت مومنوں کے دل میں ڈال دے۔ اس وقت یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔ اور بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی طرح ۳۰۰ آیات حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی شان مبارک میں نازل ہوئی ہیں۔

ایک روز آپ بیت المال میں تشریف لے گئے۔ تو سونا چاندی کافی مقدار میں آپ نے ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا صفراء و یا بیضاء غرّی غیری اے زرد اور سپید میرے سوا دوسرے کو تو مغرور بنا دیتا ہے۔ مگر میں تیرے دام تزویر میں نہ آؤں گا۔

چگونہ عشوۂ دنیا مرا فریب دھد
چو من بدیدۂ ہمت دراں نمی نگرم
چو گرد خرمن من خوشہ چیں بود پرویں
سزد کہ مزرع دنیا بہ نیم جو نخرم

آپ کی کرامات بے حد ہیں۔ منجملہ ان کے چند نذرِ ناظرین کرتا ہوں۔

کرامات:۔ ایک کرامت جناب امیر کی یہ تھی کہ آپ جب رکاب میں پاؤں مبارک رکھتے۔ قرآن مجید شروع فرماتے دوسری رکاب میں پاؤں پہنچتے پہنچتے ختم ہو جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ کرامت کی تعریف ہی یہ ہے کہ عقل و خرد انسانی اُسے تسلیم نہ کرے اور یہی کیفیت معجزہ کی ہے۔ جو بات قرینِ عقل ہو اور جو امر عقل و خرد میں آ جائے اسے کرامت یا معجزہ قرار دینا ہی حمق ہے اس قسم کی کرامتوں کو بہت زمان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

جب آپ جنگ صفین میں تشریف لے گئے راستہ میں ہمراہی شدتِ تشنگی سے بے چین ہوئے۔ چاروں طرف دیکھا مگر پانی نہ ملا۔ حضرت شیر خدا کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ ذرا آگے چلو۔ سب چلے تو ایک گرجا ظاہر ہوا سب لوگ وہاں ٹھہرے اور اس گرجا کے راہب سے پانی کی بابت دریافت کیا۔ راہب نے کہا پانی یہاں سے دو فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔ اصحاب نے عرض کی حضور اجازت دیجئے تاکہ ہم لوگ جوں توں وہاں پہنچیں۔ آپ نے فرمایا وہاں جانے کی ضرورت نہیں۔ ایک طرف اشارہ کر کے فرمایا اسے کھودو۔ یہاں پانی ہے۔ سب نے اُسے کھودا تھوڑی مٹی ہٹاتے ہی ایک چٹان نکلی سب نے کوشش کی۔ مگر وہ چٹان نہ ہٹی۔ شیر خدا گھوڑے سے اُترے اور آستین چڑھا کر تن تنہا اس چٹان کی طرف بڑھے۔ آپ نے اس چٹان کو ہٹا دیا۔ دیکھا تو نیچے صاف ستھرا شیریں ٹھنڈا پانی ہے۔ سب نے

خوش ہو کر پینا شروع کیا۔ تو اتنا نفیس پانی اس سفر میں کہیں میسر ہی نہ آیا تھا۔ پھر جناب امیر رضی اللہ عنہ نے اس چٹان سے اس چشمہ کو ڈھانک دیا۔ اور فرمایا یہ چشمہ ڈھکا ہوا خاک سے محفوظ رہے گا جسے پانی پینا ہو۔ ایک طرف سے لے لیا کرے۔ اتنے میں اس کنیسہ کا راہب شمعون بن یوحنا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کیا آپ پیغمبر ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ عرض کی تو آپ فرشتۂ مقرب ہیں؟ فرمایا نہیں پھر عرض کی تو آپ کون ہیں؟

آپ نے فرمایا میں داماد رسول خدا سرور انبیاء محمد بن عبد اللہ ہوں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) راہب نے عرض کی۔ ہاتھ لائیے تاکہ میں قلادۂ غلامی گلے میں ڈالوں۔ آپ نے ہاتھ بڑھائے۔ اس نے دست بوسی کر کے باواز کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

بعد ازاں شیر خدا نے دریافت فرمایا کہ تو اتنی مدت سے مسلمان کیوں نہ ہوا اور آج علی الفور اسلام قبول کرنے کا کیا سبب ہے۔ اس نے عرض کیا۔ حضور یہ کنیسہ اسی کے ہاتھ پر فتح ہونا تھا۔ جو اس چٹان کو ہٹا کر چشمہ نکالے اور ہماری کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جو شخص اس چٹان کو ہٹا کر چشمہ نکالے گا وہ رسول الٰہی ہوگا یا داماد رسول۔ اس سے قبل بہت آدمی آئے مگر کسی نے اس چٹان کے ہٹانے کی ہمت نہ کی۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ نے یہ سن کر اس قدر گریہ فرما کر محاسن مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئے۔

پھر فرمایا حمد ہے اس ذات مقدس کی وجہ منیر کو جو مجھے کبھی نہ بھولا اور کتب سابقہ میں بھی مجھے یاد رکھا۔ پھر وہ راہب آپ کے لشکر میں شریک ہو کر اہل شام کے مقابلہ میں آیا اور اس قدر مقاتلہ کیا کہ شہید ہوا۔ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور دفن کیا۔

ایک مرتبہ دریائے فرات میں طغیانی آگئی۔ لوگوں نے آپ سے عرض کی کہ ہمارے کھیت ڈوبے جا رہے ہیں اور مکانات منہدم ہو رہے ہیں۔ آپ دولت کدہ میں تشریف لائے۔ عمامہ نبوی سر مبارک پر باندھا جبہ مبارک زیب تن فرمایا ردائے اقدس دوش مبارک پر ڈالی۔ باہر تشریف لائے۔ گھوڑے پر سوار ہو کر مقام فرات پر پہنچے۔ خدا کا ہجوم ہمراہ تھا۔ آپ نے اپنے عصاء مبارک سے فرات کی طرف اشارہ کیا۔ ایک گز ہٹی۔ فرمایا بس۔ عرض کیا گیا حضور ابھی اور کم ہونی چاہیئے۔ آپ نے دوبارہ اور اشارہ فرمایا کہ سب پکار اُٹھے کہ بس حضور کافی ہٹ گئی۔ آپ نے عصائے مبارک ہٹا لیا۔ اور فرات تب سے اسی حد پر قائم ہے۔

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ کسی مقام سے تشریف لائے۔ منزلِ صہبا میں ٹھہرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے زانوئے مبارک پر سر مبارک رکھ کر خواب ناز میں چشمِ نرگسیں مکتحل فرمالیں کہ عصر کا وقت ہو کر تنگ ہوا۔ حتیٰ کہ آفتاب قریب بغروب آیا۔ آپ نے خیال فرمایا کہ اگر عصر پڑھتا ہوں تو محبوب کے خوابِ ناز میں فرق آتا ہے۔ نہیں پڑھتا تو فریضۂ الٰہی قضا ہوتا ہے۔

پھر سوچا کہ نماز ان کے ذریعہ سے ہم پر فرض ہوئی۔ ایمان ملا تو ان سے۔ اسلام ملا تو ان سے۔ پھر مقدم یہ ہیں۔ ان کی خوشنودی خدا کی خوشنودی ہے۔ بلا سے عصر جائے مگر محبوب کے خواب ناز میں فرق نہ آئے۔ بالآخر سورج غروب ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب سے بیدار ہوئے۔ دریافت فرمایا کہ علی عصر پڑھی؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا کیوں؟ عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خوابِ ناز میں فرق نہ آنے دینا عصر مقدم رکھا۔ آپ متبسّم ہوئے اور جناب الٰہی میں عرض کی کہ خدایا علی کی عصر تیرے حبیب کی خدمت میں قضا ہوئی ہے۔ چنانچہ سورج واپس اپنے مقام پر آیا۔ حضرت علی نے وقت عصر ادا

کی۔ پھر سورج غروب ہوا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہ واقعہ ایک شعر میں بیان فرمایا ہے ؎

مولا علی نے واری تری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

شواہد النبوۃ میں ہے کہ آپ اپنے زمانۂ خلافت میں ایک بار زمین بابل پر پہنچے۔ راہ طے کرنے کی عجلت میں نماز قضا ہو گئی۔ آپ نے دعا فرمائی۔ سورج لوٹ کر آیا۔ آپ نے معہ ہمراہیوں کے نماز ادا فرمائی۔

آپ کے رفقا میں سے ایک جوان تھے۔ جو بارہا آپ کے ہمراہ رہ کر مخالفین سے محاربہ و مقاتلہ فرما چکے تھے۔ ایک روز آپ نے بعد انفراغ نماز فجر ایک خادم سے فرمایا۔ فلاں مقام پر جاؤ۔ وہاں ایک گھر ہے۔ اس میں ایک مرد، ایک عورت باہمی لڑتے ملیں گے۔ ان کو ہمارا پیام کہو اور ہمراہ لے آؤ۔ چنانچہ وہ خادم روانہ ہوا دیکھا کہ فی الواقع باہمی لڑائی ہو رہی ہے۔ یہ لڑنے والا جوان وہی رفیق ہے۔ جس کا تذکرہ شروع کیا گیا ہے۔

وہ جوان حکم امیر اسد اللہ سنتے ہی لڑائی چھوڑ کر معہ اپنی بیوی کے حاضر ہو گیا۔ آپ نے اس جوان سے فرمایا رات کو تم میں بہت لڑائی ہوئی۔ اس نے عرض کی حضور بیشک ہوئی اور اس کی بنا محض یہ ہے۔ کہ میں نے اس عورت سے نکاح کیا۔ شب کو جب میں اس کے پاس گیا۔ تو اس کی صورت سے سخت نفرت ہو گئی۔ میں اسے طلاق دینا چاہتا ہوں وہ میری منکوحہ رہنے پر مصر ہے۔ اسی ضد میں شب بھر لڑائی رہی۔ اور اب بھی وہی جھگڑا تھا کہ حضور کا آدمی ہمیں بلا لایا۔ آپ نے تخلیہ کر کے اس عورت کو علیحدہ بلایا اور فرمایا تو اس جوان کو پہچانتی ہے۔ اس نے عرض کی نہیں صرف یہ جانتی ہوں کہ یہ کل سے میرا خاوند ہے۔ آپ نے فرمایا اب تو

اچھی طرح جان جائے گی۔ مگر جو کچھ میں کہوں اس کا جواب سچ سچ کہنا۔ جھوٹ قطعی نہ بولنا۔ اس نے عرض کی بہت اچھا۔ آپ نے فرمایا۔ تو فلاں شخص کی بیٹی ہے تیرا چچازاد بھائی تجھ پر عاشق تھا۔ اس نے عرض کی بالکل صحیح ہے۔ آپ نے فرمایا تیرے، باپ نے ضد میں آ کر تیرا نکاح اس سے نہ کیا اور گھر میں آنے کی ممانعت کر دی۔ عرض کی جی ہاں۔ فرمایا ایک روز تو قضائے حاجت کو گھر سے نکلی۔ راستہ میں تیرا چچازاد بھائی تجھ سے ملا۔ اس وقت تم دونوں سے صبر نہ ہو سکا تم نے زنا کیا اور تو اس وقت حاملہ ہوئی۔ اس راز کو تو نے باپ سے خفیہ رکھا۔ عرض کیا بیشک ایسا ہی ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا تیری رازدار تیری ماں تھی۔ رات تیرے بچہ ہوا۔ تیری ماں تجھے باہر لائی اور جنگل میں تیرے باپ سے پوشیدہ لڑکا ہوا۔ عرض کی۔ ہاں ایسا ہی ہوا۔ آپ نے فرمایا تو نے اس بچے کو کپڑے میں لپیٹ کر ایک دیوار کے نیچے ڈال دیا تھا۔ اتفاقاً اس وقت ایک کتا آ گیا اور اس بچے کو سونگھنے لگا تو نے اس کے پتھر مارا۔ وہ بجائے کتے کے اُس بچے کے سر میں لگا اور خون بہنے لگا۔ تیری ماں نے کپڑا پھاڑ کر اُس بچہ کے پٹی باندھی۔ اور تجھ کو ہمراہ لے کر بچہ وہیں چھوڑ کر گھر آئی۔ عورت یہ سُن کر شرم سے زمین میں گڑ گئی اور آبدیدہ ہو کر کہنے لگی یا امیر المومنین کانک ثالثنا۔ گویا کہ آپ ہمارے ساتھ میں تیسرے تھے۔ واقعات من وعن بالکل صحیح ہیں۔ پھر فرمایا۔ اس بچے کی تجھے خبر ہے۔ اس کا کیا حشر ہوا۔ وہ یہ سُن کر رونے لگی اور بولی حضور اللہ جانے یا آپ۔

آپ نے فرمایا۔ صبح اُسے آئندو روندگان نے دیکھا۔ ایک شخص اپنے گھر اُٹھا لایا اور پرورش کی۔ حتیٰ کہ وہ جوان ہو کر ہمارا رفیق حرب بنا اور بدقسمتی سے تیرا خاوند ہوا۔ چونکہ وہ ہماری صحبت میں رہ چکا ہے۔ اللہ نے اُسے اس شرمناک گناہ سے بچایا۔ پھر اُسے بلا کر اس کا سر دکھایا۔ تو پتھر کا نشان موجود تھا۔ فرمایا لے اسے

اپنے ساتھ لے جا تو اس کی بیوی نہیں ماں ہے اور یہ تیرا خاوند نہیں بیٹا ہے۔

اب واقعات دلگداز یعنی کوائف شہادت حسرت آیت سُن لیجئے۔ اس لئے کہ اس منبع مکارم اور معدن اکارم ہستی کے فضائل کی کوئی حد و غایت نہیں بے انتہا ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں"۔ پھر کاتب وحی ایک مدت تک رہے۔ غرض کہ فضائل کی تفصیل اگر کی جائے۔ تو اس مختصر میں ان سب کا اجتماع متعذر ہے۔ لہٰذا اسی پر اکتفا کر کے حالات شہادت مختصراً ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

شہادت

جب آپ سریر خلافت پر متمکن ہوئے۔ اور واقعہ جمل و صفین گزر چکے۔ جن کی تفصیل کتب تاریخ میں مفصل موجود ہے۔ اور قصۂ حکمین مقام دومۃ الجندل پر خروج خوارج ہوا۔ جو حضرت شیر خدا کرم اللہ وجہہ سے منحرف ہو کر علیحدہ ہو گئے تھے۔ بعض آپ کو اس امر پر مجبور کرتے تھے کہ آپ نے یہ صلح ایسی کی ہے کہ آپ سخت گنہگار ہوئے ہیں معاذ اللہ توبہ کیجئے اور حربِ شام کے لئے تیار ہو جایئے۔ آپ جواب میں فرماتے تھے کہ اول باہمی فیصلہ نہ کرنا تھا اور جب کر لیا تو انحراف مواعید شیوۂ مومنین نہیں۔ غرض کہ بہت کچھ طول طویل داستان ہے۔ جس کو مانحن فیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ مختصر یہ کہ جب فسادات خوارج زور پر ہو گئے اور قتل و غارت بحد غایت بڑھ گئے۔ تو لشکر امیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ حضور قتل و غارت مومنین پر تمام خوارج کمر بستہ ہیں اور ہر وقت خونریزی پہ تلے ہوئے ہیں۔ لہٰذا سب سے اول ان پر چڑھائی کی ضرورت ہے۔ ورنہ جب یہ زوروں پر ہو گئے تو ان کا فتنہ فرو ہونا دشوار ہے۔ چنانچہ حضرت مولا علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ

نے ان کی طرف لشکر کشی فرمائی اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ جب لڑائی نے زور پکڑا تو خود بنفس نفیس ان کی طرف روانہ ہوئے اور اتمام حجت کے لئے وعظ فرمایا اور عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آٹھ ہزار آدمی خوارج سے نکل کر لشکر امیر المومنین میں زار زار روتے ہوئے آکر ملے۔ حضرت ابن کوا کہ سردار لشکر خوارج تھے۔ یہ بھی دس آدمی ہمراہ لے کر مذہب خوارج سے انحراف کر کے لشکر مومنین میں آملے۔ خوارج نے جب کمزوری دیکھی تو عبداللہ بن وہب اور حرقوص بن زہیر کو ایک سریہ کا سردار بنا کر نہروان کی طرف روانہ کیا۔ یہ حرقوص بن زہیر وہی ہے جسے ذوالثدیہ بھی موزخوں نے لکھا ہے۔ جب حضرت علی نے یہ سُنا تو اس لشکر کا تعاقب فرمانے کو روانہ ہوئے۔ اس لڑائی کی پیشگوئی آقائے مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی کو فرما بھی چکے تھے۔ اور جس جماعت کے مقابلہ میں آپ تشریف لے جا رہے تھے۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائفہ مارقین فرمایا تھا۔

شواہد النبوۃ میں ہے کہ حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو خبر دی گئی تھی کہ عنقریب تم جماعت مارقین سے محاربہ کرو گے اور اس لشکر کا سردار وہ شخص ہوگا۔ جس کے سر اور کندھوں کے درمیان گوشت مثل پستان زنان ابھرا ہوا ہوگا۔ اس پر بال ہوں گے۔ اُسے ذوالثدیہ کہا جائے گا۔

دلائل ابن وہبی میں روایت ہے کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ آپ کچھ سامان تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص قبیلہ بنی تمیم سے اُٹھا کر اُسے ذوالخویصرہ کہتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آکر بکنے لگا اعدل یا رسول اللہ حضور عدل فرمایئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن کر فرمایا ویحک مَنْ یَّعْدِلُ بَعْدِیْ۔ تجھ پر افسوس ہے۔ میرے بعد پھر کون عدل کرے گا۔ اگر میں عدل

نہیں کروں گا تو عدل دنیا سے اُٹھ جائے گا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حاضر تھے آگے بڑھے اور عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیجئے میں ابھی اس کی گردن اڑاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عمر! چھوڑو اس کے ساتھ ایک جماعت پیدا ہو گی کہ تحقرون صلوٰتکم لصلوتھم وصیامکم بصیامھم یقرءون القرآن لایجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ ثم لا یعود۔ تم ان کی نمازوں سے اپنی نمازوں کو حقیر جانو گے اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں سے۔ قرآن پڑھیں گے۔ مگر ان کے حنجروں سے نیچے نہ گزرے گا۔ دین سے ایسے نکل جائیں گے۔ جیسے تیر تیر شکار سے کہ پھر لوٹتا نہیں۔

ان کا پیشرو ایک سیاہ مرد ہو گا کہ اس کے بازوؤں یا شانوں پر مثل پستان زناں گوشت ہو گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا اور بیشک حسب پیش گوئی ویسا ہی ہوا اور حضرت علی نے اس سے حسب خبر مجادلہ ومحاربہ فرمایا اور میں اس لشکر میں تھا۔ چنانچہ جب اس لشکر کے پیشرو کو دیکھا تو وہی حلیہ تھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ سچ ہے ؎

زبانِ مصطفےٰ معجز نشاں بود
خبر از ہرچہ میداد آنچناں بود

روایت ہے کہ جب لشکرِ شیر خدا کرم اللہ وجہہ نہروان کے راستہ میں ایک گرجا کے پاس گزرا تو اس کنیسہ سے ایک پیر مرد بالاخانہ پر آیا اور پکارا کہ اے لشکرِ اسلام! اپنے پیشوا کو کہو کہ وہ میرے پاس تشریف لائیں آپ سے عرض کیا گیا آپ نے عنان مرکب اس طرف پھیری۔ جب آپ اس سے قریب ہوئے تو

اس نے عرض کی اے سردارِ لشکر! کہاں تشریف لے جارہے ہو؟ آپ نے فرمایا دشمنانِ دین کی سرکوبی کے لئے۔ راہب نے عرض کی ٹھہریئے اور لشکر کو روکئے اس لئے کہ آج کل ستارۂ مسلمین ہبوط میں ہے اور طالع مسلمین ضعیف۔ چند روز بعد جب کوکب ہابط صعود کی طرف متوجہ ہو جائے اور طالع مسلمین قوت پا جائے۔ آپ جہاں چاہیں جائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ راہب کیا تو علمِ آسمانی رکھتا ہے اس نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا فلاں ستارہ کی سیر سے خبر دے۔ اس نے عرض کی قسم خدا کی میں نے اس ستارہ کا نام بھی نہیں سُنا۔ پھر آپ نے اور سوال فرمایا۔ اس نے پھر وہی جواب دیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ علمِ آسمانی سے اتنی خبر بھی تجھ کو نہیں تو پھر ہم تیری کیا مانیں۔ پھر فرمایا زمین کے حالات سے بھی واقف ہے۔ عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا تو جہاں کھڑا ہے۔ تجھے معلوم ہے تیرے قدموں کے نیچے کیا چیز مدفون ہے۔ عرض کی میں یہ بھی نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا ایک برتن ہے۔ جس میں اتنے دینار ہیں۔ راہب نے عرض کی۔ آپ یہ بات کس دلیل سے فرما رہے ہیں۔ حضرت علی نے فرمایا۔ مجھے میرے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تو جب حربِ نہروان پر جائیگا۔ تو راستہ میں ایک راہب ملے گا۔ وہ منع کرے گا۔ اس کے پیر کے نیچے ایک برتن پُراز دینار ہوگا۔ جس میں اتنے دینار ہوں گے اس کے منع کرنے سے نہ رکنا۔ علی تیرے لشکر کے ۱۰ آدمی سے زیادہ شہید نہوں گے اور اس لشکر کے ۱۰ سے زیادہ زبح کرنہ جائیں گے۔ راہب یہ سُن کر متحیر ہوا اور جہاں کھڑا تھا اُسے کھودا وہ برتن برآمد ہوا اور اسی قدر دینار نکلے جتنے حضرت شیر خدا کرم اللہ وجہہ نے بتائے تھے۔ چنانچہ راہب کنیسہ سے باہر آیا اور حضرت شیر خدا کرم اللہ وجہہ

کے دستِ اقدس پر مسلمان ہوا۔ پھر حضرت شیر خدا با سطوت تام و شوکت تمام سوئے نہروان روانہ ہوئے ؎

تائید بر یمین وے و فتح بر یسار
اقبال بر رکاب وے و بخت ہم عنان

غرض کہ نسیم مژدہ وَاللّٰہُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ لے کر آئے اور شمیم مراد گلشن فَقَدْ جَآءَکُمُ الْفَتْحُ سے اڑ کر مشامِ دماغ کو تازہ کرنے لگی ؎

صبح ظفر از مشرق انوار بر آمد
اصحابِ غرض را شبِ سودا بسر آمد

وہ گھمسان کی لڑائی ہوئی کہ تھوڑی دیر میں چار ہزار کے لشکرِ خوارج میں سے حسب پیشگوئی مخبر صادق تین ہزار نو سو نوے خبثاء واصل بجہنم ہوئے اور نو افرادِ لشکر امیر میں سے جامِ شہادت پی کر داخل خلد بریں ہوئے اور باقی مجاہد فی سبیل اللہ اور غازی بامان اللہ رہے۔

حضرت مولا علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ ذو الثدیہ کو ان لاشوں میں سے تلاش کرو۔ سب طرف ڈھونڈا مگر اس کا پتہ نہ چلا۔ آخر اہلِ لشکر کہنے لگے شاید وہ خبیث بھاگ گیا۔ حضرت شیر خدا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا خدا کی قسم وہ بھاگ نہیں سکتا۔ مجھے میرے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کی خبر دی ہے۔ پھر ڈھونڈو۔ پھر ڈھونڈا گیا تو چالیس لاشوں کے نیچے دبا ہوا ملا۔

پھر حضرت شیر خدا کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ اب تم میں سے کون ہے جو کوفہ میں خبر فرحت اثر فتح لشکر اسلام پہنچائے ابن ملجم آگے بڑھا اور عرض

کی حضور میں جاتا ہوں اور اہل کوفہ کو بشارت دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں جانا بھی تجھے ہی چاہیئے اس لئے کہ تجھے اپنا کام بھی کرنا ہے۔

یہ ابن ملجم مصری تھا اور جب لوگ قتل عثمان ذی النورین کو مصر سے آئے تھے۔ ان کے ساتھ یہ بھی آیا تھا۔ پھر وہاں سے کوفہ میں آگیا۔ اور توبہ کر کے لشکرِ شیرِ خدا میں شریک ہو گیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب وقت حرب خوارج شیر خدا نے ہر مقام سے لشکر کے لئے آدمی طلب فرمائے تو یمن سے ۱۰ آدمی آئے۔ اور ان میں ہی ابن ملجم بھی آیا۔ یہ حلیہ میں بہت زیادہ دشت رو تھا اور جسامت سہمگین ہا ہیکل ومہیب تھی۔

بعد فتح تمام خدام نے امیر المومنین کی خدمت میں تحائف نذر کرنے شروع کئے۔ ابن ملجم کے پاس ایک تلوار بغایت قیمتی تھی۔ اس کو لے کر حاضر ہوا اور آپ کے پیش کی۔ آپ نے وہ تلوار ملاحظہ فرما کر واپس کر دی۔ ابن ملجم نے عرض کی۔ حضور آپ نے سب کے ہدیے قبول فرمائے میری نذر کیوں واپس فرما دی۔ حالانکہ میں نے وہ تلوار نذر کی تھی۔ کہ عرب میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ابن ملجم۔ یہ تلوار میں تجھ سے کیسے لے سکتا ہوں۔ جبکہ تو مجھ سے اس تلوار کے ذریعہ اپنی مراد حاصل کرنے والا ہے۔ یہ سُن کر ابن ملجم زمین پر گرا اور بہت رویا۔ پھر عرض کی کہ حضور مجھ سے ایسا کیونکر ممکن ہے۔ کہ میں اور حضور پر تلوار چلاؤں۔ جبکہ میں حضور کی محبت میں ترکِ وطن و مسکن کر کے حضور کے ساتھ خوارج سے لڑا ہوں ؎

حاشا کہ دلم از تو جدا خواہد شُد
یا با کسِ دیگر آشنا خواہد شُد

آپ نے فرمایا شدنی امور میں کسی کو مجال دم زدن نہیں۔ اور ہونے والی بات میں کسی طرح فرق آنا ممکن نہیں۔ ابن ملجم نے عرض کی۔ حضور اس وقت میں آپ کے سامنے دست بستہ حاضر ہوں۔ میرے دونوں ہاتھ کٹوا دیجئے۔ تاکہ میں اس فعل شنیع کا مرتکب ہی نہ ہو سکوں۔

آپ نے فرمایا مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا ہے اور میں ان کی پیشگوئی کو صحیح جانتا ہوں۔ اس نے عرض کی حضور! آقائے مدینہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا پیشگوئی فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ابن ملجم خوارج کے لشکر سے علیحدہ ہو کر علی کے لشکر میں نہروان آئیگا اور محاربہ میں مجبوراً شریک ہوگا۔ کہ اسے اس لشکر سے نکلنے کی کوئی راہ نہ ملے گی۔ اتفاق سے لشکر علی فتح یاب ہو گیا۔ تو ابن ملجم، علی سے روانگی کوفہ کی فتح لشکر کی بشارت دینے کے بہانہ سے اجازت لے گا۔ اور وہ وہاں جا کر وہاں مژدہ فتح لشکر علی سنائے گا اور کہے گا ؂

خورشیدِ ظفر از افق فتح بر آمد
وز پر تو وے نوبت ظلمت بسر آمد
در آئینہ تیغ شہنشاہ ولایت
رخسارۂ دل آرائے جلوہ گر آمد

پھر ایک ذریعہ سے وہ آمادۂ قتل علی ہوگا۔ حتیٰ کہ اسی کی تلوار سے محاسن مبارک خون میں تر ہو گئی۔ ابن ملجم زار زار رونے لگا اور عرض کرنے لگا کہ حضور مجھے ابھی قتل کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ قبل جرم قصاص جائز نہیں۔

بالآخر وہ روانہ ہوا اور کوفہ کے گلی کوچوں میں فتح یابی لشکر علی کی بشارت دیتا پھر رہا تھا۔ کہ ناگاہ اس کے کان میں ایک مکان سے دف کی آواز کے ساتھ

گانے کی آواز آئی۔ دروازہ پر کھڑا ہو کر دل میں کہنے لگا۔ کہ اس ممنوع فعل سے لوگوں کو منع کروں اور عذاب الٰہی سے تخویف دلاؤں۔ یہ سوچ کر پکارا کہ اے اہلخانہ یہ کیا غضب ہے۔ غناء سرود کو شریعت اسلام منع کرتی ہے اور تم کیا یہ غضب کر رہے ہو کیا تمھیں مرنا نہیں ہے ؎

زنفس نابکار و طبع منحوس

بزندان شقاوت مانند محبوس

اس آواز کو سن کر گھر میں سے عورتوں کی جماعت باہر آگئی۔ چونکہ یہاں شادی تھی۔ تمام عورتیں حلہائے قیمتی سے آراستہ اور زیورات مزین سے پیراستہ تھیں۔ ان میں ایک عورت نہایت حسین و جمیل تھی۔ اور اس کا نام قطامہ تھا یہ عرب بھر میں حسین و جمیل مشہور تھی۔ ابن ملجم کی جیسے ہی نظر اس پر پڑی۔ شعلہ فسق اس کے سینۂ پر کینہ میں بھڑکا اور خرمن صبر کو برق محبت نے جلا دیا۔ گیا تھا نصیحت کرنے خود قعر فضیحت میں گر گیا۔

قطامہ کو اشارہ سے علیحدہ بلایا اور پوچھا ایم انتِ اَمْ ذَاتَ بَعْلٍ تو خداوند والی ہے یا بغیر خاوند؟ اس نے کہا بغیر خاوند ہوں۔ کہا کس قبیلہ سے ہے۔ اس نے کہا قبیلہ تیم الرباب سے ہوں۔ یہ قبیلہ خوارج میں سے تھا۔ پھر پوچھا شادی کرنا چاہتی ہے یا نہیں۔ قطامہ نے کہا چاہتی ضرور ہوں۔ مگر میری شرائط پوری کرنے والا مجھے اب تک نہ ملا۔ ابن ملجم نے کہا وہ کیا ہیں ؟ قطامہ رونے لگی اور یوں گویا ہوئی کہ اے ابن ملجم! لشکر علی نے حرب نہروان میں میرے بارہ رشتہ دار قتل کئے ہیں۔ میں نے جب سے اپنا مہر تین بات رکھا ہے۔ ابن ملجم نے کہا وہ بیان کر۔ قطامہ نے کہا۔ تین ہزار درہم نقد۔ ایک کنیز حسینہ و جمیلہ اور قتل علی بن ابی طالب۔

ابن ملجم نے کہا دو امور تو ممکن ہیں۔ مگر مولیٰ علی شیر خدا کا قتل بڑی زبردست شرط ہے۔ قطامہ خوف خدا کر۔ علی شہسوار براق لافتیٰ ہیں۔ ان کی شجاعت و بہادری اتنی شہرۂ آفاق ہے کہ ملائکہ تحسین کرتے ہیں ؎

چو او بر کشد ذوالفقار از غلاف
ز ہیبت فتد لرزہ در کوہ قاف
چو در دست او نیزہ گرداں شود
بلائے دلیراں دگرداں شود

قطامہ اس خیال سے باز آ۔ یہ کسی میں ہمت نہ ہو گی کہ علی کے ساتھ ایسا خیال بھی دل میں لا سکے۔ قطامہ نے کہا درہم و کنیز سے دستبرداری ممکن ہے۔ مگر سب سے بڑی شرط یہی ہے۔

ابن ملجم نے غور و تامل کر کے کہا۔ کہ خدا کی قسم علی کا کہنا صحیح ہے۔ خدا کو یونہی منظور رہے۔ میں اس شہر میں مژدہ فتحیابی دینے نہ آیا تھا۔ بلکہ قتل علی کو آیا تھا۔

ابن ملجم نے کہا اچھا قطامہ میں تیار ہوں۔ مگر ایک ضرب کا ذمہ دار ہوں۔ قطامہ نے کہا اچھا ایک ہی ضرب سہی۔ مگر اپنی تلوار مجھے لا کر دے۔ چنانچہ ابن ملجم اپنی تلوار لایا۔ قطامہ نے اُسے لیا ہی تھا کہ شہر میں شور ہوا۔ امیر مرتضیٰ لشکر ظفر پیکر کے ساتھ رونق افروز ہو رہے ہیں۔ ابن ملجم امیر مرتضیٰ کی تشریف آوری کی خبر سُن کر جہاں ہزاروں استقبال کو جا رہے ہیں خود بھی روانہ ہوا۔ شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اہل شہر کی سلامت مبارک لیتے مسجد کوفہ میں تشریف لائے۔ کہ اہالیانِ کوفہ نے تہنیت نامے شروع کئے۔

للہ الحمد کہ مقصود ز در باز آمد
مردم چشم جہاں بین ز سفر باز آمد

للہ الحمد کہ از وصل مسیحا نفسے
بتن خستہ دلاں جان دگر باز آمد

آپ نے مسجد پہنچ کر دو رکعت تحیۃ المسجد ادا فرمائی۔ اور اعیان و اشراف کوفہ تمام حاضر تھے۔ کہ بعد الفراغ نوافل آپ منبر پر چڑھے اور خطبہ فرمایا۔ جس میں حمد الٰہی اور نعت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔ پھر قوم کو عقوبت ربانی سے ڈرایا۔ اور اتباع شریعت غراء محمدی کی وصیت فرمائی۔ پھر داہنی طرف رُخ کر کے دیکھا تو بڑے شہزادہ حسن رضی اللہ عنہ پر نظر پڑی۔ فرمایا یا بنی کم مضیٰ من شہر نا ھذا جان پدر کتنے دن اس ماہ سے گزر گئے۔ آپ نے عرض کیا تیرہ روز۔ پھر بائیں طرف دیکھا تو چھوٹے صاحبزادہ حسین نظر آئے تو فرمایا کم بقی من شہر نا ھٰذا۔ اے لخت جگر اس مہینہ میں کتنے دن باقی ہیں۔ آپ نے عرض کی سترہ روز۔ پھر آپ نے اپنی ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا۔ اور فرمایا کہ اسی مہینہ میں یہ ڈاڑھی سر کے خون سے رنگی جائے گی اور رنگنے والا بدترین اس اُمت کا ہوگا۔

پھر آپ نے ایک رباعی پڑھی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ قبیلہ مراد کا ایک شخص جس کے ساتھ میں نے سلوک بھی کئے ہیں۔ مجھے قتل کرے گا۔ ابن ملجم یہ جملہ سن کر غور کیا اور سمجھ گیا کہ یہ خاص طور پر مجھے ہی فرمایا ہے۔ خوف سے لرز گیا اور روتا ہوا آگے بڑھا۔ اور عرض کرنے لگا۔ امیر المومنین میری طرف اگر یہ گمان ہے تو میں عرض کر چکا۔ اور پھر عرض کرتا ہوں۔ میرے ہاتھ کاٹ ڈالئے یا مجھے قتل کرا دیجئے۔ آپ نے فرمایا بغیر جرم کوئی سزا ممکن نہیں۔ مگر مجھ کو میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ علی تیرا قاتل قبیلہ مراد سے ہوگا۔ اور اپنے حصول مرام کی غرض سے تمہارے ایک ضرب تلوار ماریگا۔ مگر اس کی مراد حاصل نہ ہوگی۔

ابن ملجم متعجبانہ استغاثہ کرنے لگا اور حضرت شیر خدا سے عرض کرنے لگا کہ حضور مجھے اس عیب سے داغدارانہ کیجئے۔ آپ نے فرمایا میں تجھے ایک خفیہ اسرار الٰہی کا سر بتا رہا ہوں یا عیب لگا رہا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ تو خود بھی واقف ہے۔ سچ کہہ ایام طفولیت میں تیری دایہ دودھ پلانے والی یہودن تھی یا نہیں۔ عرض کی بیشک تھی۔ آپ نے فرمایا ایک روز وہ تجھ پر غصہ ہو کر تجھے عاقر ناقۃ صالح۔ یعنی ناقۂ صالح علیہ السلام کے کونچ کاٹنے والا کہہ چکی ہے یا نہیں! ابن ملجم نے کہا ہاں بیشک کہہ چکی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا بدترین خلق دو شخص ہیں۔ ایک وہ جس نے ناقۂ صالح کی کونچیں کاٹیں۔ دوسرا وہ جو ایک عورت کے لالچ میں مجھے شہید کرے گا۔ پھر آپ زار زار رونے لگے۔ یہاں تک ریش اقدس آنسوؤں میں تر ہو گئی۔ پھر فرمایا۔ تم میرے اس رونے کو خوفِ موت نہ سمجھنا۔ نہیں نہیں۔ بلکہ میں تو ہمیشہ آرزومند موت رہتا ہوں۔ اس لئے کہ **مثنوی**

مرگِ مارا زندگیٔ دیگر است
زہر مرگ از شہد شیریں خوشتر است
مرگ سازد مغز را صافی ز پوست
تا رساند دوست را نزدیک دوست

حافظِ شیرازی جذبۂ محبت اور شوق وصال یار میں فرماتے ہیں :۔

میرا رونا محض میرے جگر گوشوں کی مظلومی و بیچارگی پر ہے کہ ابھی یہ کربتِ مسافرت میں ہیں۔ اس پر عنقریب انہیں سوزِ یتیمی اور ستانے والا ہے۔ پھر فرمایا :۔

اے حاضرین جلسہ! جو اس وقت موجود نہ ہوں انہیں بھی مطلع کر دینا کہ علی شیر خدا کی یہ وصیت ہے کہ جب میرے فرزند دلبند شہید کئے جائیں اور

تمھیں اس کی خبر پہنچے تو ان کی مصیبت میں شرکت کرنا اور جس طرح ہو ان کی مدد کرنا۔ سب زار زار روتے رہے اور کلمات وداعیہ سُن کر سب نے عہد کیا۔ یہ عہد کرنے والے تمام کوفی شیعیان علی تھے اور یہی عہد شکن ثابت ہوئے۔ ابن زیاد کے آتے ہی سب علیحدہ ہو گئے اور دست ابن زیاد پر بیعت کر لی۔

پھر آپ منبر سے اُتر پڑے اب آپ کی عادت مبارک یہ ہے کہ روزہ اکثر رکھتے ہیں اور افطار کبھی امام حسن کے یہاں اور کبھی چھوٹے صاحبزادے حسین کے یہاں اور کبھی عبداللہ بن جعفر طیار کے یہاں فرماتے ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین ؁ خوراک اول ہی کم تھی اب اس قدر قلیل کر دی ہے کہ تین لقموں سے زیادہ تناول نہیں فرماتے۔ صاحبزادگان نے عرض کی کہ ابا جان خوراک اتنی کیوں کم کر دی ہے۔ فرمایا اب ہمارا وقتِ وداع قریب ہے۔ میں چاہتا ہوں دربارِ الٰہی میں ملوث بہ ارزاق دنیا نہ جاؤں۔ بلکہ منور بہ انوار حق رخصت ہونا چاہتا ہوں۔

ادھر قطامہ نے اس تلوار کو جو ابن ملجم دے آیا تھا زہر میں بجھوا دیا ہے۔ آج ابن ملجم اس کے پاس آیا۔ اس نے وہ تلوار اُسے دی۔ ابن ملجم نے اپنی مدد کے لئے شبیب بن بحیرہ شجعی خارجی اور وردان تیمی خارجی کو تیار کر لیا۔

المختصر ۱۹ رمضان المبارک کو آپ مسجد میں تشریف لائے دیکھا اہل کوفہ مسجد کے چاروں طرف محافظت کر رہے ہیں۔ فرمایا یہ قیدیوں کی سی کیا حفاظت ہے۔ تقدیر الٰہی مٹ نہیں سکتی جو ہونا ہے وہ ہوگا اور ضرور ہوگا۔ تم جاؤ اور گھروں میں آرام کرو۔ وہ مجبور چلے گئے۔ اور آپ تن تنہا مسجد کوفہ میں تمام شب مشغول عبادت رہے۔ اور بار بار آسمان کی طرف دیکھتے اور فرماتے صدق رسول اللہ میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ میرا قاتل اب تک رونما نہیں ہوا۔ پھر آپ نے تازہ وضو فرمایا اور کمر باندھ

کر یہ شعر پڑھا ؂

حیازیشون الموت فان الموت لاقیکا

ولا تجزع من الموت اذا حل بوادیکا

یعنی اے علی اپنی کمر چست کر لو مرنے کے لئے کہ موت عنقریب تم سے ملنے والی ہے اور نہ گھبراؤ موت سے جب تم اس میدان رضا میں قدم رکھ چکے ہو ؂

آرے اساسِ خانۂ عمر استوار نیست

دارفنا محل ثبات و قرار نیست

پچھلی رات کو آپ نے عزم گھر کا فرمایا۔ واپسی پر راستہ میں مرغابیاں جو پلی ہوئی تھیں۔ آپ کو دیکھ کر پکارنے لگیں۔ لوگوں نے انہیں ہٹانا چاہا۔ آپ نے فرمایا انہیں نہ روکو یہ مجھ سے وداع ہو رہی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کی صاحبزادیوں نے اُنہیں ہٹانا چاہا۔ تو آپ نے فرمایا من صوائح یتبعها نوائح اس وقت یہ فریاد کر رہی ہیں اور میرے غم جدائی میں نالہ کناں ہیں۔ اس رات آپ نے روزہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے یہاں افطار فرمایا تھا اور بعد الفراغ طعام آپ کو بہت کچھ وصیتیں فرما کر اس طرح فرمایا۔ جس کا مفہوم اس مثنوی میں ظاہر ہے

رخت بربستم و دل برداشتم

صحبت دیرینہ را بگزاشتم

وقت شد کز غصہ و غم وارہیم

بر غم و شادی عالم پانہیم

تا بکے بارِ دل دونان کشیم

تا بکے خوں نابہ زین و آں چشیم

صدرِ جنت بہر ما آراستہ
ما دریں زنداں بلعنت کاستہ

پھر آپ مسجد کو تشریف لائے۔ تو یہ شعر زبان مبارک پر تھا ؎

خلوا سبیل المومنین المجاھد
فی اللہ لا یعبد غیر الواحد

یعنی راستہ دو مومن مجاہد کو راہِ خدا میں۔ وہ غیر معبود کو نہیں پوجتا۔

پھر آپ نے صبح کی اذان دی اور سنتِ فجر میں مشغول ہو گئے۔ اُدھر وہ تینوں شب بھر شراب نوشی میں قطامہ کے گھر رہ کر سو گئے تھے۔ قطامہ نے جگایا اور کہا کہ جلدی جا کہ اب موقعہ ہے۔ نہیں تو پھر نمازی مسجد میں بھر جائیں گے ابن ملجم معہ دونوں معاونوں کے زہر آلودہ تلوار لے کر لپکا۔ آپ ابھی ایک رکعت ادا کرنے پائے تھے کہ اس خبیث نے وار کیا۔

تاریخ طبری میں یوں ہے کہ آپ کی اذان پر قطامہ نے جگا کر اس خبیث کو بھیجا۔ اس کے پیچھے پیچھے وہ دونوں خبیث خارجی بھی چلے اور مسجد میں آ کر روپوش ہو گئے۔ دونوں دو دروں میں بیٹھ گئے اور باہمی مشورہ کر لیا۔ کہ دو وار یک لخت ہوں۔ یعنی دردان خبیث کا وار خالی جائے تو شبیب کا ہاتھ پڑے۔ اور ابن ملجم سے کہا تو اندر چھپ جا۔ اگر ہم کامیاب نہ ہوں تو اندر کام پورا کر دیجو۔

چنانچہ جب حضرت مولا علی شیر خدا اسد اللہ کرم اللہ وجہہ اذان سے فارغ ہوئے اور مسجد کے در میں قدم رکھا تو شبیب خبیث نے وار کیا۔ تلوار طاق پر لگی اور ٹوٹ گئی۔ علی الفور دردان نے وار کیا۔ اس کی تلوار دیوار سے ٹکرا گئی اور یہ دونوں بھاگ گئے۔ آپ کرشمہ قدرت دیکھ کر خاموش ہو گئے اور

کسی سے تذکرہ نہ کیا۔

اندرونِ مسجد جیسے ہی محراب میں قدم مبارک رکھا۔ نماز کی نیت کی۔ نہایت اطمینان سے وہ خبیث چھپا ہوا دیکھتا رہا۔ جب سجدہ سے سر مبارک اُٹھایا تو اس نے تلوار کا وار کیا۔ یہ زخم اس مقام پر لگا۔ جہاں پہلے حربِ خندق میں عمر بن عبدود کا زخم تھا وہی کھل گیا اور سر مبارک سے مغز باہر آگیا اور آپ کی زبان مبارک سے فزت برب الکعبۃ نکلا یعنی اپنی مراد کو خدا کی قسم میں پہنچ گیا۔

ابن ملجم اس آواز کو سنتا ہوا بھاگا اور پکارتا چلا۔ افسوس امیر المومنین شہید ہو گئے۔ تمام اہل کوفہ مسجد میں بھر گئے امام حسن و حسین نے جو یہ خطرناک آواز سنی۔ بے تابانہ دوڑے اور خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ حضرت شیر خدا اپنی خون آلودہ ریش مبارک پر ہاتھ پھیر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اسی طرح میں دربار رسالت میں جاؤں گا۔ زسیدہ فاطمہ زہرا سے ملوں گا۔ چچا حمزہ سے ملاقات کروں گا۔ یہی حلیہ اپنے بھائی جعفر طیار کو دکھاؤں گا۔ دونوں شہزادے زار زار رونے لگے ایک شخص نے عرض کی حضور یہ کس خبیث کا کام ہے۔ فرمایا ٹھہرو ابھی وہ آیا چاہتا ہے۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ شبیب آتا نظر آیا۔ کسی نے کہا تو نے تلوار ماری ہے۔ چاہتا تھا کہ انکار کرے۔ مگر بے اختیار منہ سے نکلتا ہے۔ ہاں۔

سب لوگوں نے اسے زدوکوب کرنا شروع کیا حتیٰ کہ وہ ہلاک ہو گیا۔

ابن ملجم خبیث بھاگ کر اپنے چچا زاد بھائی کے یہاں پہنچا اور ہتھیار تن سے علیحدہ کر کے بیٹھا تھا کہ ابن عم نے پوچھا تو مشوش کیوں ہے۔ کیا تو ہی قاتل علی ہے۔ چاہتا تھا کہ انکار کرے۔ مگر بجائے لا کے نعم نکلتا ہے۔ آپ نے علی الفور اس کو گرفتار کیا اور مسجد میں لا ڈالا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابن ملجم گرفتار ہو کر آیا۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا۔ دیکھ میں جو کہتا تھا وہی ہوا یا نہیں۔ عرض کی حضور میں خدا سے پناہ چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا خبیث کس لالچ نے تجھے اس امر پر آمادہ کیا۔ کہ بلا کسی وجہ کے تو نے میرے بچے یتیم کر دیئے۔ باآنکہ میں تیرے ساتھ بارہا مسلوک ہوا ہوں۔

ابن ملجم خبیث کہنے لگا۔ حضور جو کچھ ہونا تھا ہوا وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ۝

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اسے جیلخانہ لے جاؤ اور وہاں جو میں کھاؤں وہی اُسے کھلاؤ اور جو میں پیوں وہی اُسے پلاؤ۔ اگر میں بچ گیا تو جو میری رائے ہوگی وہ کروں گا اور اگر راحل خلد ہو گیا تو میں وصیت کرتا ہوں کہ اس نے میرے ایک ضرب ماری ہے۔ لہذا ایک ہی وار اس پر ہو۔ چنانچہ آپ کو ایک گداز اونی کمبل میں لے کر لٹایا۔ سر مبارک کے نیچے ایک اور کمبل رکھ دیا۔ اور شہزادہ حسن و حسین اٹھا کر گھر لائے تو صبح ہو گئی تھی۔ آپ نے فرمایا میرا سر جانب مشرق رکھو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

پھر آپ نے فرمایا اے صبح میں تجھے اُس خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں۔ جس کے حکم سے تو آئی ہے۔ قیامت کے دن تجھے گواہی دینی ہوگی کہ میں سب سے اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا۔ سب سے پہلے میں نے فریضۂ الٰہی ادا کیا اور جب سے اب تک تو نے مجھے سوتا نہ دیکھا ہوگا۔ پھر فرمایا وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا اور مجھے میرے رب کی گواہی کافی ہے۔ ان جملوں کو سُن کر لوگ چیخ مار کر رونے لگے۔

دلہا تمام از آتش حسرت کباب شد
جانہا اسیر سلسلۂ اضطراب شد

لب تشنگانِ بادیۂ اشتیاق را
دریائے صبر و بحر سلامت سراب شد

علاج کے لئے عمرو بن نعمان جراح حاضر ہوئے۔ زخم کو دیکھ کر زار زار رونے لگے کہ ہائے افسوس یہ خدمت مجھ سے ناممکن ہے۔ یہ زخم زہر آلودہ تلوار کا ہے۔

غرض کہ علاج سے مایوسی تو ہو ہی چکی تھی۔ اُدھر زخم کی تکلیف شدید نے شیر خدا کو بہت ہی خستہ بنا دیا تھا۔ ۱۹ ر رمضان المبارک کی صبح کو یہ زخم لگا۔ اور شب یک شنبہ کو آپ نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا یا بنتی ام کلثوم غلقی علی ابیک الباب اے بیٹی ام کلثوم! اپنے باپ پر دروازہ بند کردو۔ آپ نے دروازہ بند کیا۔ پھر امام حسن و حسین کو بلا کر وصیت فرمائی۔ کہ بیٹا مصیبتوں کو نہایت صبر سے برداشت کرنا۔ نوحہ و ماتم سے پرہیز کرنا۔ کہ یہ ہمارا شیوہ نہیں۔ شریعت غرا پر عامل رہنا۔ مجھے ایسی جگہ دفن کرنا جو کسی کو معلوم نہ ہو۔

غرض کہ آخری کلمہ آپ کی زبان مبارک پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تھا۔ ۱۹ ر رمضان کو زخمی ہو کر ۲۰ رمضان کی تاریخ ختم فرما کر شب بست ویکم کے آغاز میں اس شہباز ولایت نے اپنے مرجع اصلی کی طرف پرواز کی اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۞ آپ کی عمر مبارک شہادت کے وقت ۶۳ سال موافق عمر نبوی تھی آپ نے پونے پانچ سال خلافت فرمائی۔

آپ کو امام حسن و حسین اور عبد اللہ بن جعفر نے غسل دیا۔ محمد بن حنفیہ پانی ڈالتے رہے۔ تین کپڑوں میں آپ کو کفنایا گیا جس میں قمیص نہ تھی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی مرقد منور میں اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے دار الامارۃ کوفہ میں دفن ہیں۔ ابن اثیر اور ابو الفدا کے نزدیک نجف اشرف میں آپ کا مدفون ہونا ثابت ہے اور یہی زیادہ معتبر معلوم ہوتا ہے ؏

آپ کا حُلیہ مُبارک

میانہ قد۔ رنگ کھلا ہوا گندم گوں سرخ و سپید مائل بہ سرخی۔ چشمہائے مبارک سیاہ اور بڑی۔ شکم اقدس ذرا بڑا۔ ریش مبارک گھنی اور سینہ ڈھکے ہوئے پیشانی صاف۔ اس عمر میں آپ پر آثارات شیب کا کچھ اثر نہ تھا۔ آپ کثیر التبسم خندہ پیشانی تھے۔

آپ کے نو، دس عقد ہوئے۔ آٹھ کا تو پتہ ملتا ہے۔ علاوہ اس کے ہمیں اس کی روایت کہیں نہیں ملی۔ کہ نواں اور دسواں عقد کہاں ہوا۔

پہلی بیوی حضرت سیدہ فاطمہ زہرا ہیں۔ ان سے دو شہزادے ہوئے۔ دوسری ام البنین بنت خزام ہیں۔ ان سے عباس۔ جعفر۔ عبداللہ اور عثمان چار بیٹے ہوئے۔ تیسری بیوی لیلیٰ بنت مسعود ہیں ان سے عبداللہ اور ابو بکر ہوئے۔ چوتھی اسماء بنت عمیس ہیں۔ ان سے محمد اصغر اور یحییٰ پیدا ہوئے اور محمد بن ابی بکر اور ام کلثوم بنت ابی بکر آپ کے ربیب یعنی رضاعی بھائی ہیں۔ پانچویں بیوی امامہ بنت ابی العاص زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں اور حسب وصیت سیدہ ان سے آپ نے عقد فرمایا تھا۔ ان سے محمد اوسط پیدا ہوئے۔ چھٹی بیوی خولہ بنت جعفر حنفیہ ہیں۔ جن سے محمد اکبر المعروف بہ محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے۔

ساتویں بیوی سعیدہ بنت عروہ ہیں۔ ان سے ام الحسن۔ رملۃ الکبریٰ اور ام کلثوم تین لڑکیاں ہوئیں۔ آٹھویں بیوی صہبا بنت زمعہ تھیں۔ ان سے رقیہ پیدا ہوئیں۔

یہ تمام روایات ابن اثیر اور ابوالفدا میں ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ دو ایک نکاح حضور کے اور بھی ہوئے اور ان سے اولادیں بھی ہوئیں۔ مگر اولاد نرینہ شہزادہ حسن و حسین۔ محمد بن حنفیہ اور عباس و عمر سے آپ کی نسل جاری ہوئی ؎

مختصر خصائل وشمائل وحال وفات صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ

آپ کا شجرہ نسب یہ ہے :۔ ابوبکر بن ابو قحافہ بن عامر بن کعب بن محمد بن تیسم بن مرہ۔

آپ قدوۂ اصحاب فاتح ابواب صواب ہیں۔ آپ کا اسم شریف عبد الکعبہ تھا۔ جب آپ شرفِ اسلام سے مشرف ہوئے۔ تو آپ کا اسم شریف عبد اللہ رکھا گیا اور ابوبکر صدیق کنیت۔ علاوہ اس کے عتیق صدیق آپ نے لقب پائے۔ صدیق کا لقب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو عطا فرمایا۔

آپ نے کبھی بت کو سجدہ نہ فرمایا۔ عوالی الفرش الی معالی العرش میں ہے۔ اور اس سے امام احمد قسطلانی شرح بخاری میں نقل فرماتے ہیں۔ کہ جب آپ کی عمر مبارک ۴ سال کی ہوئی۔ تو آپ کے باپ عثمان جن کی کنیت ابو قحافہ ہے۔ انہیں بت خانہ میں لائے اور کہا هٰؤُلَآءِ اٰلِهَتُكَ الشُّمُّ الْعُلٰی فَاسْجُدْ لَهُمْ یہ ہیں تمہارے بلند و بالا خدا انہیں سجدہ کرو۔ آپ بُت کے سامنے تشریف لے گئے اور فرمایا اَنَا جِیْعَانٌ فَاَشْبِعْنِیْ میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلادے اَنَا عُرْیَانٌ فَاَلْبِسْنِیْ میں ننگا ہوں مجھے کپڑا پہنا۔

جب کچھ جواب نہ ملا اور حقیقت میں جواب ملتا بھی کیا۔ کیونکہ بُت تو بُت ہی ہوتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ میں پتھر مارتا ہوں۔ اگر تو خدا ہے تو اپنے کو بچا۔ اس کا جواب بھی کچھ نہ ملا۔ تو آپ نے ایک پتھر اُٹھا کر اس کے مارا۔ وہ بُت گر گیا۔ اور قوت خداداد کی تاب نہ لاسکا۔ باپ نے یہ رویہ دیکھ کر صدیق پر غصہ کیا اور رخسار مبارک پر تھپڑ مارا۔ پھر وہاں سے آپ کی والدہ کے پاس لائے اور تمام واقعہ گزشتہ سنایا۔ اُنہوں نے کہا اسے اس کے حال پر چھوڑو۔ جب یہ پیدا ہوا تھا تو

غیب سے میرے کان میں یہ آوازیں آئی تھیں یا امۃ اللہ بالتحقیق البشری بالولد العتیق اسمہ فی السماء صدیق لمحمد صاحب ورفیق۔ اے اللہ کی سچی لونڈی۔ تجھے اس آزاد بچے کی بشارت ہو جو آسمانوں میں صدیق ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یار و رفیق ہے۔

مجھے معلوم نہیں کہ وہ محمد کون ہیں اور یہ کیا معاملہ ہے۔ چنانچہ اس واقعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ تو روح الامین جبرائیل حاضر آئے اور عرض کی صدق امّ ابوبکر وھو الصدیق۔ ابوبکر کی ماں نے سچ کہا اور وہ صدیق ہیں۔ آپ جب سے شرفِ خدمت سے مشرف ہوئے کبھی جدا نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ بعد وفات بھی پہلوئے محبوب میں آرام فرما ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں دست اقدس میں حضرت صدیق کا ہاتھ لیا اور بائیں میں حضرت عمر کا ہاتھ۔ پھر فرمایا ھکذا انبعث یوم القیامۃ اسی طرح ہم قیامت کے روز اٹھیں گے۔

امام ابن عساکر امام زہری سے راوی ہیں من فضل ابوبکر انہ لم یشک فی اللہ ساعۃ صدیق کے فضائل سے ایک یہ ہے کہ انہیں کبھی وجود الٰہی میں شک نہیں ہوا۔ امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لم یزل ابوبکر بعین الرضاء من اللہ تعالیٰ۔ ابوبکر ہمیشہ منظور نظر الٰہی رہے۔

بعد اظہار بعثت سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایام طفولیت میں اسبق الایمان حضرت علی مرتضیٰ۔ اور خدیجۃ الکبریٰ۔ زید بن حارث ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا آئے ہیں۔ حضرت صدیق کی عمر مبارک وقت قبول اسلام ۳۷ یا ۳۸ سال کی تھی۔ حضرت شیر خدا اور صدیق میں اسبق بالایمان کے مسئلہ پر مؤرخ مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت

علی اور بعض کہتے ہیں صدیق اور یہ ایک ایسا اختلاف ہے کہ اس کا توافق ایک حد تک مشکل تھا۔

مگر امام ہمام ابوحنیفۃ النعمان رضی اللہ عنہ نے ایک ایسا پر مغز اور منصفانہ فیصلہ کر دیا کہ دونوں اختلافوں میں توافق ہو گیا۔ سچ ہے کلام الملوک ملوک الکلام بڑوں کی باتیں بڑی ہوتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

ان ابا بکر اول من اسلم من الرجال وعلی اول من اسلم من الصبیان وخدیجۃ اول من اسلمت من النساء یعنی ابوبکر صدیق آزاد بالغ مردوں میں پہلے مسلمان ہیں اور علی نوعمروں میں اور خدیجہ اسبق بالایمان عورتوں میں ہیں۔ حضرت صدیق خدمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قبل از اسلام بھی اکثر حاضر ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت خدیجہ کے عقد میں بھی آپ ہی زیادہ کوشاں ہوئے۔

آپ کے اسلام کا قصہ یوں ہے کہ ایک بار آپ نے بہ نیت تجارت سفر شام کا عزم کیا۔ وہاں جب پہنچے تو ایک خواب دیکھا کہ آسمان سے بام کعبہ پر ایک نور گرا۔ پھر وہ نور اہل مکّہ کے گھروں میں جانے لگا۔ آپ کے گھر میں جب وہ آنے لگا۔ تو آپ نے دروازہ بند کر لیا اور آنکھ کھل گئی۔ صبح اس کی تعبیر لینے ایک یہودی عالم کے پاس تشریف لے گئے۔ اس نے اضغاث احلام بتا کر ٹال دیا۔ آپ خاموش ہو گئے۔ مگر تسکین نہ ہوئی۔ دوبارہ پھر شام تشریف لے گئے۔ تو راہ میں بحیرہ راہب سے ملاقات ہوئی۔ آپ وہ خواب اس سے کہا۔ اس نے کہا یہ خواب مبارک ہے۔ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ آپ نے اپنا سب حال کہہ دیا۔ بحیرہ نے کہا تمھارے ملک میں ایک رسول الٰہی تشریف لائیگا۔ زندگی میں تم اس کے وزیر اور بعد وفات اس کے جانشین

بنو گئے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق کو تبلیغ اسلام فرمائی تو صدیق نے نبی ہونے کا ثبوت مانگا۔ آپ نے فرمایا بحیرہ راہب سے جو خواب تم نے دیکھ کر جواب لیا تھا۔ میں اسی کی تعبیر ہوں۔ صدیق یہ سنتے ہی جھک گئے اور اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ لیا۔

سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے جس کو اسلام کی طرف بلایا۔ اس نے کچھ نہ کچھ تردد کر کے قبول اسلام کیا۔ مگر صدیق نے علی الفور تصدیق کر لی۔

آپ کے پاس وقت قبول اسلام چالیس ہزار درم نقد تھے۔ آپ نے وہ سب مسلمانوں پر نچھاور فرمائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مانفعنی مال احدٍ ما نفعنی مال ابو بکرؓ مجھے کسی کے مال سے اتنا فائدہ نہ پہنچا۔ جو فائدہ آل ابو بکر سے پہنچا۔ اقبال نے ایک رباعی میں خوب کہا ہے

آں امن الناس بر مولائے ما
آں کلیم اوّل سینائے ما
ہمتِ او کشت امت را چو ابر
ثانی اثنین در غار و بدر و قبر

بخاری و مسلم شریف میں بھی یہی روایت ہے انّ امنّ الناس علی فی مالہ وصحبتہ ابو بکر مسلمانوں میں صدیق کے مال اور رفاقت کا مجھ پر بہت احسان ہے۔ چنانچہ بلال حبشی کو پنجۂ امیہ بن خلف

سے آپ نے چھڑایا۔ علاوہ ازیں جس قدر نحیف و نزار مسلمان ظلم و ستم قریش سے تنگ تھے آپ نے آزاد کرائے۔

آپ تبلیغ اسلام کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست فرماتے کہ کفار قریش کی ایذا دہی کی کچھ پرواہ نہیں۔ اعلانیہ عبادت کرنا چاہیئے اور بے دھڑک تبلیغ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ جب اس درخواست کی حد ہو گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز بحکم الٰہی صدیق کو خانہ کعبہ میں لائے۔ آپ نے دیکھا کہ رؤسائے قریش اور صنادید عرب جمع ہیں۔ آپ کھڑے ہوئے اور خطبہ نہایت فصیح و بلیغ پڑھ کر توحید کی تعریف، شرک و بت پرستی کی مذمت بیان فرمائی۔ کفار قریش سنتے ہی جل گئے اور صدیق پر بگڑ کر جھک پڑے۔ آپ کو اس قدر مارا کہ چہرۂ زیبا زرد ہو گیا۔ اور آپ بیہوش ہو گئے۔ آپ کے اعزاء و اقربا گھر لائے۔ بڑی کوشش سے جب ہوش ہوا تو شربت پیش کیا۔ فرمایا میں ہرگز شربت نہ پیوں گا۔ جب تک شربت دیدار محبوب سے سیراب ہو جاؤں۔ جب بہت رات گزر گئی۔ راستہ کفار سے خالی ہو گیا۔ تو صدیق کو پوشیدہ طور سے خدمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں لے کر پہنچے۔ جب آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح و سالم دیکھ لیا تو فرمایا۔ ہاں لاؤ۔ اب شربت پی لوں گا۔ کیونکہ اب میری جان میں جان آئی۔

بخاری شریف میں حضرت عروۃ بن زبیر سے روایت ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے کہ عقبہ بن ابی معیط خبیث نے ایک موٹی چادر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں ڈال کر اس زور سے کھینچی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تنفس مبارک رکنے لگا۔ صدیق دوڑے اور للکار کر فرمانے لگے

اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ وقد جاءکم بالبینٰت من ربکم۔ کیا اس ہستی مقدس کو مارنا چاہتے ہو۔ جو ایک رب حقیقی کے

حضور میں سر نیاز عالم جھکوا رہا ہے اور باآنکہ وہ تمھیں روشن معجزات بھی دکھا رہا ہے۔

مکّہ میں ایک مکان دارالندوہ تھا۔ اس میں کفار قریش کا مجمع ہوتا اور اس امر کے ریز ولیوشن پاس ہوا کرتے کہ اِن اِن ذرائع سے تبلیغ رسالت روکی جائے۔ چنانچہ ایک بار مسلمانوں پر کفارِ قریش کے سخت تشدد ہوئے تو باجازت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر مسلمان مکہ سے حبشہ وغیرہ چلے گئے۔ پھر کفار نے مشورہ کیا کہ ممکن ہے کہ اہل مدینہ سے مل کر یہ لوگ ان تشددوں کا ہم سے بدلہ لیں۔ بہتر یہ ہے کہ اس سے قبل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کر دیا جائے۔ چنانچہ بذریعہ وحی ارشاد الٰہی ہوا۔ کہ اے ہمارے حبیب تمھارے قتل کے سامان ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اب مدینہ ہجرت کر جاؤ۔ آپ اس حکم کو سن کر دوپہر کے وقت صدیق کے پاس تشریف لائے اور فرمایا مجھے ہجرت کا حکم ہے تمھاری کیا مرضی ہے؟

آپ نے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! صدیق کی جان حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے ہیں۔ تو صدیق کہاں رہ سکتا ہے اور فرطِ محبت سے آنسو نکل آئے۔ پھر آپ نے دو اونٹنیاں اپنے روپیہ سے خرید فرمائیں اور عبد اللہ بن اریقط کو جو مشرک تھا وہ دونوں اونٹنیاں دیں اور پھر فرمایا غار ثور میں یہ اونٹنیاں خفیہ طور سے لے جا کر رکھو اور آج کے تیسرے روز ہمیں وہاں ملو۔ اور اس راز کی کسی کو خبر نہ دینا۔

غار ثور مکہ معظمہ سے جنوب کو پانچ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ مشورہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدیق کے یہاں سے دولت کدہ پر تشریف لائے۔ شب کو نوجوانان قریش ندوہ سے مشورہ کر کے آئے اور باب عالی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی مرتضیٰ کو اپنے بستر پر لٹایا اور فرمایا کہ یہ امانتیں مکہ والوں کی دے کر تم مدینہ آنا اور خود پوشیدہ ابوبکر صدیق کے

یہاں تشریف لے گئے۔ چنانچہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے دونوں مقدس ہستیوں کیلئے سامان سفر مہیا کر لیا تھا۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق مقام غار ثور میں پہنچ گئے۔ علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر کی جلد رابع میں فرماتے ہیں۔ کہ جب دونوں غار ثور پر پہنچے تو صدیق نے پہلے غار میں داخل ہونے کی نیت کی اور اندر داخل ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صدیق! مجھ سے پہلے تم غار میں کیوں آگئے۔ عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غاروں میں اکثر موذی جانور ہوتے ہیں۔ میں نے یہ سوچا کہ اگر کوئی ہو۔ تو مجھے ایذا پہنچائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے محفوظ رکھے۔

صبح تک دولت سرائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار قریش کے نوجوان چاروں طرف رہے۔ علی الصباح معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو صاف نکل گئے اور یہ علی ہیں تو مایوس ہو کر لوٹے اور اعلان کیا کہ جو حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر لائے گا اسے خاطر خواہ انعام ملے گا۔

یہ سنتے ہی سوار چاروں طرف دوڑ پڑے اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے دو تین بار غار ثور پر بھی آئے۔ یہاں تک کہ خود صدیق نے بھی انہیں دیکھا۔ تو آبدیدہ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا لو ان احدھم نظر تحت قدمیہ لیبصرنا یعنی اگر کوئی بھی ان میں سے اپنے قدموں پر نظر ڈال لے گا تو ہمیں ایذا دے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متبسم ہو کر جواب دیا ما ظنک یا ابابکر باثنین اللہ ثالثھما ابو بکر کس خیال میں ہو۔ ہم دو کے ساتھ تیسرا اللہ نگہبان ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدیق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین شبانہ روز اس غار ثور میں پوشیدہ رہے اور عبد اللہ بن ابی بکر شب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے کو آجاتے اور دن نکلنے سے پہلے مکہ پہنچ جاتے دن بھر جو مشورہ قریش میں ہوتے۔ سن کر شب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کر دیتے۔

گویا آپ اسلامی سی۔ آئی۔ ڈی کی خدمت پر مامور تھے۔ اور اس سے سی۔ آئی۔ ڈی کی وجہ جواز بھی ملتی ہے۔ اگر وہ اسلام اور اسلامی حکومت کی بہی خواہی میں دے۔ تو سنت اصحاب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

عامر بن فہیرہ ابو بکر کی بکریاں دن بھر غار ثور ہی کے پاس چرایا کرتے۔ رات کو دودھ والی بکریاں غار کی طرف ہانک دیتے۔ صدیق ان کا دودھ لے لیتے اور پچھلی رات کو عامر وہ بکریاں لے کر چرانے میں مشغول ہو جاتے۔ بالآخر قریش مایوس ہو کر کچھ خاموش ہوئے۔ ان کی تلاش کی سرگرمی ٹھنڈی ہوئی۔ تو تیسرے روز عبداللہ بن اریقط نے اونٹنیاں غار پر لا کر لگا ئیں۔ ایک پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے دوسری پر عبداللہ اور عامر۔ اور مدینہ کا رُخ کیا۔ راستہ میں جو دیکھتا پوچھتا تمھاری اگلی اُونٹنی پر کون سوار ہے؟ آپ فرمادیتے میرا راہنما ہے۔ لوگ سمجھ لیتے کہ سفر کا راستہ بتانے والا ہے چنانچہ سورۂ توبہ میں جناب الٰہی بھی یہی ارشاد فرماتے ہیں اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ یعنی اگر تم ہمارے محبوب کی مدد نہ کرو تو اللہ نے بے شک ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا۔ وہ صرف دو اپنی جان سے تھے اس غار ثور میں پھر جب وہ اپنے یار سے فرماتے تھے غم نہ کرو بےشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھی اور کافروں کی بات نیچے ڈالی اور اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اس آیہ کریمہ کا مورد اگرچہ بدر ہے۔ لیکن مورد کے خاص ہونے

سے بلا مخصص حکم خاص نہیں ہوتا۔

صاحب تفسیر حسینی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سمت غار ثور شب پنجشنبہ کو غرہ ربیع الاول میں روانہ ہوئے اور جب غار میں داخل ہوئے۔ تو بحکم الٰہی کیکر کا درخت اس غار کے منہ پر شب بھر میں پیدا ہو گیا اور صحرائی کبوتر نے گھونسلا بنا کر انڈے دے دیئے۔ اور مکڑی نے جالا پورا لیا۔ کفار قریش شیطان کی مخبری سے یہاں تک آئے تو کبوتر کا گھونسلا اور مکڑی کا جالا دیکھ کر لوٹ گئے کہ یہاں کوئی آیا گیا نہیں۔

اس آیہ کریمہ سے خاص طور پر فضیلت صدیق کا ایسا اظہار ہے کہ قرآن کا ماننے والا انکار نہیں کر سکتا۔ اللہ صدیق کو مصاحب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَاتَحْزَنْ یعنی جب وہ یار سے فرماتے تھے۔ لَاتَحْزَنْ۔ مت ڈرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

کتب سیر میں باختلاف الفاظ ایک قصہ یہ بھی ہے کہ اس غار میں ایک سانپ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ سے منتظر اقبال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ اس نے تصور محبوب وخیال رقیب سے ہزارہا سوراخ غار میں کر رکھے تھے جس کی دو وجہیں تھیں۔

اول یہ کہ فراق محبوب کے تیروں سے جو اس کا سینہ چھلنی تھا اس کا فوٹو اپنے محبوب کو غار کی زمین پر دکھادے یا یہ کہ جب محبوب رونق افروز ہوں تو کہیں کوئی میرا راستہ بند کر کے مجھے محروم دیدار جمال باکمال نہ بنادے۔ بنابریں ہزارہا راہیں کشادہ کر رکھی تھیں کہ اس راستہ کو بند پاؤں تو اس سے نکل کر اس شمع حسن وجمال وقمر توحید پہ پروانہ وار فدا ہو جاؤں۔ اور اگر یہ راہ بھی بند ہو۔ تو اس سے نکل کر جمال محبوب حاصل کر دں۔ چنانچہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سوراخوں کو اپنی ردائے مبارک

سے ٹکڑے کر کے بند کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ ایک سوراخ جب باقی رہ گیا تو چادر ختم ہو گئی۔ آپ نے اپنی جان کی اس جانِ جہان کے مقابلہ میں پرواہ نہ کی اور اپنے بائیں پاؤں مبارک کا انگوٹھا اس میں دے دیا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زانوئے صدیق پر سر ناز رکھ کر خواب فرمایا۔ جب شمیم گیسو نے مشام دماغ عاشق معطر کیا۔ تو بے تابانہ ہر راہ کی طرف پھرا۔ سب مسدود پائیں۔

یہاں کچھ نرمی دیکھ کر اول انگوٹھا چوما۔ مگر آپ نے اس امر کو محسوس فرما کر بھی نہ ہٹایا کہ کوئی میرے انگوٹھے کو سرکا رہا ہے اور سمجھ لیا۔ کہ جان، جانِ عالم پر فدا کرنا سبب بہبودی ہر دو عالم ہے۔ حتیٰ کہ سانپ نے ڈس لیا۔ آپ نے انگوٹھا پھر بھی نہ ہٹایا۔ کہ اتنے میں زہر نے دماغ تک اثر پہنچایا۔ اور بعالم بے حسی پائے اقدس ہٹ گیا۔ آپ رونے لگے۔ آنسو چہرۂ زیبائے محبوب پر گرے۔ آنکھ کھول کے فرمایا۔ صدیق کیا بات ہے؟ عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے سانپ نے ڈس لیا۔ جان کے خوف سے نہیں روتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہائی کا غم رلاتا ہے۔ آپ نے اپنے لعاب دہن سے اس زہر کا ازالہ فرمایا۔ جس کا اثر آپ کی پشتوں میں آج تک ہے۔ یعنی شیخ صدیقی نجیب الطرفین کے بائیں پیر کا غسالہ مار گزیدہ کے لئے اکسیر ہے۔ مختصر یہ کہ وہ سانپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد مثل طائف کعبہ کے چکر لگا رہا تھا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اس واقعہ کو ایک شعر میں بیان فرماتے ہیں ؎

صدیق بلکہ غار میں جاں اس پہ دے چکے
اور حفظ جاں تو جان فرائض غرر کی ہے

غرض کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منازلِ سفر طے فرماتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں شیخ ابن حجر اور عامۂ اہل سیر لکھتے ہیں کہ صدیق اکبر

رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ میں عام الفیل سے ڈھائی برس بعد پیدا ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل میں - اس روایت کے بموجب باعتبار عمر صدیق سے ڈھائی سال بڑے تھے۔

صحیح بخاری کے باب الہجرت میں یوں مندرج ہے اقبل نبی اللہ الی المدینۃ وھو مردف ابا بکر و ابوبکر شیخ یعرف ونبی اللہ شاب لا یعرف یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہو کر آگے چلے اور صدیق اکبر پیچھے تھے۔ تو اس وقت ابو بکر بڈھے معلوم ہوتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جوان - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کم تھی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زیادہ ؛

آپ کے اخلاق یعنی اُسوہ حسنہ

آپ کے اخلاق وسیع اور خوفِ خدا بدرجۂ غایت تھا - آپ اپنی ضرورت سے زیادہ کبھی صرف نہ فرماتے اور مکلّف اغذیہ سے ہمیشہ مجتنب رہتے - حتیٰ کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو زمین پر مردہ کو چلتا دیکھے تو وہ صدیق کو دیکھ لے - چنانچہ مولوی معنوی مثنوی شریف میں اس قصہ کو یوں فرماتے ہیں ؎

مصطفےٰ ازین گفت اے اسرار جو
مردہ خواہی کہ بینی زندہ تو
میرود چوں زندگاں برخاکداں
مردۂ جانش شدہ بر آسماں
جانش را انیدم بہ بالا مسکنی است
گر بمیرد روح او را نقل نیست

زانکہ پیش از مرگ او کردہ است نقل
ایں بمردن فہم آید نے بہ عقل
ہر کہ خواہد کہ بہ بیند بر زمین
مردۂ کو مے رود ظاہر چنیں
مر ابوبکر تقی را گو ببیں
شد زصدیقی امیر المتقین

آپ کے فضائل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لو وزن ایمان ابوبکر بایمان الثقلین لتراجح یعنی اگر ابوبکر کے ایمان کو سارے عالم کے آدمیوں اور جنوں کے ایمان کے ساتھ تولیں۔ تو بے شک ابوبکر کا ایمان بھاری نکلے گا۔

آپ کے فضائل میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوبکر کل قیامت کو خدا سب پر عموماً تجلّی فرمائے گا۔ اور تمھارے ساتھ ایک خاص تجلّی ہوگی ماصبّ اللہ فی صدری شیئی الاصبتہ فی صدر ابوبکر حضرت خواجہ شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے مضمون کو یوں نظم فرماتے ہیں ؎

ہر چہ آں از بارگاہِ کبریا
ریخت در صدرِ شریف مصطفےٰ
جملہ آں در سینۂ صدیق ریخت
لاجرم دائم از و تحقیق ریخت

مختصر یہ کہ آپ غار ثور سے چل کر پہلی یا دوسری یا بارھویں یا تیرھویں بااختلاف روایات ربیع الاول شریف سنہ ہجری روز دوشنبہ مدینہ منورہ پہنچے۔ اہل مدینہ

استقبال کے لئے بیرون شہر حاضر آئے

آپ کی سخاوت اور مرتبہ صدیقی کی شان میں یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۝ یعنی اور بہت اس سے دور رکھا جائے گا۔ جو سب سے بڑا پرہیز گار ہے جو اپنا مال دیتا ہے۔ صاف و پاک ہونے کو اور کسی کا اس پر احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔ وہ صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے۔

صاحب تفسیر حسینی اس آیۂ کریمہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔ کہ بہت جلدی دور کیا جائے وہ عذاب جہنم سے جو بے حد پرہیز گار ہے۔ یعنی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو۔ انہوں نے حضرت بلال کو خرید کر آزاد کیا۔ تو اللہ نے ان کی شان میں یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی۔ آپ کی ہیبت و جلالت شاہی باوجود سادہ زندگی بسر فرمانے کے ایسی تھی۔ کہ مملکت کے علاوہ جس کسی غیر سے بھی ملاقات ہوتی۔ تو وہ صاف صاف بے کھٹکے بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ تورع اس درجہ تک تھا کہ سوائے معمولی غذا کے کبھی کوئی مٹھائی وغیرہ یا مشتبہ غذا نوش نہ فرماتے تھے۔

صدیق کے خصائص

یہ ہیں کہ آپ کی چار پشتیں شرف اسلام سے مشرف ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہیں۔

ابو قحافہ پھر ابو بکر صدیق پھر آپ کے صاحبزادے عبد الرحمٰن پھر ان کے صاحبزادے اور آپ کے پوتے ابو عتیق غار ثور میں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے جان نثار رفیق رہے۔ جنگ بدر میں اخیر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار رہے۔ مردوں میں اسبق بالایمان آپ ہی ہیں۔ قرآن کریم جمع فرمانے میں سب سے پہلے آپ نے ہاتھ بڑھایا۔ سب سے اول خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی ہیں۔ سب میں بڑی بات یہ کہ اول سے زندگی بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا۔ بعد انتقال بھی پہلوئے حبیب میں ہی مدفون ہوئے۔ آپ کی مہر پر نعم القادر اللہ کندہ تھا۔

آپ کی نظر میں اہل اسلام غریب امیر صغیر کبیر حرؓ اور آزاد فقیر رئیس مرد عورت سب برابر تھے۔ جب کچھ تقسیم فرماتے۔ سب کو برابر دیتے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اعتراض فرمایا۔ تو آپ نے جواب دے دیا کہ سابقین اولین اگر سب سے پہلے ایمان لائے ہیں تو اس کا اجر خدا کے ذمہ ہے۔ یہ دنیا ہے۔ یہاں سب مسلمان برابر ہیں۔

موسم سرما میں گرم کپڑے اور کمبل خرید کر بیوہ عورتوں یتیم بچوں کو تقسیم فرماتے۔ ہر روز بازار جاکر عورتوں مردوں کے سودے خرید لاتے۔ اکثر اپنی بکریاں جنگل سے چرا لاتے اور ان کا دودھ دوہ کر غربا کو پلاتے۔ جب آپ خلیفہ ہو گئے تو ایک عورت نے جو بیوہ تھی آہ سرد بھر کے عرض کی۔ ابو بکر اب تو تم خلیفہ ہو گئے۔ اب ہمیں دودھ کیوں لاکر دینے لگے۔ آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا نیک بخت خلیفہ ہو جانے سے تیری خدمت مجھ پر فرض ہو گئی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب تک آپ زندہ رہے۔ سب خدمات بدستور کرتے رہے۔ آپ ۱۵ دن بخار میں رہے اور گھر سے باہر تشریف نہ لا سکے۔ ان ۱۵ دنوں میں آپ کی اجازت سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز کی امامت فرمائی۔

مورخین کا اتفاق ہے کہ صدیق رضی اللہ عنہ نہایت اعلیٰ حاکم، منصف مزاج، متحمل، سادہ دل اور اپنے ذاتی نفع سے بے تعلق خلیفہ تھے۔ غرض کہ آپ کی تمام زندگی اتباع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گزری۔

حالاتِ وفات

آپ کے حالات وفات مختصر یوں ہیں کہ ایک سال قبل از وفات کسی نے آپ کو کھانے میں زہر دے دیا۔ آپ نے حارث بن کلدہ کے ساتھ وہ کھانا نوش فرمایا۔ حارث طبیب تھے انھوں نے زہر محسوس کر کے آپ سے عرض کی کہ اس کھانے میں یقیناً زہر تھا اور یہ زہر ایسا ہے کہ ایک سال بعد اس کا اثر ظاہر ہوگا۔ ممکن ہے کہ آپ اور ہم ایک ہی دن دنیا سے رخصت ہوں۔ اکثر مورخوں کا بیان ہے کہ حسب پیشگوئی حارث دونوں نے ایک ہی تاریخ میں انتقال فرمایا۔

ابتداءً آپ کے مرض کی یہ ہوئی۔ کہ ایک روز بوجہ شدت گرمی سرد ہوا میں غسل فرمایا۔ جس سے آپ کو بخار ہوا۔ ایام مرض میں لوگوں نے عرض کی اجازت ہو تو علاج کرایا جائے آپ نے فرمایا میرے طبیب نے مجھ سے کہہ دیا ہے فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ جو اللہ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اس جواب سے جو سمجھنا تھا سب نے سمجھ لیا اور خاموش ہو گئے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انتقال کے دن آپ بیہوش ہو گئے۔ میں غم مفارقت میں رو رہی تھی کہ کچھ افاقہ ہوا۔ آپ نے فرمایا جَاءَتْ سَکْرَۃُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ۔ یعنی موت کی غشی ضرور آئے گی اور یہی وہ حالت ہے۔ جس سے انسان بھاگتا ہے۔ پھر مجھ سے دریافت فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں کیا گیا تھا۔ میں عرض کی۔ قمیص عمامہ کے سوا تین کپڑے تھے اور وہ سحول علاقہ یمن کے بنے ہوئے تھے۔ اس کے بعد پوچھا کس دن انتقال فرمایا۔ میں نے عرض کی دوشنبہ کے دن انتقال فرمایا۔ اور آج دوشنبہ ہے۔ آپ نے دعا کی الٰہی مجھے بھی اپنے محبوب کے روزِ

وفات میں مار۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا بیٹی۔ عائشہ! یہ کپڑا جو اس وقت میرے جسم میں ہے۔ اس میں مجھے ایک دھبہ زعفران کا نظر آتا ہے۔ اس داغ کو دھو ڈالو اور دو کپڑے اور ملا کر مجھے کفن دے دینا۔ یہ سن کر میں رونے لگی۔ آپ نے فرمایا بیٹی روتی کیوں ہو۔ یہ دن سب کے لئے ہے۔ میں نے عرض کی ابا جان! یہ کپڑا نہایت پرانا ہے۔ آپ نے فرمایا الحی الی الجدید من المیّت انما ھو للمھنۃ والصدید زندہ بہ نسبت مردہ کے نئے کپڑے کا زیادہ محتاج ہے اور کفن قالب انسانی کے لئے ہے۔ جو خون وریم سے ہوتا ہے۔

آپ کا انتقال شب سہ شنبہ ۲۲ جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ مطابق سنہ ۶۳۴ء کو ہوا اصحاب اصابہ آپ کی عمر مبارک ۶۳ سال لکھتے ہیں۔ امام ابن قتیبہ اس سے زائد بتلاتے ہیں۔

آپ کی مدت خلافت ۲ سال ۳ ماہ ۲۶ یوم ہے اور ایک روایت سے ۲ سال ۳ ماہ ۱۰ یوم ہے۔

وقت انتقال آپ نے وصیت فرمائی۔ کہ مجھے میری بیوی اسما بنت عمیس غسل دیں اور میرے بیٹے عبدالرحمٰن ان کی امداد میں رہیں۔ ان کے سوا کوئی میرے بدن کو برہنہ نہ دیکھے۔ دم واپسیں آپ کی زبان مبارک پر یہ لفظ تھے اَللّٰھُمَّ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔ یعنی اے الٰہی! مجھے دنیا سے مسلمان اٹھا۔ اور اپنے نیک بندوں میں ملا۔ آپ کا جنازہ مبارکہ اس تخت پر اٹھایا گیا۔ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرمایا کرتے تھے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور حجرہ صدیقہ میں حضور سیّد یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پہلو آپ کو سلایا۔ آپ کا شب میں انتقال ہوا اور

شب میں ہی مدفون ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ابن اثیر لکھتے ہیں کہ آپ نے اپنی مرض کے تشدد میں عبدالرحمٰن بن عوف کو بلا کر عمر فاروق کی خلافت کی بابت مشورہ کیا۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ کے خیال سے وہ زیادہ ہیں۔ آپ جتنا بزرگ انہیں سمجھتے ہیں اللہ نے انہیں اس سے زیادہ رتبہ عطا فرمایا ہے۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مشورہ فرمایا۔ آپ نے تہ دل سے اقرار کیا۔

اب یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ بموجب توہم حضرات شیعہ اگر صدیق (معاذاللہ) خود غرض اور مطلب آشنا ہوتے۔ تو اس خلافت کو فاروق کے لئے تجویز نہ فرماتے۔ بلکہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو نامزد کرتے۔ آپ کے دو صاحبزادہ عبدالرحمٰن اور محمد موجود تھے۔ ان میں عبدالرحمٰن تو بڑے جری اور شجاع عادل منصف مزاج تھے۔ جنگ یمامہ میں آپ نے بڑے بڑے کارنمایاں فرمائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدیق بہی خواہی قوم اور شریعت حقہ کے پیرو تھے۔

آپ کی ازواج و اولاد

زمانۂ جہالت میں آپ نے دو نکاح کئے۔ اول قبیلہ بنت عبدالعزیٰ سے جو آپ کی زندگی میں مری۔ اس سے ایک صاحبزادہ عبداللہ ہوئے اور ایک صاحبزادی اسماء ہوئیں۔ دوسرا عقد ام رومان وعد بنت عامر بن عمیر کنانی سے ہوا۔ ان سے ایک صاحبزادہ عبدالرحمٰن اور حضرت صدیقہ پیدا ہوئیں بعد اسلام مدینہ میں دو نکاح کئے۔ پہلا اسماء بنت عمیس سے۔ ان سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ حضرت اسماء کا پہلا نکاح حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ ان کے شہید ہو جانے کے بعد صدیق اکبر کے نکاح میں آئیں۔ دوسرا حبیبہ بنت خارجہ

بن زید انصاری سے جو صدیق کی وفات کے وقت حاملہ تھیں۔ آپ کی وفات کے بعد ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ یہ تینوں آپ کی وفات کے بعد زندہ رہیں۔ ایک صاحبزادہ عبداللہ آپ کی زندگی میں انتقال کر گئے۔ اور دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں حضور کے بعد زندہ رہیں۔

آپ کا نسب ساتویں پشت مرہ بن کعب تک پہنچنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔ بنا بریں صدیق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یک جدی ہیں۔ آپ کے والد کا نام عثمان تھا اور کنیت ابو قحافہ۔ ابو قحافہ آپ کی وفات کے بعد ۶ برس کچھ دن زندہ رہے اور ۹۷ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

حضرت صدیق کی والدہ ماجدہ سلمیٰ بنت صخر بن کعب بن سعد بن قیم ہتیمی اور کنیت ام الخیر۔ آپ کے ماں باپ دونوں آپ کے اسلام کے بعد مسلمان ہو گئے۔

آپ کا حُلیہ مبارک

کشیدہ قامت۔ چھریرا بدن۔ رنگ سفید زردی مائل۔ پیشانی ابھری ہوئی۔ رخساروں پر گوشت کم ہونے کی وجہ سے رگیں چہرہ پر نمایاں۔ داڑھی میں مہندی اور کسوم کا رنگ۔

ذکرِ خلافت و وفات فاروق اعظم

اب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت و وفات کا تذکرہ بھی حسب موقعہ ضروری ہے۔ اگرچہ ان کے حالات خلافت لکھنا بیکار ہیں۔ اس واسطے کہ ان

کے زمانہ خلافت کو تو مخالف تک تسلیم کر رہے ہیں۔

آپ کی ابتدا خلافت یوں ہوئی۔ کہ بعد مشورہ اجلہ صحابہ عثمان بن عفان سے وصیت نامہ لکھوا کر اسے مزین بمہر کیا۔ پھر بموجب حکم صدیق اس کی نقول چاروں طرف امراء عرب کے نام جاری فرمادیں۔ پھر فاروق کو بلا کر کہا۔ آپ نے انکار کیا اور فرمایا۔ میں اتنی زبردست ذمہ داری کا بار اٹھانے کے قابل نہیں۔ غرض کہ ہر طرح جب آپ مجبور ہو گئے تو اقرار کر لیا۔

آپ جمادی الآخر ۱۳ھ میں مسند آرائے سریر خلافت ہوئے۔ دس سال چند ماہ آپ نے خلافت کی۔ اس دس سالہ خدمت اسلام نے سلاطین عالم میں تہلکہ ڈال دیا۔ روئے زمین میں تخم عدل وانصاف کی وہ بہار ہوئی۔ کہ تمام دنیا راستبازی دیانت داری کی بے بہا دولت سے مالامال ہو گئی۔ فتوحات اس درجہ ہوئیں۔ کہ آج تک ملک وسلطنت کے والی حیرت میں ہیں۔ آپ کے لشکر کے آگے آگے فتح نصرت علم ظفر لئے چلتی تھی۔ شجاعت وبہادری آپ کے ہر لشکری کے قدم چومتی تھی بڑے بڑے فریدوں فر جبروتی شان والے تاج قدموں میں آئے۔ رعب وہیبت کا یہ حال تھا کہ بہادران عالم لرزتے تھے بڑے بڑے قاہر سلطنت والے خوف سے آرام کی نیند نہ سو سکتے تھے۔ اور پھر لطف یہ کہ باوجود اس دبدبہ وعظمت کے آپ کی تمام زندگی درویشانہ گزری۔ شب و روز عبادت الٰہی میں رہنا۔ خوف خدا سے زاری کرنا آپ کا شیوہ تھا۔ آپ ہی کے عہد میں سن ہجری مقرر ہوا۔ آپ ہی نے بلاد وامصار میں تراویح کی جماعتیں قائم فرمائیں۔

ابن عساکر ابن زیاد سے راوی ہیں کہ جب حضرت علی مسجد میں تشریف لائے۔ تو انہوں نے مساجد کو قندیلوں سے روشن پا کر فرمایا۔ خدا عمر کی قبر روشن

کرے۔ جنہوں نے ہماری مسجدوں کو منور کیا۔

سیرۃ حلبی جلد دوم میں ہے اَوَّلُ من فعل ذالک عمر بن الخطاب فانہ اجمع الناس علی ابی ابن کعب فی صلوٰۃ التراویح علّق القنادیل فلمارٰاھا علیؓ تزھر قال نورت مساجدنا نور اللہ قبرک یاابن الخطاب یعنی سب سے پہلے مسجد میں حضرت عمر نے روشنی فرمائی۔ جبکہ لوگ تراویح کو جمع ہو رہے تھے۔ حضرت علی تشریف لائے۔ تو آپ نے مسجدیں جگمگاتی ہوئی دیکھیں۔ آپ نے فرمایا ہماری مسجدیں تم نے منور کیں اور اللہ تمھاری قبر منور کرے اے ابن خطاب۔

غنیۃ الطالبین جلد دوم میں حضور غوث الثقلین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے اس طرح ناقل ہیں ان علیا رضی اللہ عنہ اجتاز بالمساجد وھی تزھر بالقنادیل والناس یصلون التراویح فقال نور اللہ عز وجل علی عمر قبرہ کما نور مساجدنا یعنی جب حضرت علی مساجد میں تشریف لائے تو مسجدیں روشنی سے جگمگا رہی تھیں اور لوگ نماز تراویح پڑھ رہے تھے۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا اللہ عمر کی قبر منور کرے۔ جیسے اُنھوں نے ہماری مسجدیں روشن کیں۔

مسجد نبوی کی توسیع آپ نے ہی فرمائی۔ آپ نے ہی حجاز سے یہود کو نکالا۔

آپ کی کرامات بے حد ہیں۔ منجملہ اس کے چند نذرِ ناظرین کرتا ہوں۔

کراماتِ فاروق

ایک بار دریائے نیل خشک ہو گیا۔ یہاں یہ قاعدہ تھا۔ کہ جب یہ خشک ہونے لگتا تو ایک لڑکی کو زیورات سے آراستہ کر کے اس میں ڈالتے تب

کہیں وہ متموّج ہوتا۔ زمانہ فاروق میں بھی یہی قصہ پیش آیا۔ یہاں کے حاکم سے پبلک نے اس فعل شنیع کی اجازت طلب کی۔ آپ نے صاف منع کر دیا۔ خشک سالی ترقی پر ہوئی مختصر یہ کہ مصر سُونا ہونے لگا۔ مجبوراً آپ نے خلیفۃ المؤمنین فاروق کی خدمت میں تمام قصہ معہ اس بھینٹ والے قصہ کے لکھ کر بھیجا۔ آپ نے جواب تحریر فرمایا کہ تم نے جو کچھ کیا بہت اچھا کیا۔ قتل نفس اول حرام پھر وہ بھی غیر خدا کے نام۔ ہمارا یہ نامہ نیل میں ڈال دینا۔ انشاء اللہ وہ جاری ہو جائے گا۔ نامۂ نامی میں یہ مضمون تھا من خلیفۃ رسول الامین الی البحر النیل۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کی طرف سے دریائے نیل کے نام یہ نامہ ہے۔ اے نیل اگر تو اپنی قوت سے خشک ہو رہا ہے تو تجھے اختیار ہے۔ اور اگر خدا کا خشک کیا ہوا ہے۔ تو میں جناب الٰہی میں عرض کرتا ہوں کہ تجھے وہ جاری کر دے۔

تمام اہل مصر موافق مخالف ساحل نیل پر جمع ہوئے اور متحیر تھے۔ کہ یہ عجیب سلطنت ہے کہ اس کا بادشاہ دریاؤں کے نام فرمان جاری کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ نامۂ مبارک نیل میں ڈال دیا گیا۔ ادھر ڈالنا تھا۔ کہ وہ ہمیشہ سے زیادہ متموج ہو گیا۔ بادشاہ مصر کو آپ کا سخت خوف رہتا تھا۔ آخرش اس خوف سے نجات پانے کے لیے اس نے حکماء سے زہر تیار کرایا۔ قاصدوں کو زہر لے کر بھیجنا چاہا۔ مگر سب جان کے خوف اور ہیبت فاروقی سے قدم آگے نہیں بڑھاتے تھے۔ غرض کہ ایک عمر رسیدہ بہت کچھ مال و دولت کے لالچ میں جان پر کھیل کر تیار ہوا۔ شیشہ لے کر چلا۔ یہاں آیا تو عجیب قصہ دیکھا۔ جس کو مولانا روم مثنوی میں فرماتے ہیں۔

م

بر عمر آمد ز قیصر یک رسول
در مدینہ از بیابان نغول

گفت کو قصر خلیفہ اے حشم
تا من اسپ و رخت را آنجا کشم

ترجمہ
آیا قاصد قیصری نزد عمر
اور مدینہ میں ہوا اس کا گزر
بولا قصر شاہی کس جا ہے یہاں
تاکہ ٹھہروں اس جگہ میں مہماں

م
قوم گفتندش کہ اورا قصر نیست
مر عمر را قصر جاں روشنی ست

ترجمہ
قوم بولی کہ محل تو اس کا نہیں
قصرِ فاروقی ہے دل جاں میں نگیں

م
اے برادر چوں بہ بینی قصر او
چونکہ در چشم دلت رست است مو
چشم دل از موئے علت پاک دار
وانگہاں دیدار قصرش چشم دار

ترجمہ
تجھ کو اس کا محل کیا آئے نظر
علت حرص و ہوا ہے سربسر
چشمِ دل سے ان حجابوں کو نکال
پھر نظر اس فاقصر فاروقی پہ ڈال

م
ہر کرا ہست از ہوسہا جان پاک
زود بیند حضرت و ایوان پاک

ترجمہ
جو بھی عرص وآز سے ہو جائے پاک
جائے اور دیکھے وہی ایوان پاک

مختصر یہ کہ سب سے پوچھا۔ سب نے یہی جواب دیا کہ میاں اس کا قصر عالی عرش معلیٰ پر ہے وہ خلیفۃ اللہ ہیں ۔ دنیاوی بادشاہ نہیں۔ قاصد یہ سُن کر وہیں عقیدت کیش ہوا اور آفتاب ہدایت اس کی پیشانی پر چمکا۔ لوگوں سے پوچھتا ہوا چلا حتی کہ ایک اعرابی عورت نظر آئی۔ اس سے پوچھا۔ تو اس نے کہا

م
دید اعرابی زنے اورا دخیل
گفت عمر اینک بزیر آں نخیل
زیر خرما بن زخلقاں او جُدا
زیر سایہ سایۂ ذاتِ خدُا

ترجمہ
دیکھا اک عورت نے اس مہمان کو
بولی خرموں میں عمر ہیں دیکھ لو
نیچے خرموں کے ہیں وہ سب سے جدا
گویا سایہ میں ہے وہ ظلِّ خدُا

م
آمداو آنجا و ازو دور ایستاد
مرعمر را دید در لرزہ فتاد
ہیبتے زاں خفتہ آمد بر رسول
حالتے خوش کرد بر جانش نزول

ترجمہ
دُور کچھ آکر کھڑا وہ ہوگیا
پھر عمر کو دیکھ کر تھرانے لگا

ایسی ہیبت سوتے کی اس پر پڑی
شیر سے جیسے نگاہیں ہوں لڑی

لرزتا ہوا دل میں کہنے لگا۔ میں بڑے بڑے بادشاہوں میں گیا مگر یہ ہیبت کسی کی مجھ پر نہ پڑی۔ آخر سبب کیا ہے سوچ سمجھ کر صاف کہنے لگا۔

م
ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست
ہیبتِ ایں مرد صاحب دلق نیست
ہر کہ ترسد از حق و تقوےٰ گزید
ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید
اندریں فکرت بحرمت دست بست
بعد یک ساعت عمر از خواب جست

ترجمہ
حق کی ہیبت ہے نہیں یہ خلق کی
ایسی ہیبت کیا ہو صاحب دلق کی
جو ڈرا حق سے ہوا وہ سب پہ شیر
اس سے خائف جن و انساں اور دلیر
پھر ادب سے دست بستہ ہو کھڑا
منتظر اس شاہِ خوباں کا رہا
بعد ساعت خواب سے اُٹھے عمر
مثلِ نورِ حق مثالِ شیرِ نر

غرض کہ آیا تھا قتل کرنے کو مگر قتیلِ خنجرِ عشق و مقتولِ تیغ ہیبت اسلام ہو کر شرفِ اسلام سے مشرف ہو گیا۔

چونکہ رسالہ بہت ضخامت پا چکا ہے اور مضامین ابھی بہت باقی ہیں۔ لہٰذا

مختصر کرتا ہوں۔ جی تو یہ چاہتا ہے کہ ان ہستیوں کے فضائل لکھنے میں تمام عمر کے شب و روز گزار دوں اور اسی ذکر میں خاتمۂ عمر کروں مگر مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔

غرض کہ ۲۳ ہجری میں آپ ابو لؤلؤ مجوسی کے ہاتھ سے مسجد میں شہید ہوئے۔ جب آپ کے اس خبیث کا زخم لگا۔ تو آپ کی زبان مبارک پر یہ جملہ تھا وَکَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقۡدُوۡرًا۔ پھر فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ میری موت کسی مدعی اسلام کے ہاتھ سے نہیں ہوئی۔ آپ کو باجازت حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا بہ پہلوئے سرور کائنات علیہ افضل التحیات صدیق اکبر کے برابر مدفون کیا گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ آپ نے امر خلافت کو ارباب شوریٰ کے سپرد فرمایا۔ آپ کی مہر مبارک پر کَفٰی بِالۡمَوۡتِ وَاعِظًا کندہ تھا۔

عثمان بن عفان اور آپ کی خلافت کے حالات

اب خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حالات خلافت و وفات پیش کش ہیں۔

آپ کا نسب نامہ:۔ عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب۔ بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب ہے۔

آپ کی ولادت عام الفیل سے چھٹے سال ہوئی۔ آپ کو اسلام کی دعوت حضرت صدیق نے دی۔ آپ نے دونوں ہجرتیں فرمائیں۔ پہلے حبشہ کی دوسری مدینہ منورہ کی۔

آپ کے عقد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں آئیں۔ پہلی

حضرت رقیہ ان سے عقد قبل از اظہار نبوت ہوا۔ پھر انہوں نے زمانہ بدر میں وفات پائی۔ ازاں بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ مدینہ میں رہ گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم کو آپ کے عقد میں دے دیا۔ ان کی وفات ۹ ہجری میں ہوئی۔

علمائے تاریخ کا فیصلہ ہے کہ دنیا میں سوائے عثمان غنی کے کوئی ایسا شخص نہیں جس کے عقد میں کسی نبی کی دو صاحبزادیاں آئی ہوں۔ اسی وجہ سے آپ کو ذی النورین کہا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان ہستیوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں۔ جس کو باعتبار صحابیت دوسرے پر فضیلت دی جائے۔ علی اگر آفتاب ہیں تو یہ ماہتاب۔ صدیق اگر زہرۂ آسمان نبوت ہیں تو فاروق مشتری سمار ملکوت۔ علی اگر مالک ولایت ہیں تو عثمان صاحب مسند باغ جنت۔ سب عاشق دلدادۂ مصطفےٰ۔ سب مجنون کوچۂ محبوب خدا۔ سب بادۂ وحدت کے متوالے اور زمین آسمان کے مالک کے مسند نشیں۔ رہا مرتبۂ فضیلت تو اس میں احادیث کے اندر سب کے علیٰحدہ علیحدہ مناقب ہیں۔ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں انا مدینۃ العلم وعلی بابہا آیا ہے تو جناب صدیق کی شان میں افضل البشر بعد الانبیاء ابوبکر الصدیق موجود ہے اور فاروق کے لئے لوکان بعدی نبی لکان عمر موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے حقائق و واقعات زندگی تمام و کمال مملو بہ عشق و محبت ہیں۔ ان کے مسلک کا مخلص یہی ہو سکتا ہے۔ جس کو سعدی علیہ الرحمۃ نے ایک قطعہ میں نظم فرمایا ہے فرماتے ہیں۔

خوشتر از دورانِ عشق ایام نیست
بامدادِ عاشقاں را شام نیست

مطرباں رفتند صوفی در سماع
عشق را آغاز ہست انجام نیست
بادِ صبح خاک شیراز آتش تست
ہر کہ ایں دارو گرفت آرام نیست
سعدیا چوں بت شکستی خود مباش
خود پرستی کمتر از اصنام نیست

ان ائمہ اربعہ میں باہمی رشتہ محبت اس درجہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا اسد اللہ کرم اللہ وجہہ سے آپ کے متعلق پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا یہ وہ شخص ہے کہ ملاء اعلیٰ میں ذوالنورین کے نام سے مشہور کیا گیا ہے۔

آپ کی والدہ اردی بنت کریز ہیں۔ اور آپ کی نانی ام حکیم بیضا بنت عبد المطلب بن ہاشم یہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے ساتھ جوڑلی پیدا ہونے والی ہمشیرہ ہیں۔ حضرت عثمان کی والدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔ ان کا حسن و جمال عرب میں مشہور تھا۔ آپ کے اسلام لے آنے کے بعد آپ کے چچا حکیم بن ابی العاص نے آپ کو باندھ دیا اور کہا کہ جب تک تم اپنے پرانے مذہب کا اقرار نہ کرو گے میں نہ چھوڑوں گا۔

حضرت عثمان نے فرمایا۔ خدا کی قسم میں اس دین کو کبھی نہ چھوڑوں گا۔ چاہے اس ہی مصیبت میں میری جان نکل جائے۔ حکیم نے جب آپ کا یہ استقلال دیکھا چھوڑ دیا۔ آپ سیدھے دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ وہ شخص ہے۔ جس سے ملائکہ شرماتے ہیں۔

عبد الرحمٰن بن خباب سے ترمذی شریف میں ہے کہ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ عسرت کے لئے کچھ فرما رہے تھے۔ اثنائے تقریر

میں تین بار حضرت عثمان غنی نے سو سو اُونٹ معہ سامان پیش کئے۔ یعنی تین سو اُونٹ معہ سامان اللہ واسطے نذر کئے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عثمان پر اب کچھ نہیں۔ یعنی اگر عثمان نوافل اور خیرات اب بھی کرے۔ تو یہ اس کے لیے کافی ہے۔

بیعت رضوان کے وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ کسی کام کے لئے بھیجا تھا۔ تو آپ نے فرمایا عثمان اللہ و رسول کے کام میں ہیں۔ لہذا اپنے دائیں ہاتھ کو فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور اپنے بائیں ہاتھ کو اس پر رکھ کر ان کی غائبانہ بیعت لی۔

اخلاص اور للّٰہیّت

اس درجہ کی تھی۔ کہ خلافت کے بارہ میں عبدالرحمٰن بن عوف نے آپ سے کہا اگر میں آپ سے بیعت نہ کروں۔ تو آپ کس کے لئے رائے دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا علی شیر خدا کے لئے اور جب حضرت علی سے پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا ذی النورین کے لئے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے انتقال کے تین روز بعد حسب رائے متفقہ آپ خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ کے عہد مبارک میں روم درے کے قلعہ۔ دار بجرد۔ ارجان۔ سابور۔ افریقہ۔ سابور۔ اندلس۔ خراسان۔ طوس۔ نیشاپور۔ مرو۔ سرخس۔ بیہق فتح ہو چکے تھے۔ ۲۶ھ میں آپ نے کعبہ مقدسہ کی توسیع فرمائی اور ۲۹ھ میں مسجد نبوی کو حجر ہائے منقوشہ سے مزین کر کے اور وسعت دی اور عمود حجری قائم فرمائے۔ مسجد کی چھت چوب سال کی بنوائی۔ جس کا طول ۱۶۰ گز اور عرض ۱۵۰ گز تھا۔ آپ کی

خلافت کا دور ۱۲ سال رہا۔ ۳۵ھ میں شہادت پائی۔ آپ کی شہادت بلوائیوں کے شر سے ہوئی۔ اس کا مختصر قصہ یوں ہے:۔

واقعات شہادت ذی النّورین

آپ کی خلافت کے ساتویں سال آپ کے اعزا و اقربا نے جو اطراف ملک میں عامل مقرر تھے۔ رعایا پر جبر و تشدد شروع کر دیا۔ فسق و فجور میں بھی قدم بہت زیادہ بڑھالئے تو ہر طرف سے شکایتیں آنے لگیں۔ عبداللہ بن سرج حضورؐ کا رضاعی بھائی ان ایام میں حاکم مصر تھا۔ اس نے تو اس شر انگیزی میں اتنی ترقی کی کہ سب سے بڑھ کر ہر دم نشہ میں چور ہر وقت انہماک فسق و فجور۔ حتیٰ کہ فجر کی دو رکعت فرض پڑھانے شروع ہوا۔ نشہ میں تھا چار پڑھا دیں۔ پھر سلام پھیر کر کہنے لگا۔ چاہو تو اور پڑھا دوں۔ اہالیان مصر جمع ہو کر تنگ آ کر مدینہ آئے اور حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے سب قصہ عرض کیا۔ آپ نے اسے معزول کر دیا۔ اور فرمایا اب تم جسے پسند کرو اس کو تمہارا حاکم بنا دیا جائے۔ سب نے محمد بن ابی بکر کو منظور کیا۔ آپ نے انہیں کے ہاتھ سند لکھوا کر مصر روانہ کرا دی۔ خلیفۃ المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا میر منشی یا سر رشتہ دار یا دیوان مدار المہام مروان تھا۔ رشتہ میں آپ کا سالہ بھی تھا۔ اس کو محمد بن ابی بکر سے خاص عداوت تھی۔ مصری مجمع وہ سند لے کر ادھر روانہ ہوا۔ ادھر اس بے دین نے حضرت عثمان سے خفیہ ایک اور فرمان لکھا جو عبداللہ بن سرج سابق حاکم مصر کے نام تھا۔ اس میں لکھ دیا۔ کہ محمد بن ابی بکر جب تمہارے پاس پہنچے اسے علی الفور قتل کر ڈالنا۔ اور بلا اجازت امیر مہر بھی لگا دی۔ اور آپ کے غلام خاص کو دے کر آپ ہی کی خاص سانڈنی پر سوار کر کے روانہ

کر دیا۔ اور تاکید کی کہ اس قافلہ سے پہلے پہنچ۔ آپ کو اس جعلسازی کی اصلاً خبر نہیں تھی۔

وہ غلام راستہ میں کسی منزل پر گرفتار ہوا۔ جنہوں نے اسے پکڑا وہ مصری ہی تھے اور اس غلام کو جاننے والے بھی تھے کچھ نہ کہہ سکا۔ آخر ش اقرار کرتے ہی بن آئی اور صاف کہہ دیا کہ مروان کا فرستادہ مصر جا رہا ہوں۔ پوچھا تیرے پاس کوئی فرمان ہے انکار کیا۔ تلاشی لی تو سر بمہر لفافہ برآمد ہوا۔ پڑھا تو وہ مضمون تھا۔

رقعہ غلام سانڈنی سب لے کر اہل مصر واپس آئے اور امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے وہ فرمان دیکھ کر حیرت کی اور فرمایا۔ مجھے اس کا قطعی علم نہیں۔ عرض کیا گیا غلام کس کا ہے۔ فرمایا میرا۔ سانڈنی۔ میری۔ پوچھا مہر کس کی۔ فرمایا خاص میری۔ مگر جس نے بھی لکھا اور مُہر کی۔ میری بے علمی میں کی۔ آخر ش سب نے کہا۔ اُس لکھنے والے کو ہمارے سپرد کیجئے۔ آپ نے فرمایا تم کون لینے والے۔ تمھیں اس سزا دینے کا مجاز نہیں۔ ابھی میں خلیفہ ہوں۔ میں اُسے خود سزا دوں گا۔

مختصر یہ کہ ضد و کد میں نفسانیت نے اہل مصر کے دل میں آگ بھڑکا دی اور مصر والے کہہ اُٹھے۔ کہ ہم آپ کو خلیفہ نہیں مانتے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے اہالیانِ مصر! عفان کے بیٹے کو دنیا کی ہوس نہیں۔ مگر اطاعت محبوب خدا میں اسے اپنی جان دینا منظور ہے۔ میرے حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا۔ کہ عثمان میرے بعد تجھے ایک خلعت پہنایا جایا جائے گا۔ پھر مفسد اسے اتروائیں گے۔ تم اسے ہرگز نہ اتارنا یہاں تک کہ مجھ سے ملو۔ میں سمجھ رہا ہوں۔ کہ وہ خلعت یہی خلافت ہے اور تم اسے اترواتے ہو۔ لہٰذا میں اس کو ہرگز نہ اتاروں گا۔

مصریوں نے کہا تو لڑائی کی فکر کیجئے۔

غرض چھ دن تک علی التواتر پانی بند رہا۔ گفتگو میں برابر مصری اپنی ضد پراڑے رہے۔ حضرت عثمان وہی ایک جواب دیتے رہے۔ آخر نفس پرستوں نے یہ رائے تجویز کی کہ آج شب کو گھر میں گھس کر آپ کو شہید کر دیا جائے۔

حضرت مولیٰ علی شیر خدا اسداللہ کرم اللہ وجہہ کو جب یہ خبر پہنچی۔ آپ نے دو مشکیزے بھروا کر حضرات حسنین کے کندھوں پر رکھوا کر بھجوائے۔ مصریوں نے تیروں سے مشکیزے توڑ دیئے پانی نہ پہنچنے دیا۔ مجبوراً آپ نے شہزادگان کو دروازہ عثمان پر تلوار دے کر محافظت پر کھڑا کر دیا۔ اور فرمادیا۔ جب یہ لوگ اندر جانے کا قصد کریں۔ میں مسجد میں ہوں۔ مجھے اطلاع دینا۔

مصر والوں نے دوسری تدبیر کی۔ وہ یہ کہ عقب دارالخلافہ ایک ہمسایہ کے مکان میں سے دیوار توڑ کر دارالخلافہ میں گھس گئے۔ آپ اس وقت قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اُنہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور تلاوت کرتے ہوئے اس ذی النورین کو شہید کیا۔ آپ کی زوجہ مبارکہ اُوپر چڑھیں اور بے تابانہ پکاریں الا ان امیر المومنین قَدْ قُتِلَ یہ آواز مرتضیٰ شیر خدا کے گوش میں پہنچی۔ گھبرائے ہوئے اُٹھے۔ سیدھے دروازہ پر آئے۔ دیکھا کہ شہزادہ موجود ہیں۔ آپ ناراض ہوئے اور فرمایا۔ تمھارے ہوتے ہوئے یہ مفسدین کس طرح گھسے۔ شہزادوں نے فرمایا۔ آپ اندر جا کر ملاحظہ کریں۔ ہم نے یہاں سے کسی کو اندر نہیں جانے دیا۔ اندر گئے تو صورت ہی دوسری تھی۔ مجبور روتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ بلوائیوں نے اب بھی اپنی آتش غضب منطفی نہ کی۔ بلکہ تین روز تک لاش مبارک کو نہ اُٹھانے دیا۔ آخر چوتھے روز کچھ مسلمانوں نے حکمت عملی سے پوشیدہ طور پر آپ کی نعش مبارک اٹھائی۔ اور بموجب وصیت آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا۔

آپ کی شہادت ایام تشریق ذوالحجۃ الحرام میں ہوئی۔ یوم شہادت شنبہ ہے۔ وقت شہادت آپ کی عمر مبارک ۸۲ سال تھی۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت زبیر نے پڑھائی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

معتبر روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ پر یورش کرنے والے اکثر مجنون ہوگئے۔ مختصر یہ کہ پھر بارہا انکار کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مسند آرائے خلافت ہونا پڑا۔

ہم حضرات شیعہ کی طرح کبھی اس امر کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ معاذاللہ اس قتل میں ایماء علی رضی اللہ عنہ تھا لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّابِاللّٰہِ۔ جبکہ آپ خود فرماتے ہیں کہ الٰہی میں تیرے حضور خون عثمان سے بری ہوں۔ یہ بھی فرمایا کہ جب مجھے کسی نے امیرالمومنین کہا۔ عثمان یاد آگئے اور میرے دل کے ٹکڑے ہوگئے۔ وغیرہ وغیرہ

اس معاملہ میں الطاف حسین صاحب حالی سے ہم متفق ہیں۔ خدا کرے خلفاءراشدین کے معاملہ میں ہر مسلمان کا یہی عقیدہ رہے۔ آمین بحرمۃ النبی الامین۔ وہ فرماتے ہیں

جب امت کو سب مل چکی حق کی نعمت
ادا کر چکی فرض اپنا رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت
نبی نے کیا خلق سے قصدِ رخصت
تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی
کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

سب اسلام کے حکمبر دار بندے
سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خدا اور بنی کے وفادار بندے
یتیموں کے بیووں کے غمخوار بندے
رہِ کفر و باطل سے بیزار سارے
نشہ میں مئے حق کے سرشار سارے
جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے
کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے
سر احکامِ دیں پر جُھکا دینے والے
خدا کے لئے گھر لٹا دینے والے
ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے
اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا
تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا
خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا
یہ تھی موج پہلی اس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغ گیتی
نہ کھانوں میں تھی واں تکلّف کی کلفت
نہ پوشش سے مقصود تھی زیب وزینت

امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت
فقیر اور غنی سب کی تھی ایک حالت
لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا
خلیفہ تھے اُمّت کے ایسے نگہبان
ہو گلّہ کا جیسے نگہبان چوبان
مسلمان و ذمّی کے سب حق تھے یکساں
نہ تھا عبد و حر میں تفاوت نمایاں
کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسے
زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسے
رہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ اُن کی
فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ اُن کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ اُن کی
شریعت کے قبضہ میں تھی بھاگ اُن کی
جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ
کفایت جہاں چاہیئے واں کفایت
سخاوت جہاں چاہیئے واں سخاوت
جچی اور تلی دشمنی اور محبت
نہ بے وجہ الفت نہ بے وجہ نفرت

جھکا حق سے جو جھک گئے اس سے وُہ بھی
رکا حق سے جو رک گئے اس سے وُہ بھی

پھر آگے چل کر ان کے کارناموں کی تعریف میں لکھتے ہیں

گھٹا اک پہاڑوں سے بطحا کے اٹھی
پڑی چار سو یک بیک دھوم جس کی
کڑک اور دمک دُور دُور اس کی پہنچی
جو ٹیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی

ڈیگس ندی ہے جو اندلس یعنی اسپین میں سب سے بڑی کہلاتی ہے۔ اس کا نام فرات ہے۔ اس کا طول ساڑھے پانچ سو میل ہے۔ ارگون کے حدود سے نکلی ہے۔ اور لِسبن میں سمندر سے آکر ملی ہے)

کیے اُمتیوں نے جہاں میں اُجالا
ہؤا جس سے اسلام کا بول بالا
بتوں کو عرب اور عجم سے نکالا
ہر اک ڈوبتی ناؤ کو جا سنبھالا
زمانہ میں پھیلائی توحید مطلق
لگی آنے گھر گھر سے آواز حق حق
ہؤا غلغلہ نیکیوں کا بدوں میں
پڑی کھلبلی کفر کی سرحدوں میں
ہوئی آتش افسردہ آتش کدوں میں
لگی خاک اڑنے سب تبکدوں میں

ہوا کعبہ آباد سب گھر اُجڑ کر
جمے ایک جا سارے ڈنگل بچھڑ کر

ذکر ولادت و وفات و فضائل سیّد الشہداء امام حسن رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ **القاب** طیب۔ زکی۔ سبط۔ اکبر۔ ولی۔ کریم۔ حلیم۔ زاہد ہیں۔ آپ کی ولادت سہ شنبہ کے روز ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ میں ہوئی۔ اسماء بنت عمیس آپ کی قابلہ تھیں۔ جب خبر ولادت حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی۔ تو آپ فرحاں و شاداں خانہ سیدہ میں تشریف لائے اور فرمایا میرے بچے کو مجھے دکھاؤ۔ حضرت اسماء نے ایک زرد کپڑے میں لپیٹ کر آپ کو آغوش سرور میں دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زرد کپڑا دیکھ کر فرمایا اس میرے بچے کو زرد کپڑے میں نہ لپیٹا کرو۔ پھر اُسی وقت سفید کپڑا بدل دیا۔ آپ نے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت فرمائی۔ پھر حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا تم نے اس کا نام کیا رکھا۔ آپ نے عرض کی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کے سامنے کیا نام رکھتا۔ ہاں خیال ایسا ہے کہ حرب نام رکھا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ میں اس میں وحی کا منتظر ہوں۔ اتنے میں آثارِ وحی ظاہر ہوئے۔ اور روح الامین ایک پارچہ سبز حریر پر منقش آپ کا نام نامی لائے۔ آپ نے فرمایا یہ کیا ہے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنابِ الٰہی کی طرف سے بعد سلام ارشاد ہے کہ علی آپ کے لئے مثل ہارون کی ہیں وہ موسیٰ کے رفیق و برادر تھے یہ آپ کے ساتھ ہیں۔ لہٰذا ان کے فرزندوں کے نام پسران ہارون کے ناموں پر رکھئے۔ ان کے بڑے لڑکے کا نام شبر تھا۔ جس کا عربی

میں ترجمہ حسن ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام بھی شبّر رکھا۔ اور آپ کی ولادت کے ساتویں روز آپ کا عقیقہ فرمایا اور دو مینڈھے ذبح فرمائے۔ ران قابلہ کو عطا کی۔ سر کے بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ فرمائی۔

براء بن عازب راوی ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدہ سے تشریف لائے۔ آپ کے دوش مبارک پر شہزادہ شبّر رونق افروز تھے۔ آپ نے فرمایا۔ الٰہی میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو بھی دوست رکھ۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوش اقدس پر شہزادہ شبّر کو لائے اور فرمایا۔ الٰہی میں اسے دوست رکھتا ہوں اور اس کے دوست کو دوست رکھتا ہوں تو بھی جو اسے چاہے اُسے چاہ۔ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم بارہا اپنی زبان مبارک آپ کو چسایا کرتے تھے۔ صاحب اعلام الورٰی لکھتے ہیں کہ ایک بار دونوں شہزادے کہیں باہر کھیلنے تشریف لے گئے واپس آنے میں دیر ہوئی۔ جناب سیدہ گھبرائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رو کر عرض کی۔ آپ نے فرمایا فاطمہ گھبراؤ نہیں۔ ان کا تم سے زیادہ محافظ ان کا پیدا کرنے والا ہے۔ پھر آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی۔ الٰہی! اگر وہ صحرا میں ہیں تو ان کی حفاظت کر۔ اگر دریا میں ہیں تو ان کو سلامتی سے کنارہ پر لا۔ کہ اتنے میں روح الامین حاضر دربار ہوئے اور عرض کی۔ دونوں شہزادے خطیرہ بنی نجار میں ہیں اور اللہ نے دو فرشتے ان کی حفاظت کے لئے متعین کر دیئے ہیں۔ آپ اُسی وقت تشریف لے گئے اور دونوں کو اپنی آغوش شفقت میں لے کر سیّدہ کے پاس لائے۔ راستہ میں ابو ایوب انصاری نے ایک صاحبزادہ کو اپنی گود میں لینا چاہا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دیا۔ پھر آپ نے

اسی دن خطبہ فرمایا۔ اس میں بعد حمد و نعت ارشاد فرمایا۔ کہ "لوگو! تم جانتے ہو کہ کس کو جدّ و جدّہ کی طرف سے اللہ نے شرف بخشا ہے؟ وہ حسنین رضی اللہ عنہما ہیں۔ جن کا جد میں ہوں اور جدہ خدیجۃ الکبریٰ۔ اور اگر کسی کو ماں باپ کی طرف سے افضل الناس کہا جائے۔ تو وہ یہی دونوں شہزادے ہو سکتے ہیں۔ جن کے باپ علی مرتضیٰ اور ماں سیدۃ النساء فاطمہ زہرا ہیں۔ اور باعتبار خال و خالہ کے اگر کوئی شرف پاسکتا ہے۔ تو وہ بھی یہی دونوں ہیں۔ جن کے خال قاسم و ابراہیم اور خالہ زینب بنت رسول ہیں۔ اور اگر کوئی چچا چچی کی طرف سے معزز ہو سکتا ہے۔ تو یہی دونوں لخت جگر ہیں کہ ان کے چچا جعفر طیار اور چچی ہانی بنت ابی طالب ہیں۔

سنن ترمذی میں مرفوعًا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز شہزادہ حسن کو اپنے دوش اقدس پر بٹھایا اور باہر تشریف لائے تو کسی نے عرض کی نِعْمَ الْمَرْکَبُ رَکِبْتَ یَا غُلَامُ کیا اچھی سواری ہے۔ جس پر صاحبزادہ تم سوار ہو۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَنِعْمَ الرَّاکِبُ ھُوَ سوار بھی تو ایسا ہی اچھا ہے۔ جس کے لئے یہ سواری ہے۔

ہست بر اہل معرفت روشن
صفتِ حضرتِ حسین و حسن
آں یکے اختریست تابندہ
واں دگر گوہریست رخشندہ
آں یکے نور دیدۂ نبوی
واں دگر شمع جان مرتضوی

روئے آں صاف تر زلمعۂ بدر
گیسوئے ایں نمونۂ شب قدر
آں یکے ماہِ آسمان کمال
واں دگر سروِ بوستان جمال

ایک بار آپ اور ابن زبیر ایک طرف روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے نخلستان آگیا۔ مگر وہ سب خشک تھا ابن زبیر نے ایک درخت کے نیچے آپ کے لئے فرش لگا دیا۔ آپ رونق افروز ہوئے۔ پھر ابن زبیر نے عرض کی۔ کاش یہ سرسبز و بار آور درخت ہوتے تو تازہ تازہ کھجوریں کھاتے۔ آپ نے فرمایا کیا تم کھجور کھانا چاہتے ہو۔ عرض کی حضور چاہتا ہوں مگر اس وقت کہاں میسر آسکتی ہیں۔ آپ نے آہستہ آہستہ زبانِ مبارک سے کچھ فرمایا۔ پھر دعا کی توجس درخت کے نیچے آپ رونق افروز تھے۔ وہ سرسبز ہوا اور پھل دیئے۔ ابن زبیر کو فرمایا جاؤ توڑو اور کھاؤ۔ شیربان جو ہمراہ تھا محو حیرت ہو گیا اور کہنے لگا واللہ انك لساحر خدا کی قسم تم ساحر ہو۔ ابن زبیر نے کہا۔ بدنصیب ان کو ساحری سے کیا تعلق یہ مستجاب الدعوات ہیں۔ اس نے دریافت کیا یہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ جگر گوشۂ مصطفیٰ فرزند دلبند مرتضیٰ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کے فضائل اس قدر ہیں کہ اگر تمام کتاب کی ضخامت کے برابر چاہوں تو لکھ سکتا ہوں اور پھر بھی یہی کہوں گا کہ ابھی بہت فضائل ہیں۔

اگر عمرے بیارایم سخن را
نشاید نظم من نعتِ حسن را

سخن گیرم کہ جز در عدن نیست
سزائے وصفِ اخلاقِ حسن نیست
سخن گر بگزرد از چرخ اخضر
ہنوز از وصف او باشد فروتر
کمالش گرچہ نزد ماست ظاہر
زبانِ ماز مدح اوست قاصر
دو گیتی را وجودش زیب و زین است
نظیر او اگر جوئی حسین است

غرض کہ جب آپ کے سر سے سایۂ جدی و پدری و مادری بظاہر اُٹھ چکا تو بعد انتقال حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا کہ لوگو! آج شب میں اللہ نے تمہارے سر سے اس مرد خدا کو اٹھایا ہے کہ اب اس کی نظیر قیامت تک تم کو نہیں ملے گی۔ یہ وہی شب ہے کہ جس شب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا سے رحلت کی اور عیسیٰ علیہ السلام نے عروج سوئے آسمان فرمایا تھا۔ اب تم کو چاہیئے کہ راہِ دین اور ملّتِ بیضا سید المرسلین کا اتباع کرو۔

چنانچہ اسی وقت اہالیانِ کوفہ نے بیعت کے لئے آپ کی طرف ہاتھ بڑھانے شروع کئے سب سے اول جو بیعت کے لئے آگے بڑھے وہ قیس بن سعد عبادہ انصاری تھے۔ اس کے بعد جوق در جوق مسلمانوں نے بیعت کی۔ حتیٰ کہ چالیس ہزار مسلمانان کوفہ داخل بیعت ہو گئے۔ جب خبر شہادت مرتضیٰ علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ حاکم شام کو پہنچی۔ اور آپ کے ہاتھ پر چالیس ہزار کی بیعت کا قصہ سنا تو ساٹھ ہزار کا لشکرِ جرار کے ساتھ

انہوں نے روانگی کی۔ امام حسن سید الشہدار کو جب یہ حال معلوم ہوا چالیس ہزار لشکر کے ساتھ کوفہ سے باہر تشریف لائے اور کچھ دیر عبد الرحمٰن کے پاس قیام فرمایا اور قیس بن سعد کو ۱۲ ہزار نامدار دے کر مقدمۃ الجیش بنایا۔ جب آپ مدائن کے میدان میں پہنچے تو کچھ خیال پیدا ہوا۔ آپ نے تمام لشکر کو روک دیا اور خود فرمایا۔ مجھے کسی سے منازعت و مشاجرت نہیں۔ میں جنگ نہیں چاہتا۔ بیکار مسلمانوں کا خون مجھے گوارا نہیں۔

اس اعلان سے بہت آپ سے منحرف ہو گئے اور بہت آپ کے نیازمند رہے۔ آپ مرکب مبارک پر سوار ہو کر مدائن کی طرف تشریف لا رہے تھے کہ راستہ میں گروہ خوارج کا ایک خبیث ملا۔ اس نے آپ کو دیکھتے ہی تلوار کھینچی اور زانوے مبارک پر اس زور سے ماری کہ زخم ہڈی تک پہنچا۔ آپ نے اس سے کچھ نہ فرمایا۔ مگر پیچھے سے عبد بن فضل طائی آپ کے نیازمندوں میں سے چلے آرہے تھے۔ انہوں نے اس خبیث کے ٹکڑے کر دیئے۔ آپ رنجیدہ مدائن تشریف لا کر قصرِ ابیض میں مقیم ہوئے۔ اور جراح معالجہ میں مشغول ہوئے۔ بالآخر آپ نے شفا پائی۔ شہزادہ امام حسن سید الشہدار رضی اللہ عنہ نے اول تو کوفیوں کا رویہ حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے ساتھ دیکھ ہی لیا تھا۔ اب یہ دوسرا موقعہ دیکھ کر ان کی طرف سے کبیدہ خاطر ہو گئے اور حضرت معاویہ سے بشرائط چند کہ اس کا قصہ بہت طویل ہے صلح فرما لی اور باآنکہ اطراف و جوانب سے اس صلح میں مخالفتیں ہوئیں۔ مگر آپ نے کچھ پرواہ نہ کی۔ بعد چند ایام کے آپ معہ خواص و خدم کنیز و حرم مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ یہاں علی بن بشیر ہمدانی نے جب سنا تو عرض کی۔ حضور یہ صلح ٹھیک نہ ہوئی۔ آپ کو یہ صلح کرنا نہ

چاہیئے تھی۔ آپ نے فرمایا۔ علی بن بشیر خاموش رہو۔ ہم خازن گنجینہائے الٰہی ہیں۔ ہم کو زر و سیم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم کو وہ اسرار معلوم ہیں۔ جن کا علم ہمارے سوا دوسرا نہیں جانتا۔ تمہیں کیا معلوم۔ اس مصلحت سے ہم نے کیا سوچا ہے۔ مگر میں تم کو اتنا کہتا ہوں۔ کہ ہماری جماعت میں اگر اس سے زیادہ بھی لشکر آجاتا اور شجر و حجر ہماری امداد میں شریک ہوتے۔ تو ہم فتحیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے کہ جد امجد سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خواب میں ایسا ہی فرمایا تھا۔

پھر فرمایا کہ حضور سیّد یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی امیہ کو دیکھا کہ وہ منبر نبوی پر چڑھ رہے ہیں اور یکے بعد دیگرے چلے آرہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزرا تو اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡکَوۡثَرَ نازل فرما کر ارشاد ہوا کہ اے حبیب لبیب ہم نے تمہیں تمام نعمتیں عطا فرمادی ہیں۔ اور تم کو حوض عطا بخش دی ہے۔ پھر سورہ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ نازل فرمائی اور فرمایا کہ اس کی ایک لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور اس ہزار سے مراد سلطنت بنی اُمیّہ کے دن ہیں۔ یہ روائتیں سیر کی ہیں اور مفسرین کرام ان سے اکثر متفق ہیں۔ اس لئے کہ مفسرین کی تحقیق احادیث کی روشنی میں ہوتی ہے اور ارباب سیر فضائل کی چاشنی دینے کے لئے اقوال صوفیائے کرام نقل کرتے ہیں۔ جو ان کے مکاشفات اور حسب حال ہوتے ہیں۔

صاحب شواہد اس روایت کو لکھ کر آگے لکھتے ہیں۔ کہ بنی امیہ کی سلطنت کے ایام کا میں نے حساب کیا تو پورے ہزار ماہ ہوتے ہیں۔ بعد چندے اہالیان دمشق نے آپ سے تشریف آوری کی درخواست کی۔ جب اصرار

حد سے بڑھا۔ آپ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں جو شہر آتا۔ اہالیان شہر آپ کی خدمت میں آتے اور نذریں پیش کرتے۔ آخرش آپ موصل پہنچے۔ یہاں ایک سعد موصلی تھا۔ اُس نے غایت اصرار سے حضور کو اپنے یہاں مقیم کیا۔ چند روز بعد آپ یہاں سے دمشق کو تشریف لے گئے۔

حاکم دمشق خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ یہاں کچھ مدت قیام فرما کر واپس مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ موصل میں ایک خبیث بے دین اندھا رہتا تھا۔ اس نے ظاہری محبت سے آپ کو اپنے یہاں ٹھہرنے پر مجبور کیا اور خبیث نے دھوکہ سے کھانے میں زہر ملا کر حضور کو کھلا دیا۔ غرض کہ تین بار اسی طرح آپ کو زہر کھلایا۔ آپ کو اس زہر سے تکلیف محسوس ہوئی اور رنجیدہ ہو کر عزم روانگی فرمایا۔ اور یہ آپ کی کرامت تھی۔ کہ اس زہر نے پورا اثر نہ کیا۔ پھر تو آپ نے دنیا اور اہل دنیا کی طرف سے یہ فیصلہ فرما لیا کہ اب کسی پر بھروسہ کرنا ناتجربہ کاری ہے ؎

از کس وفا مجو کہ بعالم وفا نماند
زین ہر دو دل ببند کہ در ایام ما نماند
چنداں کہ بنگری بجہاں گزاف کار
جز رنج و درد و محنت و جور و جفا نماند

آپ اکثر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ شعر زبان مبارک پر جاری رکھتے ؎

تغیّر المودۃ والاخاء
وقل الصدق وانقطع الرجاء

اس اندھے کو زہر کا اثر مرتب نہ ہونے سے سخت حیرت ہوئی۔ چوتھی

بار زہر دینے کی تجویز سوچی۔

حضرات شیعہ ان تمام کاموں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے یہ ضرور مانتے ہیں کہ کسی ذریعہ سے اس کے پاس یہ زہر آتا تھا۔ کیونکہ آج آپ ایک جنگل میں ایک مقام پر قیام فرما ہیں۔ بطور سیر و تفریح تشریف لائے ہیں۔ ہوا اچھی تھی۔ آپ آرام میں ہیں۔ یہاں ایک شتر سوار ہے۔ جس نے اونٹ ایک درخت سے باندھ رکھا ہے۔ اور کھانا کھا رہا ہے۔ کہ اچانک اس کے پیٹ میں سخت درد ہوا کہ اتنے میں چیتا ایک طرف سے بھوکا آیا اور اس نے اس شتر سوار کو مار کر اُونٹ کی طرف رُخ کیا۔ اُونٹ بھاگنا چاہتا تھا کہ امام حسن سید الشہداء کے خادم نے اسے بھگا کر اُس اُونٹ کو پکڑ لیا۔ اس کے سامان کو دیکھا تو ایک شیشہ زہر کا اور ایک لفافہ خاص طور پر ملا۔ اس نے وہ شیشہ اور لفافہ آپ کے پیش کیا۔ آپ نے وہ لفافہ دیکھا اور کسی پر اس کا راز نہ کھولا۔ اور شیشہ زہر کو پھینک دیا۔ اور اظہار نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ آپ کا میزبان شرمندہ نہ ہو مگر آپ کو اس کا سخت ملال تھا اور اثرات ملال چہرۂ زیبا پر بھی نمایاں تھے۔ سب نے وجہ ملال دریافت کی۔ مگر کسی کو جواب نہ دیا۔

سعد موصلی سے نہ رہا گیا۔ نظر بچا کر مصلے کے نیچے سے وہ لفافہ نکال کر پڑھا۔ تو تمام جسم میں لرزہ آگیا۔ پھر عرض کرنے لگا۔ حضور اجازت دیجئے کہ میں اس خبیث سے کم از کم اس راز کو دریافت کروں۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے یہ پسند نہیں۔ کہ جس کے ہم مہمان ہیں۔ اُسے شرمندہ کریں۔

آخر سعد موصلی سے نہ رہا گیا۔ اور اس کو بلا کر پوچھا۔ سچ بتا تجھے حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی رنج ہے؟ اس نے کہا کوئی نہیں۔ میں تو خاص غلاموں میں ہوں۔ پھر پوچھا۔ شیر خدا مرتضیٰ اسد اللہ سے کوئی ملال ہے۔ اس نے متعجبانہ

جواب دیا کہ ان کی غلامی میں مدتوں رہا۔ مجھے کوئی رنج کبھی ان سے نہ ہوا۔ پھر پوچھا ان کے لختِ جگر امام حسن سے تجھے کچھ کاوش ہے؟ اس نے کہا صاف کہیئے قصہ کیا ہے۔

سعد موصلی نے برہم ہو کر کہا کہ تیرا قاصد جس کے ذریعہ تو تین بار زہر دے چکا ہے اور کرامت امام نے اس کا اثر نہ ہونے دیا۔ چوتھی بار زہر اور رقعہ لا رہا تھا۔ کہ راستہ میں ہلاک ہو گیا۔ وہ زہر اور خط ہمارے ہاتھ آگیا۔ اس نے کہا حاشا و کلاّ مجھے اس کا کچھ علم نہیں مگر چہرہ اُتر گیا۔

سعد موصلی نے اپنے ملازموں سے اُسے پکڑوا کر اتنا مارا کہ خبیث ہلاک ہو گیا۔ حضرت امام حسن کو جب یہ قصہ معلوم ہوا بہت رنجیدہ و ملول ہوئے۔ آخر ش مدینہ روانہ ہو گئے۔

اس وقت والی مدینہ مروان بن الحکم تھا۔ یہ حضرت امام عالی مقام سے بظاہر خاص عقیدت رکھتا تھا اور حرمت و وقعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتا۔ مگر اندرونی صورت میں جناب امام کا جانی دشمن۔ اور آپ کی ہلاکت کی تجاویز میں ہر دم کوشاں رہتا۔ جب اس کو تشریف آوری امام کی اطلاع ملی۔ تو اس نے الیسونیہ دلالہ کو جو بڑی زبردست کٹنی تھی بلایا۔ اور اسے بلا کر پوچھا۔ امام حسن کے یہاں تیرا بھی آنا جانا ہوتا ہے۔ خبیثہ نے کہا ہاں۔ اور اگر نہ بھی ہوتا تو مشکل ہی کیا تھا۔

اب یہاں حضرات شیعہ و بعض احناف دھوکہ میں پڑے ہیں۔ اسی وجہ میں لکھ رہے ہیں۔ کہ اس دلالہ الیسونیہ کے ذریعہ حضرت جعدہ بن اشعث زوجہ امام حسن سید الشہداء رضی اللہ عنہ کو بہکایا گیا۔ اور انہوں نے زہر دیا۔ مگر اصول کے لحاظ سے ہم اس کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس واسطے کہ حدیث میں جہاں فضائل حسن مذکور ہیں۔ وہاں یہ بھی ارشاد ہے کہ جس کا جسم، جسمِ حسن

سے مس ہو گیا۔ اس پر جہنم حرام ہے۔

قتل مومن پر وعید نار ہے۔ چہ جائیکہ شہزادۂ کونین نور دیدۂ محبوب رب المشرقین امام حسن سید الشہدا کا قتل اس پر جہنمی ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ بنابریں ہم کبھی یہ تسلیم نہ کریں گے کہ ایسا فعل شنیع جعدہ نے کیا ہو۔ بلکہ یہ امر قرین قیاس ہے۔ کہ حضرت جعدہ کے پاس وہ خبیث الیسونیہ دلالہ آنے جانے لگی۔ اور عورتوں میں چونکہ آنے جانے والی عورتوں سے بہت جلدی اختلاط و ارتباط ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہو۔ پھر کسی موقعہ سے نظر بچا کر اس خبیثہ نے زہر دیا ہو۔ اس صورت کے قرار دینے سے اس حدیث کی تغلیط نہیں ہوتی۔

رہیں وہ حدیثیں جو فضائل امام میں ہیں۔ ان پر بعض خارجی منش استہزاء کرتے ہیں۔ اور حضرت امام حسن کے زیادہ نکاح پر معترض ہوتے ہیں۔ حالانکہ نکاح سنت مؤکدہ ہے اور زیادت نکاح اور طلاق مباح، تو اگر کوئی مباح فعل کرے تو مطعون کیوں ہو۔ جبکہ حرام کرنے والے معصوم کے معصوم رہیں۔ اس قسم کے معترضین درحقیقت خود تر دامن ہوتے ہیں۔ اور انہیں اپنا شہتیر نظر نہیں آتا اور دوسرے کا تنکا کھٹک جاتا ہے۔ اگرچہ اس قسم کی احادیث کی سندیں ہماری تحقیق میں بھی مجروح ہیں۔ لیکن اگر بالفرض صحیح ہوں تو اعتراض کیسا۔

بنابریں اب ان تمام روایات کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ الیسونیہ خبیثہ حضرت شہزادہ صاحب کے دولت کدہ میں آئی اور اس کارکردگی کے انعام میں مروان سے ہزار دینار اور پچاس دق مصری وصول کئے اور موقعہ تاکتی رہی اور چونکہ ان کی کیادی۔ عیاری۔ مکاری شیطان سے بھی زیادہ مسلم ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا شیطان کا مکر ضعیف ہے اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ۔ عورتوں کی جماعت کا مکر زبردست ہے۔

غرض کہ موقعہ پا کر کچھ حصّہ شہد کا لے کر آئی۔ اس میں زہر ملایا اور حضرت جعدہ کو دیا۔ آپ نے بے خبری میں حضور کے پیش کر دیا۔ عورتوں میں عموماً یہ عادت ہوتی ہے کہ کسی چیز کو پہلے خود نہیں کھاتیں اپنے خاوند کے پیش کرتی ہیں۔ شہزادہ صاحب نے اسے کھایا۔ شب بھر قے اور دردِ شکم رہا۔ صبح وہ روضۂ مقدس پر حاضر آئے۔ یہ آستانہ دار الشفاءِ دردمنداں ہے۔ خاک روضہ شکم مبارک پر ملی آرام ہو گیا۔ اس زور سے ایک مدت تک امام حسن علیہ السلام اور ازواج میں رہے۔ ایک روز پھر تشریف لائے۔ جعدہ کو اسی غلیبث الیسونیہ نے موقعہ دیکھ کر کھجوریں عمدہ زہر آلود علیٰحدہ اور سادہ علیٰحدہ دیں۔ آپ نے پھر عمدہ کھجوریں حضرت شہزادہ صاحب کے پیش کر دیں۔ آپ کو خرمائے رطب سے بہت زیادہ رغبت تھی۔ آپ نے نوش فرمانی شروع کیں۔ جعدہ سے کہا۔ تم بھی کھاؤ۔ انہوں نے عرض کر دیا میں نے اپنے لئے لے لی ہیں۔ سات کھجوریں کھائی تھیں دل مبارک ملول ہوا اور شب بھر تکلیف پائی۔ صبح روضۂ مقدس پر حاضر ہوئے۔ آرام ہو گیا۔ آج حضرت جعدہ سے فرمایا۔ شام خرموں میں نہ معلوم کیا بلا تھی۔ کہ مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ آپ نے عرض کر دیا کھائی تو میں نے بھی تھیں۔ مگر آپ کی طبیعت دو سال سے کچھ ناساز ہے۔ اس کی کس کو خبر کہ وہ زہر آلود اور یہ سادہ تھیں۔ آپ سب جواب سُن کر خاموش تشریف لے آئے۔ اور اپنے بھائی اور اعزّہ و اقارب کو بلا کر فرمایا کہ دو سال سے میری طبیعت ایسی ناساز ہے۔ کہ کسی طرح اصلاح پر نہیں آتی۔ لہٰذا میرا خیال ہے کہ اب پھر موصل جاؤں اور چند روز کے لئے تبدیلی آب و ہوا کر آؤں۔ چنانچہ آپ نے ابن عباس کو ہمراہ لیا اور موصل روانہ ہو گئے۔ جب راستہ میں دمشق آیا۔ یہاں ایک دین و دنیا کا اندھا جو بنہایت دشمن اہلبیت تھا رہتا تھا۔ جب اس نے سُنا کہ موصل کو شہزادہ حسن تشریف لے جا

رہے ہیں۔ دل میں سوچا کہ اس سے بہتر موقعہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ مجھے موصل جانا چاہیئے اور ان کی محبت و عقیدت کا اظہار کرنا چاہیئے۔ پھر موقعہ پا کر اپنا کام پورا کیا چاہیئے۔

چنانچہ اپنی لکڑی میں زہر کا بجھا ہوا عنزہ جو بطور سنان ہوتا ہے لگوایا اور موصل روانہ ہوا۔ مسجد میں ٹھہرا اور انتظار میں رہا۔ کہ شہزادہ حسن نماز کے لئے جب تشریف لائیں۔ تب اپنا کام کروں۔ چنانچہ جب آپ تشریف لائے۔ تو عقیدت کیشان اخلاص جمع تھے۔ یہ بھی نماز آپ کے پیچھے پڑھتا۔ نماز کے بعد احادیث سنتا۔ خوب روتا اور فکر میں رہتا کہ کب اس سنان سے اپنا مطلب پورا کروں۔

ایک روز حضرت شہزادہ صاحب نے ظہر کی نماز ادا فرمائی اور بیرون مسجد ایک خادم کی دکان پر رونق افروز ہوئے۔ اور مخلصین و نیاز مندان با اخلاص سے گفتگو فرمانے لگے۔ کہ اتنے میں وہ اندھا حضور کو دعائیں دیتا آیا اور اٹکل سے اس لکڑی کے سنان کو آپ کے پائے مبارک پر رکھ کر اس زور سے دبایا کہ پائے مبارک زخمی ہو گیا۔ آپ نے ایک آہ کی اور فرمایا افسوس دشمنوں سے یہاں بھی محفوظ نہ رہا۔ زخم سے خون کے فوارے بہنے لگے اور پائے مبارک متورم ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور دیگر جان نثاروں نے اس خبیث کو پکڑ لیا۔ حضور نے فرمایا اسے چھوڑ دو۔ یہ جیسا دنیا میں اندھا ہے۔ آخرت میں بھی اندھا ہے۔ چنانچہ بہ تعمیل ارشاد اسے چھوڑ دیا وہ بھاگا اور تھوڑی دیر میں نظروں سے غائب ہو گیا۔

آپ کو اس زخم نے سخت تکلیف دی۔ آپ بے تحاشا شدت درد سے

پکار اٹھے تھے۔ چنانچہ جراح بلایا گیا۔ اس کی نظر جیسے ہی اس زخم پر پڑی رونے لگا اور عرض کی۔ حضور! یہ زہر کے بجھے ہوئے آلہ کا زخم ہے اور بقصد لگایا گیا ہے۔ حضرت سعد نے عرض کی۔ حضور اب ہم اس اندھے کو بغیر سزا دیئے نہ چھوڑیں گے۔ آپ نے فرمایا وہ خود مکافات عمل کو پہنچے گا۔ اور یہ آیت کریمہ پڑھی وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ۔ یعنی برا داؤ چلانے والے پر ہی پڑتا ہے ؎

بدکیش را بکردگار سپار ۔۔۔ تا ازو انتقام بستاند

غرض کہ جراح نے علاج شروع کیا۔ اور چونکہ وہ ہوشیار و دانا تھا۔ تمام عروق سے زہر کھینچا۔ پھر مرہم سے زخم کا اندمال کیا۔ چند روز میں شفائے کامل ہو گئی۔ ادھر سے بے فکر ہو کر جاں نثاروں نے اس اندھے کی تلاش کی۔ چودہ روز میں وہ اس طرح ہاتھ آیا۔ کہ حضرت عبداللہ بن عباس صبح کے وقت سعد موصلی کے یہاں تشریف لے جا رہے تھے دیکھا کہ وہ اندھا لکڑی ہاتھ میں لئے چلا جا رہا ہے۔ آپ کی نظر اس پر پڑتی ہے۔ آپ کا تمام جسم غصّہ سے لرز گیا آپ اس کی طرف جھپٹے اور لکڑی چھین کر اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس خبیث کا سر پارہ پارہ ہو گیا۔ پھر آپ نے تمام متلاشیوں کو مژدہ سنایا کہ میں نے اس خبیث کو واصل بجہنم کر دیا ہے۔ سعد موصلی نے جب یہ سنا۔ تو اس کی لاش پر آئے اور لید گوبر خشک جمع کر کے اس کی لاش کو جلوا دیا۔

شہزادہ حسن رضی اللہ عنہ اب یہاں سے پھر مدینہ کی طرف واپس ہوئے وہ خبیثہ الیسونیہ رات دن تاک میں تھی تشریف آوری کے سنتے ہی کچھ الماس پیس کر لائی۔ مگر موقعہ نہ ملا۔ غرضکہ ۲۸ صفر المظفر کی شب میں نظر بچا کر آپ کے پانی کی صراحی میں ڈال دیئے۔

ان ایام میں پانی کی صراحی سربمہر رکھتے تھے۔ مگر ریزہ ہائے الماس

ایسی صفائی سے ڈالے کہ مہر کو کوئی نقصان نہ پہنچا اور الماس سودہ پانی میں جا ملا۔ آپ اس وقت آرام میں تھے کہ اچانک اُٹھے اور اپنی ہمشیرہ حضرت زینب کو بلایا۔ پھر فرمایا بہن! ابھی جد امجد سرکار مدینہ کو خواب میں دیکھا ہے۔ ان کی خدمت میں اباّ جان اور اماّں جان بھی حاضر تھیں۔ لہذا پانی لاؤ تاکہ وضو کروں۔ آپ پانی لینے گئیں۔ اور آپ نے اس صراحی میں سے پانی نوش فرمایا۔ بس پیتے ہی ایک آہِ سرد دل پُردرد سے کھینچی اور فرمایا کہ یہ پانی تھا یا کیا بلا کہ حلق سے ناف تک ٹکڑے کر گیا۔ بہن جلدی سے بھائی حسین کو بلاؤ۔ آپ نے بلوایا۔ آپ بھائی کو دیکھ کر آبدیدہ ہوئے اور بغل گیر ہو کر خوب ملے۔ پھر فرمایا۔ بھائی ابھی نانا جان اور ابا جان کو مع اماّں جان کے خواب میں دیکھا ہے کہ میرا ہاتھ پکڑ کر ریاض بہشت کی سیر کرا رہے ہیں۔ پھر نانا جان نے فرمایا۔ بیٹا حسن خوش ہو جاؤ کہ تم نے دشمنوں سے نجات پائی اور کل شب تک ہمارے پاس پہنچو گے۔

اس خواب سے میں چونک کر بیدار ہوا۔ پیاس کی شدت تھی۔ پانی پیا۔ اس پانی نے حلق سے ناف تک زخم ڈال دیئے۔ حضرت امام حسین نے رو کر اس کوزہ کو اُٹھایا اور فرمایا مہر تو سلامت ہے پھر کیا بات ہے۔ میں بھی چکھ کر دیکھوں۔ بڑے بھائی نے کوزہ ہاتھ میں سے لے کر زمین پر مارا جہاں وہ پانی پڑا۔ اس جگہ کی زمین جوشزن ہوئی۔ پھر پھٹ گئی۔ امام حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ کو یقین واثق ہو گیا۔ کہ اب جانبری مشکل ہے۔ تھوڑی دیر میں درد ہو کر قے شروع ہوئی۔ طشت لایا گیا تو قے میں پارہائے جگر و احشا کٹ کٹ کر آنے لگے۔

ایک روایت میں ہے کہ ستّر ٹکڑے جگر کے آئے اور بروایت

دیگر سو پارہ طشت میں تھے۔

جب آفتاب بلند ہوا تو چہرۂ زیبا نے سبز رنگ اختیار کیا۔ امام حسن نے فرمایا۔ اب ہمارے چہرہ کا رنگ کیسا ہے؟ عرض کیا سبز ہے۔ یہ سن کر آپ نے امام حسین سے فرمایا۔ بھائی حدیث معراج کی تعبیر پوری ہوگئی۔ آپ روتے ہوئے فرمانے لگے۔ بیشک پوری وہی علامتیں ہیں۔ اور آگے بڑھ کر بھائی کے گلے سے چمٹ گئے اور رونے لگے۔ حضار جلسہ بھی رو کر عرض کرنے لگے۔ حضور حدیث معراج کیا تھی۔ اس سے ہمیں بھی اطلاع بخشی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے جدّ امجد سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ شب معراج میں مجھے روضہائے خلد دکھائے گئے تو دو محل ایک مقام پر علیحدہ نظر آئے۔ ایک زمرد سبز کا تھا کہ اس کی شعاعیں آفتاب جہانتاب کو شرما کر لامع وساطع تھیں۔ میں نے رضوان سے پوچھا کہ یہ دونوں محل کس کس کے ہیں۔ تو اس نے عرض کی کہ دونوں شہزادوں کے ہیں۔ میں نے کہا دونوں کے رنگ جداگانہ کیوں ہیں۔ تو رضوان نے گردن نیچے کر لی اور جواب نہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جواب کیوں نہیں دیتا۔ تو جبریل نے عرض کی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے شرم آتی ہے۔ میں عرض کرتا ہوں۔

قصر سبز زمردی بڑے شہزادہ حسن کے لئے ہے کہ ان کو زہر دیا جائے گا اور اس کے اثر سے اخیر وقت ان کے چہرہ زیبا کا سبز رنگ ہوگا اور کوشک سرخ چھوٹے شہزادہ حسین کے لئے ہے کہ ان کو جفا کاران بدنہاد شہید کریں گے اور وقت رحلت ان کا رخسارۂ نوری جو بوسہ گاہ سامی ہے۔ خون میں سرخ ہو جائیگا۔

بگذار تا بگریم چوں ابر در بہاراں
کز سنگ گریہ خیزد در روزِ وداعِ یاراں

امام حسین نے فرمایا۔ بھائی جان مجھے یہ بتا دیجئے کہ یہ زہر کس نے دیا ہے؟ آپ آپ نے فرمایا۔ بھائی میں کسی پر اس کا الزام لگا کر خونِ ناحق اپنے سر لینا نہیں چاہتا۔ اس کا بدلہ خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ اب وقت بہت کم ہے وصیت سن لو تاکہ اس کے موافق تم کرو۔

دیکھو! جب میرا جنازہ تیار کر لو۔ تو نانا جان کے روضۂ مقدس پر لے جانا اور جناب صدیقہ سے اجازت لے لینا۔ اگر وہ اجازت دے دیں اور عاملِ مدینہ کی طرف سے کوئی فتنہ نہ اُٹھے تو اسی جگہ دفن کر دینا۔ اور اگر ایسی صورت کا خوف ہو۔ تو ضد نہ کرنا۔ جنت البقیع میں میرے امّاں جان کے پاس دفنا دینا۔

یہاں تو یہ قصّہ ہوا۔ وہاں مروان نے بخوف الیسونیہ کو روپوش کر کے کہیں بھیج دیا۔

پھر آپ نے اپنے صاحبزادے قاسم کا ہاتھ پکڑ کر شہزادہ حسین کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ بھائی اس کو اپنے پاس رکھنا اور اپنی لختِ جگر نورِ نظر کا اس سے عقد کر دینا۔ اس کے بعد آپ نے سب کو رخصت کر کے مشاہدۂ جمالِ حقیقی میں استغراق و انہماک فرمایا۔

اب پیر کا دن گزر کر شب بست و نہم ۲۹ صفر المظفر شروع ہو گئی تھی کہ طائرِ عرش آشیاں یعنی روحِ پرفتوح امام نے آشیانۂ قدس کی جانب پرواز فرمائی۔ ع دوست بر دوست رفت و یار بہ یار اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۵

واحسرتا کہ سرورِ دواں از چمن برفت
یعنی کہ نورِ دیدۂ زہرا حسن برفت

از شوق از شوقِ گیسوشس جگر نافہ گشت خوں

وزہ ہجر رویشس آب رُخ نسترن برفت

یعقوب دار دیدۂ نرگس سپید شُد

کز مصر ناز یوسف گل پیرہن برفت

غرض کہ تجہیز و تکفین کے بعد جنازۂ مبارک سر پر رکھا گیا اور حضرت صدیقہ سے اجازت طلب کی - آپ نے فرمایا یہ ان کے نانا کا حجرہ ہے - اس میں میری اجازت کی ضرورت نہیں - ان سے زیادہ یہاں دفن ہونے کا کون حق دار ہو سکتا ہے - مگر مروان خبیث نے شورش کرنا چاہی - حضرت امام حسین آمادۂ مقابلہ و مقاتلہ ہوئے - مگر معاً بھائی کی وصیت یاد آگئی - خاموش ہو کر صبر کیا - اور آپ کو جنت البقیع میں ان کی والدہ کے پہلو بہ پہلو سلایا تو روح زہرا پکاری ؎

اے خاکِ تیرہ عزتِ مہماں نگاہدار

ایں نور چشم ماست کہ در بر گرفتۂ

جو واقعات زہر خورانی ہم لکھ آئے ہیں - انہیں کو اکثر ارباب سیر نے حضرت جعدہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کیا ہے - ہم نے اس کی صورت بطریق توجیہہ یوں بدلی ہے کہ اس طرح اظہار واقعہ کرنے میں حدیث غلط نہیں ٹھیرتی اور اصول عقیدہ بھی یہی ہے کہ سب سے مقدم قرآن کریم ماننا چاہیئے - اس کے خلاف جس قدر باتیں ہوں ان کی طرف التفات یا عمل جائز نہیں - پھر حدیث نبوی پر عمل ضروری ہے - اگر اس کے خلاف کوئی تاریخ و سیر ہو تو متروک العمل قرار پاتی ہے - اس کے بعد جو تاریخ اور قصائص ایسے ہیں - جن کو قرآن و حدیث کے مقابلہ میں ماننے سے نقص اخبار قرآنی اور فرمان حبیب رحمانی لازم نہ آئے تو مانا جاتا ہے - بنا بریں ہم نے حضرت جعدہ کو اس فعل مذموم

سے مستثنیٰ کرتے ہوئے واقعات کو توجیہاً یوں لکھا ہے۔
یہی صورت ہم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اختیار کرتے ہوئے تمام واقعات اجمالی چھوڑے ہیں۔ اور حرب صفین و جمل و فیصلہ حکمین دلیلۃ الھریر سب سے بچتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں۔ اس لئے کہ مؤرخین نے ان تمام واقعات کا بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر رکھا ہے اور حقیقت حال کا علم یا ان ہستیوں کو ہے۔ جن کے ساتھ یہ سب معاملات ہوئے یا خدا اور رسول خدا کو۔ ہم تاریخ کے بھروسہ پر قرآن و حدیث کو چھوڑنے پر تیار نہیں۔ بلکہ قرآن و حدیث کے مقابلہ میں صفحات تاریخی پر نہ صرف پانی پھیرنے کو تیار ہیں۔ بلکہ جلا دینا بھی ہمیں گوارا ہے۔ یہاں ہم فضائل معاویہ کے احادیث بخیال ضخامت کتاب لکھنے سے معذور ہیں۔ مگر اجمالاً کچھ عرض کئے دیتے ہیں تاکہ ناظرین کلیۃً محروم نہ رہیں مالایدرک کلہ لایترک کلہ۔
اول تو بلا استثناء کسی صحابی کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح تاکیدی ارشاد ہے لاتسبوا اصحابی لاتسبوا اصحابی خبردار! خبردار میرے صحابہ کو برا نہ کہنا۔ میرے صحابہ کو گالیاں نہ دینا۔ علاوہ ازیں آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میر منشی بھی رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سلامتی ایمان و حسن خاتمہ کی دعائیں فرمائیں وغیرہ وغیرہ۔
علامہ ابو اسحاق اسفرائنی اپنی کتاب نور العین میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔ جو تمام معاملات گزشتہ پر چشم پوشی کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میرے صحابہ کا تذکرہ کرو۔ تو زبان روک کر کرنا۔ ادنیٰ معاملات کی طرف سے جو ان میں باہمی نزاع و قتال ہوئے ہیں۔ چنانچہ حدیث کے اصل لفظ یہ ہیں اذا ذکر اصحابی امسکوا ایجب

الامساك عن ما وقع بينهم فى الانزاع والقتال وغير ذالك
پھر ہمیں یہ کیونکر گوارا ہو کہ مثل حضرت حسن نظامی حضرات شیعہ کے خوش کرنے کو قرآن و حدیث پر پانی پھیر کر محض تاریخی واقعات پر ایمان لاتے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کو نہ صرف جہنمی قرار دیں بلکہ واجب القتل تک لکھ دیں۔ یزید نامہ مؤلفہ حسن نظامی تمام و کمال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سب و شتم سے مملو ہے۔

خیر! ہمیں اس وقت اس سے بھی بحث نہیں کہ انہوں نے کیا لکھا اور کیوں لکھا۔ مگر کم از کم اتنا سمجھا دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ بموجب تعمیل حکم آقائے مدینہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کی شان میں کوئی برا لفظ استعمال نہ کرنا چاہیئے ورنہ "من سب اصحابی فقد جفانی" جس نے میرے صحابہ کو برا کہا۔ اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ طائفہ مرتضیٰ علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ اور جماعت امیر معاویہ یہ دو طبقہ ہیں۔ طائفہ علی وہ ہے۔ جو قبل فتح مکہ شرفِ اسلام سے مشرف ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جان و مال سے شیدائی و فدائی بنا۔ اور جماعت معاویہ کا معہ معاویہ دوسرا طبقہ ہے۔ جو بعد فتح مکہ شرفِ اسلام سے مشرف ہوا۔ ان دونوں کی بابت قرآن کریم کا صریح فیصلہ ہے۔ جس سے ہر کس و ناکس کی زبان بند ہوتی ہے۔

قطع نظر اس کے وہ سرکار کے داماد یہ ان کے اصحاب اور ہم سب کے غلام۔ ہمیں کیا مجاز کہ بڑوں کے معاملات میں دخیل ہو کر چہ میگوئیاں کریں۔ وہاں باہمی صلح بھی ہو رہی ہے جنگ بھی۔ مگر سب شریعت کے ماتحت

بقول مولوی الطاف حسین حالی کے کہ

اگر اختلاف ان میں باہمد گر تھا
تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا
خلاف آشتی سے خوش آئند تر تھا
یہ تھی موج پہلی اُس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغ گیتی

یہی وجہ ہے کہ علماء نے اس امر میں حضرت امیر معاویہ کی خطا اجتہادی تسلیم کی ہے اور اس خطا میں گناہ نہیں۔ بلکہ یہ عقیدہ ہے کہ مجتہد اگر خطا کرے تو اس کو اکہرا ثواب اور صواب کو پہنچے تو دوہرا ثواب ملتا ہے المجتھد قد یخطی ویصیب۔ مجتہد شریعت خطا بھی کرتا ہے اور صواب کو بھی پہنچتا ہے۔

بہر حال دونوں صورتوں میں ماجور ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دونوں طبقوں کے متعلق قرآن کریم ذکر فرما کر ان کے مدارج کے فرق بتا کر ان سے وعدۂ حسن فرماتا ہے۔ سورہ حدید کے پہلے رکوع ستائیسویں پارہ میں ارشاد ہوتا ہے لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۱۰ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ط تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور جانیں فدا کیں وہ مرتبہ میں اُن سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح مکہ کے خرچ کیا اور جہاد کیا اور ان سب سے اللہ وعدہ جنت کا فرما چکا ہے۔ اور اللہ تمھارے کاموں سے واقف ہے۔

لہذا منصف کے لئے یہ فیصلہ ناطق ہے۔ اس کے بعد اب کسی منصف کی یہ ہمت نہیں ہوسکتی کہ وہ علی یا معاویہ یا کسی دیگر صحابی کی شان میں ایک لفظ بھی نکالنے کی جرأت کرے اور اگر کسی کے خیال کا زور اور عقیدت کا شور یہی کہتا ہے کہ ہمیں ان حضرات کی برائی اور اُن افراد کی بڑائی کرنے میں آخرت کی بھلائی نظر آتی ہے تو اسے اختیار ہے۔ کیونکہ دورِ آزادی ہے۔ حسن نظامی نے کیا کچھ نہ لکھا۔ اس کا کیا بگاڑ لیا۔ حضرات شیعہ کیا کیا نہ لکھ رہے ہیں۔ تازیانۂ شرعی نہیں۔ کسی زبان کے لئے زمام نہیں۔ سب مختار ہیں۔ گھر گھر میں نیا مذہب بنائیں۔ اور اس پر عمل کریں اور کرائیں۔ اللہ ہی ہدایت دے تو زہے نصیب ورنہ فَلَا هَادِیَ لَہٗ ؏

حُلیہ مبارک

شہزادہ کونین سیدنا حسن سید الشہداء رضی اللہ عنہ کا حلیہ یہ ہے:۔

آپ سینہ سے سر تک خواجۂ کائنات علیہ افضل التحیات سے بالکل مشابہ تھے۔ بخاری شریف میں ہے۔ ایک مرتبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا۔ آپ گہوارۂ طفولیت میں تھے دوڑ کر آپ کو اُٹھا لیا اور شانۂ مبارک پر بٹھایا اور حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا۔ حسن تو بالکل صورت میں حسن ہیں۔ میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں بہت ہی مشابہت ہے۔ آپ سے تو یہ مشابہت نہیں رکھتے۔ اس کو سُن کر حضرت علی مسکرائے۔ چہرۂ زیبا کا لون مبارک سرخ و سپید تھا۔ آنکھیں بڑی اور سیاہ۔ قد میانہ۔ ریش اقدس گھنی۔ شکم مبارک پر ایک باریک خط بالوں کا گلوئے اقدس تک۔ گردن صراحی سیمیں۔ گیسو مشکیں۔ بڑی بڑی ہتھیلیاں کشادہ شانہ اور بازو

بھرے ہوئے۔ سینہ بے کینہ چکلا اور چوڑا۔ جسم اقدس خوب صورت اور سڈول۔ بال گھونگھریالے۔

وقت شہادت عمر مبارک ۴۶ سال اور بروایتے ۴۷ سال کی تھی۔ صاحب مرٰتیہ الجنان نافعی آپ کی سخاوت میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ سے کسی نے کچھ سوال کیا۔ آپ نے اُسے پچاس ہزار درم عطا فرمائے اس کے لے جانے کے لئے حمالوں کی ضرورت ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ حمالوں کی اُجرت بھی ہم پر ہی ہونی چاہیئے۔ چنانچہ اپنا جبۂ مبارک اتار کر حمالوں کو بخش دیا۔

ایک مرتبہ آپ کے زمانۂ خلافت میں جبکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود آپ کو خلیفہ مکہ و مدینہ قرار دیکر آپ کے مشورہ کے بغیر کوئی کام ہی کرنا منظور نہ رکھا تھا۔ آپ کی خدمت میں ایک اعرابی آیا۔ اور آپ کو خوب بڑا بھلا کہہ کر حضور تاجدار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں خوب گستاخیاں کرنے لگا۔ پھر کچھ مانگنے لگا۔ آپ نے خادم کو بلوا کر اسے عطا فرمایا اور معذرت کی کہ اس وقت میں مجبور ہوں کہ یہی تھا ورنہ تجھے اور دیتا۔ وہ یہ حلم و سخاوت دیکھ کر رونے لگا اور قدموں میں گر کر کہنے لگا اَشْھَدُ اَنَّکَ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰہِ میں گواہی دیتا ہوں بیشک آپ ابن رسول اللہ ہیں۔ حضور! میں نے جو گستاخیاں کیں وہ اللہ واسطے معاف فرما دیجئے۔ میں نے امتحاناً یہ سب کچھ کیا تھا۔ ایک بار آپ کی خدمت میں ایک شخص مقروض آیا اور عرض کی۔ حضور ایک ہزار کا قرضہ ہے۔ آپ نے اس کو دس ہزار درم عطا فرمائے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے آپ سے عرض کی کہ حضور باوجودیکہ آپ فاقہ سے ہوتے ہیں۔ مگر سائل کو رد نہیں فرماتے۔ آپ نے فرمایا میں خود درگاہ الٰہی کا سائل ہوں۔ پھر مجھ سے اگر کوئی سوال کرے تو سائل کو سائل کے رد کرنے

کا مجاز۔ میں جس کا سائل ہوں وہ مجھے دیتا ہے اور جو میرا سائل بن کر آتا ہے۔ میں اُسے دیتا ہوں۔ اگر میں اپنے سائل کو رد کروں تو مجھے خوف ہے کہ میرا رب مجھے رد نہ کرے۔

آپ نے پیادہ پا پچیس حج کئے۔ لوگوں نے عرض کی۔ حضور سواریاں موجود ہوتے پیادہ پا کیوں تشریف لے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ اپنے مولیٰ کے گھر کی طرف سوار ہو کر جاؤں۔ باوجودیکہ اس سفر میں پیادہ پائی سے پائے مبارک متورم ہو جاتے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں خانہ کعبہ میں عبادت کر رہا تھا کہ ایک صاحب دیکھے کمبل سے منہ لپیٹے ہوئے باب کعبہ پر مناجات فرما رہے ہیں اور ان کی زبان پر ایسے کلمات ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص سخت گنہ گار ہے۔ اسی طرح گریہ وزاری میں تمام رات گزر گئی۔ صبح وہ کمبل پوش ایک آہ سرد بھر کر روتے ہوئے روانہ ہوئے۔ مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں ان کے پیچھے پیچھے چلا اور پکار کر سائل ہوا کہ اے شخص اپنی صورت تو مجھے دکھا دے اور اپنا نام مجھے بتا کہ میں تیرے لئے مغفرت کی دعا کروں تو وہ ٹھہرے اور کمبل ہٹا کر اپنا روئے رنگین دکھاتے ہوئے فرمایا میرا نام حسن ہے۔

فرماتے ہیں۔ میں صورت دیکھتے ہی دوڑا اور قدموں میں لوٹ گیا اور عرض کی ابن رسول مجھے کم از کم یہ بتا دیجئے کہ اس اشکباری میں کیا راز ہے۔ آپ تو وہ ہیں کہ آپ کے دامن فیض سے بڑے بڑے سیہ رو پناہ لیں گے۔ آپ رونے لگے اور فرمایا اے حسن! وہ درگاہ شاہ بے نیاز کی ہے۔ وہاں نبی۔ ولی۔ امام بھی قدم رکھتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

سنا ہے وہ اماں جان کو فرمایا کرتے تھے یا فاطمۃ لاتتکئی انا بنت رسول اللہ۔ اعملی۔ اعملی۔ اعملی تو حسن سمجھ لو جب سیدۃ النساء نور چشم مصطفےٰ فاطمہ زہرا کو احتیاج عمل ہے تو مجھ بیچارہ کی کیا ہستی۔

آپ فرماتے ہیں کہ اس جواب سے مجھ پر ایسا اثر پڑا کہ میں چیخ مار کر بیہوش ہو گیا۔ ہوش میں آیا تو دیکھا کہ شہزادہ تشریف لے جا چکے ہیں۔ روتا ہوا واپس حرم میں آ گیا۔

حالات ولادت و شہادت و عادات و فضائل سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

اب واقعہ ولادت و شہادت اور عادات سیادت آیات و خصائل و فضائل شہزادہ کونین قرۃ عین رسول الثقلین امام عالی مقام حضرت ابو عبداللہ حسین رضی اللہ عنہما و عنہم ولہم ہدیہ ناظرین ہیں۔

آپ کی ولادت باسعادت ۵ شعبان المعظم ۴ھ بروز سہ شنبہ اور بروایت دیگر ۳ شعبان ۴ھ مدینہ منورہ میں ہوئی۔ بڑے شہزادہ سے ۱ ماہ ۱۰ دن بعد آپ زینت بخش عالم ہوئے۔ آپ کی مدت حمل ۶ ماہ مذکور ہے۔ کوئی مولود ششماہہ یحییٰ بن زکریا اور آپ کے سوا زندہ نہیں رہا۔

آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور لقب زکی۔ شہید اکبر۔ سید۔ سبط۔ طیب۔ رشید و نی مبارک۔ تابع لمرضاۃ اللہ۔ دلیل علی ذات اللہ ہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو گود میں لے کر اذان و اقامت فرمائی۔ ساتویں دن ختنہ اور عقیقہ دو مینڈھے ذبح فرما کر کیا۔

آپ کی ولادت پر حضرت روح الامین بحکم رب العالمین تہنیت ولادت کے ساتھ تعزیت بھی لائے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گلوئے

نازکو چوم رہے تھے۔ روح الامین نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا۔ کہ اس بوسہ گاہ پر چھری چلے گی۔ اور یہ قرۃ العین خدا کی راہ میں شہید ہوگا۔ یہ خبر سیدہ زہرہ اور جناب مرتضٰی کو پہنچی بحد غایت ملول و حزین ہوئے مگر مشیت الٰہی میں چارہ کار کیا تھا۔ اور اس خبر پر اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو دعا فرما کر تیر جستہ باز گرداند زراہ کا مظاہرہ کرتے مگر رضینا لقضاء اللہ کے ماتحت دعا بھی فرمائی تو یہ کہ

اللھم اعط الحسین صبرا و اجراً ؎

آپ کے فضائل میں بکثرت احادیث ہیں۔ منجملہ ان کے چند ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چند اصحاب کے ساتھ ایک گلی میں گزرے۔ ایک مقام پر دیکھا کہ بچے کھیل رہے ہیں۔ آپ نے ان میں سے ایک بچہ کو گود میں اُٹھا کر بہت پیار کیا۔ صحابہ نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بچہ پر خصوصیت سے اتنی شفقت کیوں ہے۔ فرمایا ایک دن میں نے اس بچے کو میرے لخت جگر کے خاکپا آنکھوں میں ڈالتے دیکھا تھا۔ اس دن سے مجھے اس کے ساتھ محبت ہے۔ میں قیامت کے دن اس کے والدین کی معہ اس کے شفاعت کروں گا۔ ایک روز دونوں صاحبزادے باہم کشتی کر رہے تھے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہزادہ حسن سے فرماتے جاتے تھے۔ ہاں بیٹا حسین کو پکڑو تو سیدہ نے عرض کی۔ ابا جان آپ بڑے ہی کو فرما رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسین سے جبریل یہی کہہ رہے ہیں۔ ایک بار تختی لکھ کر دونوں صاحبزادے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے اس خیال سے کہ کسی کو رنج نہ ہو خود فیصلہ نہ فرمایا اور حضرت علی کے پاس بھیج دیا انھوں نے بھی یہی خیال کر کے حضرت سیدہ کے پاس بھیج دیا۔ سیدہ نے فرمایا۔ کہ بیٹا میں خط کی برائی بھلائی

کیا بتاؤں۔ مگر یہ سات موتی ہیں۔ ان کو میں زمین پر ڈالتی ہوں۔ جو زیادہ موتی چن لے اُسی کی تختی اچھی ہے۔ آپ نے موتی ڈالے۔ شہزادوں نے تین تین موتی چن لیے۔ قریب تھا کہ ایک بھائی چوتھا موتی اُٹھائے۔ کہ روح الامین نے بحکم الٰہی ایک موتی اٹھالیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ آدھا آدھا دونوں بھائیوں کے حصّہ میں آ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ملی۔ آبدیدہ ہوئے اور فرمایا اللہ اکبر۔ آج اللہ کو ان کی اتنی رنجیدگی نامنظور ہے۔ مگر قربان اس کی بے نیازی کے۔ ایک دن وہ ہوگا کہ بھوکے پیاسے غریب الوطن زخموں سے چور ہو کر میدان کربلا میں حلقوم پر چھری چلوائیں گے۔

کنز الغرائب میں ہے ایک بدوی نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ایک بچہ آہو نذر کیا۔ شہزادہ حسن تشریف لائے اور لے گئے۔ جب چھوٹے شہزادہ حسین نے دیکھا تو پوچھا کہاں سے لائے۔ کہہ دیا نانا جان نے دیا ہے۔ آپ بھی آئے اور بچہ طلب کیا۔ آپ نے بہت کچھ بہلایا۔ مگر نہ مانے۔ قریب تھا کہ شہزادہ حسین رو پڑیں۔ کہ اس ہرنی کو حکم الٰہی ہوا کہ اپنا دوسرا بچہ لے کر دواں دواں خدمت میں پہنچی اور پیش کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ میرے یہ دو بچے تھے۔ ایک اس بدوی کے ذریعہ آ گیا۔ دوسرا بحکم الٰہی لائی ہوں کہ شہزادہ حسین اس کو مانگ رہے تھے۔ اگر وہ رو پڑتے تو کروبیانِ عرش کے دل ہل جاتے۔

ایک روز چھوٹے شہزادہ کے رونے کی آواز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنی۔ بے تابانہ سیدہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا بیٹی انہیں رلایا نہ کرو۔ ان کے رونے سے میرے دل کو سخت صدمہ ہوتا ہے۔

آپ کا اسم شریف بھی بمشورہ روح الامین شبیر رکھا گیا۔ اور یہی نام حضرت ہارون کے چھوٹے صاحبزادہ کا تھا اس کا عربی ترجمہ حسین ہے۔

آپ نے بھی بڑے بھائی کے برابر پاپیادہ پچیس حج ادا فرمائے۔ آپ نہایت سخی و فیاض دل تھے۔ آپ کے حلم کا یہ حال تھا۔ کہ ایک روز آپ کی لونڈی کھانا لائی۔ اتفاق سے آپ کے سر پر گرا۔ تمام کپڑے بگڑ گئے۔ لونڈی نے گھبرا کر پڑھا وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ۔ آپ نے فرمایا کظمت غیظی وعفوت عنكَ ہم نے اپنا غصہ سرد کیا اور تجھے معاف کیا۔ اس نے عرض کی وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا انت حرّۃ لوجہ اللہ تو آزاد ہے اللہ کے واسطے۔

آپ کے محاسن اخلاق مشتے نمونہ از خروارے پیش کئے ہیں۔ ورنہ حقیقتاً آپ صاحب خلق عظیم کے سراپا تصویر اور اس نور الٰہی کی مجسم تصویر ہیں:

ملخص از روضۃ الشہداء

مبادیات شہادت آنجناب

اب مبادیات شہادت نذر ناظرین ہیں:۔ بعد شہادت حضرت مولا علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب تمام و کمال سلطنت کے والی قرار پا گئے تو انہوں نے شہزادگان رسالت کا اکرام کما حقہ کرنا شروع کیا۔

علامہ ابو اسحاق اسفرائنی اپنی کتاب نور العین اور مشہد الحسین میں فرماتے ہیں کہ اس تعظیم و تکریم کے علاوہ کچھ دن بعد اپنی طرف سے مملکت مدینہ کا آپ کو ہی حاکم بنا دیا۔ پھر خزائن شاہی کا بھی آپ کو ہی مالک کر دیا۔ بعد چندے خود حاضر ہوئے اور لشکر ہمراہ لائے۔ اور اپنے ساتھ دونوں شہزادوں کو اور اُن کے صاحبزادگان اور تمام اعزہ و اقارب کو اپنے ساتھ دمشق علاقہ شام میں لے گئے اور یہاں آپ کو مختار سلطنت بنا دیا۔ اور تمام رفقا اعزہ کو نہایت اعزاز

واحترام سے دمشق کے محل میں رکھا۔ اور رات دن اپنے اراکین دولت کو وصیت کرتے رہتے۔ کہ حسین سید الشہداء کے مقابلہ میں کسی کے حکم کی وقعت نہ کرنا۔ تمام اخراجات سے مقدم ان کے اخراجات ہیں۔ یہاں تک کہ لشکر میں پیچھے تنخواہ جاتے۔ پہلے ان کی خدمت میں پیش ہو جاتے۔

جب آپ دربار معاویہ میں تشریف لاتے تو آپ کی کرسی اپنی داہنی جانب لگاتے۔ سواری میں پہلے شہزادہ سوار ہوتے۔ بعد میں جناب امیر معاویہ۔ غرض کہ امیر معاویہ اور شہزادہ صاحب کے درمیان ایک مدت تک یونہی تعلقات یگانگت رہے۔ پھر امیر بیمار ہوئے اور اتنے سخت بیمار ہوئے کہ صحت سے مایوسی ہو گئی اور مرض موت یقینی تسلیم کر لیا گیا۔

پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو بلوایا۔ اس نے حالت مرض نازک دیکھ کر پوچھا ما بالك یا والدی ابا جان! آپ کے کیسے مزاج ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اجلس۔ فجلس عندہ فقال لہ یا یزید یا ولدی اعلم ان لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا وَکُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ واعلم یا بنیّ انی ایقنت بالموت وقد حان حین وفاتی وحضرتی لوفات والامر کلہ بید اللہ۔ بیٹھ جا۔ چنانچہ وہ بیٹھ گیا۔ پھر فرمایا بیٹے اچھی طرح سمجھ لو۔ ہر ایک کا وقت مقرر ہے۔ اور کسی جان کے وقت کو آجانے پر اللہ مؤخر نہیں فرماتا۔ اور ہر ذی جان کو ذائقہ موت چکھنا ہے۔ اور بیٹے اب مجھے یقین ہو چکا ہے کہ میری موت کا وقت آگیا ہے۔ بلکہ وقت زیادہ ہی قریب آگیا ہے۔ اور میری موت میرے سر پر ہے۔ اور بیٹا تمام معاملات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

فَقَالَ لَہٗ یَزِیْدُ۔ یَا اَبَتِ وَمَنْ یَّکُوْنَ الْخَلِیْفَۃُ مِنْ بَعْدِكَ پھر اس نے کہا۔ ابا جان آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا۔ فَقَالَ لَہٗ یَا یَزِیْدُ

أَنْتَ الْخَلِيْفَةُ وَلٰكِنْ إِسْمَعْ مِنِّيْ مَا أَقُوْلُ۔ حضرت معاویہ نے فرمایا یزید خلیفہ تجھ ہی کو کرتا ہوں۔ مگر کان رکھ کر سن لے۔ جو کچھ میں کہتا ہوں۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت فرمائی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت

آپ کی وصیت دو قسم پر منقسم ہے۔ ایک عامہ رعایا کے حق میں اور دوسری مخصوص شہر۔ اوہ حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق۔ دونوں بعینہ نذر ناظرین ہیں۔

پہلی جو رعیت کے حق میں تھی وہ یہ ہے أُوْصِيْكَ بِالْعَدْلِ فِيْ رَعِيَّتِكَ وَفِيْ جَمِيْعِ النَّاسِ لِأَنَّ الْمُلُوْكَ يَا بُنَيَّ مَوْقُوْفُوْنَ غَدًا فِي الْحِسَابِ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى جِسْرٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَيُدْخِلُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ مَنْ يَّشَآءُ بِحُكْمِهٖ وَعَدْلِهٖ وَإِمَّا يُوْقِعُهٗ فِي النَّارِ بِجَوْرِهٖ وَظُلْمِهٖ وَأَنْتَ يَا بُنَيَّ اجْعَلِ النَّاسَ بَيْنَ يَدَيْكَ عَلٰى ثَلٰثَةِ أَقْسَامٍ. اَلْكَبِيْرُ مِنْهُمْ مَقَامَ وَالِدِكَ وَالصَّغِيْرُ مِنْهُمْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِكَ وَالْمُتَوَسِّطُ مِنْهُمْ بِمَنْزِلَةِ أَخِيْكَ وَاعْدِلْ يَا بُنَيَّ فِيْ رَعِيَّتِكَ الْعَدْلَ الْكَامِلَ وَاتَّقِ اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْ جَمِيْعِ الْأُمُوْرِ وَاخْشَ اللّٰهَ تَعَالٰى يَا بُنَيَّ يَوْمَ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ إِذَا بُعِثَ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ **ترجمہ** میں وصیت کرتا ہوں۔ تجھ کو رعیت کے ساتھ عدل کرنے کی اور علاوہ رعیت کے ہر کس و ناکس کے لیے اس لیے کہ بیٹے کل قیامت کے دن خدا کے آگے تمام بادشاہ ایک پل پر ہوں گے۔ جو جنت و دوزخ کے مابین ہوگا۔ پھر جنت میں

اللہ جسے داخل کرنا چاہے گا۔ وہ ان بادشاہوں کے عدل وانصاف کی وجہ سے ہوگا اور جو دوزخ میں ڈالے جائیں گے وہ اپنے جور وظلم کی بدولت۔ اور تو بیٹے اپنی رعایا کو تین صورتوں میں سمجھیو۔ بڑے کو باپ کی جگہ۔ چھوٹے کو بیٹے کی جگہ۔ متوسط کو بھائی کی جگہ۔ اور خبردار بیٹے اپنی رعیت میں عدل کا سکہ جما دینا اور خدا سے ڈرتے رہنا اور ہر معاملہ میں اس سے خائف۔ اس لئے کہ وہ دن آنا ہے۔ جس روز یہ اپنی اپنی قبروں سے اُٹھیں گے اور حشر میں آئیں گے اور جو کچھ دلوں میں ہوگا وہ سب کھل جائے گا۔

دوسری وصیت جو مخصوص شہزادہ حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ اور اہل بیت اطہار کے متعلق کی وہ بعینہ یہ ہے أُوصِيكَ يَا بُنَيَّ بِالْحُسَيْنِ وَأَوْلَادِهِ وَإِخْوَتِهِ وَأَوْلَادِ إِخْوَتِهِ جَمِيعِ عَشِيرَتِهِ وَجَمِيعِ بَنِي هَاشِمٍ الْوَصِيَّةُ التَّامَّةُ وَلَا يَوْمٍ يَا يَزِيدُ تَفْعَلُ فِي الرَّعِيَّةِ شَيْئًا حَتَّى تُشَاوِرَ الْحُسَيْنَ وَلَا أَمْرٍ عِنْدَكَ فَوْقَ أَمْرِهِ وَلَا يَدٍ عِنْدَكَ فَوْقَ يَدِهِ لَا تَأْكُلُ حَتَّى يَأْكُلَ وَلَا تَشْرَبُ يَا بُنَيَّ حَتَّى يَشْرَبَ هُوَ وَأَهْلُ بَيْتِهِ وَلَا تُنْفِقُ عَلَى أَحَدٍ مِنْ جَمِيعِ عَسْكَرِكَ وَأَهْلِ بَيْتِكَ حَتَّى تُنْفِقَ عَلَيْهِ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَلَا تَكْسُوَ أَحَدًا حَتَّى تَكْسِيَهُ هُوَ وَأَهْلَ بَيْتِهِ جَمِيعًا وَأُوصِيكَ يَا بُنَيَّ بِهِ وَبِأَهْلِهِ وَعَشِيرَتِهِ وَبَنِي هَاشِمٍ جَمِيعًا الْوَصِيَّةَ التَّامَّةَ لِأَنَّ يَا بُنَيَّ الْخِلَافَةَ لَيْسَتْ لَنَا وَإِنَّمَا هِيَ لَهُ وَلِأَبِيهِ وَجَدِّهِ مِنْ قَبْلِهِ وَلِأَهْلِ بَيْتِهِ مِنْ بَعْدِهِ وَلَا تَسْتَخْلِفْ يَا يَزِيدُ الْأُمَّةَ يَسِيرَةً حَتَّى يَبْلُغَ الْحُسَيْنُ مَبَالِغَ الرِّجَالِ وَيَمْضِي إِلَى مَكَّةَ فِي أَحْسَنِ حَالٍ وَيَكُونُ هُوَ الْخَلِيفَةُ أَوْ مَنْ يَشَاءُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ وَتَرْجِعُ الْخِلَافَةُ إِلَى أَهْلِهَا لِأَنَّنَا يَا بُنَيَّ لَيْسَ لَنَا خِلَافَةٌ بَلْ نَحْنُ عَبِيدٌ لَهُ وَلِأَبِيهِ وَجَدِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ و

لَا تُنْفِقْ يَا وَلَدِيْ نَفَقَةً اِلَّا وَ بِالْحُسَيْنِ نِصْفُهَا وَاحْذَرْ يَا وَلَدِيْ مِنْ غَضَبِهٖ عَلَيْكَ فَاِنَّهٗ اِذَا غَضِبَ عَلَيْكَ يَغْضَبُ عَلَيْكَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ فَاِنَّ جَدَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الشَّفِيْعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ وَلَهُ الشَّفَاعَةُ الْعُظْمٰى فِي الْاِنْسِ وَالْجِنِّ اَجْمَعِيْنَ وَ اَبِيْهِ عَلِيُّ ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ هُوَ السَّاقِيْ عَلَى الْحَوْضِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ لِوَاءُ الْحَمْدِ بِيَدِهٖ وَ اُمُّهٗ فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءُ هِيَ سَيِّدَةُ النِّسَاءِ وَجَدَّتُهٗ خَدِيْجَةُ الْكُبْرٰى۔ وَاعْلَمْ يَا بُنَيَّ اِنَّكَ اِنْ فَرَّطْتَ فِيْهِ اَوْ اَغْضَبْتَهٗ هُوَ وَ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ اَوْ قَرَابَتِهٖ اَوْ عَشِيْرَتِهٖ اَوْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ جَمِيْعًا فَاَكُوْنَ بَرِيًّا مِنْكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَ تُحْشَرُ مَعَ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ فَقَالَ لَهٗ يَا اَبَتِ سَمْعًا وَطَاعَةً لَكَ وَلِقَوْلِكَ وَالْجَمِيْعِ مَا تَاْمُرُنِيْ بِهٖ۔

ترجمہ:۔ میں تجھ کو وصیت کرتا ہوں اے میرے بیٹے! حسین اور اس کی اولاد اور بھائی بہنوں، اعزہ، اقرباء رفقاء اور تمام بنی ہاشم کے حق میں پوری وصیت۔ کسی دن اے یزید اپنی رعیت کے لئے کوئی جدید امر جاری نہ کیجیو۔ جب تک شہزادہ حسین سے مشورہ نہ کرلے اور تیرا کوئی حکم حسین کے حکم سے بلند نہیں اور تیری کوئی ضرورت ان کی ضرورت سے مقدم نہ سمجھی جائے۔ ہرگز نہ کھانا جب تک انہیں نہ کھلالے۔ نہ پینا اے بیٹے جب تک وہ نہ پی لیں اور ان کے سب گھر والے اور کوئی خرچ حتیٰ کہ لشکر تک کے اور اپنے گھر کسی پر نہ کرنا جب تک ان پر نہ خرچ کرلے۔ ہرگز کچھ نہ پہننا جب تک انہیں اور ان کے گھر والوں کو نہ پہنالے اور وصیت کرتا ہوں بیٹے میں ان کے لئے اور ان کے اہل و عشیرہ و بنی ہاشم سب کے لئے پوری پوری وصیت۔ اس لیے کہ بیٹے یہ

خلافت ہمارا حق نہیں ہے اور یہ یقیناً ان کے لئے ہے ان کے آباؤ اجداد کا حق ہے اور تو اس خلافت پر چند روز سے زیادہ نہ رہنا۔ یہاں تک کہ امام حسین تجھ سے طلب فرمائیں یا مکہ تشریف لے جا کر اعلان خلافت کریں یا جسے چاہیں اس لئے کہ ہم خلافت کے حق دار نہیں ہیں۔ بلکہ بیٹے ہم اُن کے اور ان کے باپ دادا کے ادنیٰ غلام ہیں۔ اور تو کچھ تقرر نہ کرنا مگر ساری آمدنی کا نصف حصہ ان کی خدمت میں پیش کر دینا اور بیٹا ان کے غضب و غصہ سے ڈرتے رہنا۔ اگر وہ کسی امر میں تجھ سے ناراض ہو گئے تو اللہ و رسول ناراض ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ اُن کے جدّ امجد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو مالکِ شفاعت عظمیٰ ہیں۔ قیامت کے دن پہلے اور پچھلے انہیں کی امید کریں گے۔ اور ان کے باپ مرتضیٰ شیرِ خدا ہیں۔ وہ ساقی کوثر ہیں اور لواءِ حمد انہیں کے ہاتھ میں ہو گا۔ اور ان کی والدہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔ جو سردار ہوں گی نساء جنّت کی اور دادی خدیجۃ الکبریٰ ہیں۔ اور سمجھ لے بیٹے اگر تو نے کوئی زیادتی ان کے ساتھ کی اور ان میں سے کوئی بھی تجھ سے ناراض ہو گیا تو میں دنیا و آخرت میں تیری طرف سے بری ہوں۔ اور تو میدان حشر میں مجرموں کے ساتھ جہنم میں جائیگا۔ ان تمام وصیتوں کو سن کر یزید پلید نے کہا کہ جو کچھ آپ نے مجھ کو وصیت فرمائی ہے۔ سب کی اطاعت دل و جان سے کروں گا اور اس میں کچھ بھی فرق نہ آنے دوں گا۔"

اس وصیّت کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسّی [80] سال کی عمر پا کر رجب سنہ ۶۰ھ مطابق ۶۸۰ء میں اس دارِ فنا سے سمت دار البقا رخت ارتحال باندھا اور رجب سنہ ۶۰ھ مطابق ۱۷ اپریل سنہ ۶۸۰ء کو چونتیس برس کی عمر میں یزید تخت نشین ہو گیا۔ چند روز ماتمی لباس پہنے رہا۔ اور پھر شاہانہ لباس

پہن کر تخت پر آیا تو ہمراہ ہی میں شراب کی صراحیاں بھی آئیں اور پیمانے دور میں آنے لگے۔ اہالیان دربار خوشامد پسند اسلام فروش بدنام کنندۂ نکونامے چند بھی اس دور میں شریک ہوئے۔ شراب دو آتشہ تقسیم ہو رہی تھی۔ نشہ پر نشہ آ رہا تھا۔ مدہوشی میں یزید بے خود۔ فسق و فجور میں منہمک خدا اور رسول کو نسیاً منسیاً کئے ہوئے اپنی چند روزہ سلطنت پر پھولا ہوا خدا کو بھول رہا تھا۔

دبدبہ و شوکت سلطنت نے سوائے مکہ و مدینہ یا بلستان کے بعض ممالک اسلام کے سب نے اُسے بے چون و چرا خلیفہ مان لیا تھا۔ سب سے پہلے اس کے دماغ میں یہ خبط سمایا کہ سلطنت کو ہر قسم کی خلش سے محفوظ کرنا میرا فرض اولین ہے۔

میری سلطنت میں سب سے بڑا خار وجود امام حسین ہے۔ ان کے علاوہ عبداللہ بن زبیر۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ عبداللہ بن عمر وغیرہ ہیں۔ جو خصوصیت سے قومی قائد ہیں۔ اس جنون کو دماغ میں رکھا اور تمام حاضرین دربار و اراکین دولت کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ اعیان دولت اور علاقہ کے صوبوں کو خلعت فاخرہ بھیجی۔ مگر باوجودیکہ شہزادہ حسین معہ قبائل کے وہاں ہی رونق افروز تھے۔ کچھ نہ دیا اور باپ کی ہی وصیت چاک کر کے پھینک دی اور حکم دے دیا کہ امام حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ اور ان کے قبائل اور اعزہ کا ہمارے دربار میں آنا تو درکنار ان کا نام بھی ہمارے کان میں مسموع نہ ہو۔

شہزادۂ کونین سیدنا حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے یزید کا یہ تمرد دیکھا اور قساوت و بے دینی ملاحظہ فرمائی۔ آپ اپنی ہمشیرہ مکرمہ حضرت سکینہ کی خدمت میں تشریف لائے۔ آنکھوں میں آنسو بھرے دیکھ کر

حضرت سکینہ نے فرمایا۔ بھائی آج کیا رنج ہے۔ جو آبدیدہ نظر آ رہے ہو۔ آپ نے فرمایا۔ بہن۔ یزید نے امیر معاویہ کی تمام وصیتیں نسیاً منسیا کر دیں اور اپنی خباثت پر تلا ہوا ہے۔ قساوت قلبی کا اظہار علی الفور کر گذرا۔ لہٰذا ہمیں اب یہاں سے چل دینا چاہیئے۔ حضرت سکینہ نے فرمایا یا اخی نعم لا مقام لنا عندہ ولکن الولی ان نستاذنہ' بھائی بیشک اب ہماری گزر یہاں مشکل ہے۔ لیکن میری رائے میں یہ بہتر ہوگا کہ اس سے اجازت بھی لے لیں۔ آپ نے فرمایا۔ آپ کی رائے صائب ہے۔ پھر نیچی گردن فرما کر کچھ غور و تامل کے بعد دوات قلم منگوایا۔ اور یہ نامہ یزید خبیث کو تحریر فرمایا۔

اِعْلَمْ یَا یَزِیْدُ اِنِّیْ قَدْ عَزَمْتُ عَلَی الرَّحِیْلِ اِلٰی مَکَّۃَ وَالْاِقَامَۃُ فِیْھَا اَوْفِی الْمَدِیْنَۃِ لِاَنَّ فِیْھَا دِیَارُ اَبِیْ وَجَدِّیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنْ اَذِنْتَ لِیْ بِالرَّحِیْلِ فَارْحِلْ وَاِنْ اَذِنْتَ لِیْ بِالْمَقَامِ فَاُقِیْمُ ؛

ترجمہ:۔ اے یزید ہم نے روانگی مکہ کا عزم جزمی کر لیا ہے اور اپنا قیام یا مکہ میں رکھیں گے یا مدینہ میں اس لئے کہ ان دونوں شہروں میں ہمارے آباؤ اجداد کے محلات ہیں اگر تو روانگی کی اجازت دے تو چلے جاویں اور نہیں تو خیر۔ یہاں ہی ٹھہرے رہیں"۔

پھر آپ نے اس کو تہ فرما کر یزید کے پاس بھیج دیا۔ خبیث نے نامۂ عالیہ پڑھ کر اس کی پشت پر یہ جواب لکھ کر بھیج دیا۔ خبیث نے نہ تو القاب کا لحاظ رکھا نہ آداب رسالت کا اِنَّکَ تَسْتَاذِنُ وَتَقُوْلُ اَمْضِیْ اِلٰی مَکَّۃَ اَوِالْمَدِیْنَۃِ وَتَطْلُبُ اِذْنِیْ فَاِنِّیْ لَا اٰذَنُ لَکَ بِمَسِیْرٍ وَلَا بِاِقَامَۃٍ فَاِنْ اَقَمْتَ فَبِمُرَادِکَ وَاِنْ رَحَلْتَ فَبِمُرَادِکَ وَاَمَّا اَنَا فَلَوْکَانَ عِنْدِیْ مِلْاُرْضِ ذَھَبًا لَمْ اُعْطِیْکَ اَنْتَ وَمَنْ مَعَکَ مِنْہُ دِرْھَمًا وَاحِدًا وَلَا یَبْقٰی لَکَ عِنْدِیْ اِلَّا

اَلْهَمَّ وَالْغَمَّ نَبَأنِیْ صِرْتُ لَا اَجِدُ لَكَ وَلَا لِاَحَدٍ مِنْ اَهْلِ بَيْتِكَ مَحَبَّةً وَلَا شَفَقَةً مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَارْحَلْ بِاَهْلِكَ وَانْزِلْ بِهِمْ فِیْ جَانِبِ الْمَدِيْنَةِ اَوِ الْمَكَّةِ وَلَا عِدَّةَ تَسْكُنُ فِیْ بَيْتِیْ وَلِذَا اِدْكَ بِعَيْنِیْ بَلِ ارْحَلْ اِلٰی مَحَلِّ اَعْجَبَكَ

یعنی تم مجھ سے اجازت مانگتے ہو اور کہتے ہو کہ ہم مکہ یا مدینہ چلے جائیں لہٰذا میری طرف سے نہ تمھیں اجازت ہے نہ ممانعت ہے۔ اگر ٹھہرو تو تم جانو اور اگر جاؤ تو تم جاؤ۔ لیکن میری طرف سے یہ جواب ضرور ہے کہ میرے پاس تمام روئے زمین سونا بن کر آئے۔ تو میں ہرگز تم کو اس میں سے ایک درہم بھی نہ دوں گا اور میرے دل میں تمھاری طرف سے سوائے غم و رنج کے کچھ باقی نہیں ہے۔ میں تمھاری طرف سے ایسا ہو گیا ہوں کہ اپنے دل میں ذرہ بھر تمھاری محبت نہیں پاتا۔ بہتر یہ ہے کہ تم جاؤ اور اپنے قبائل کو بھی لے جاؤ۔ یہ تمھیں اختیار ہے۔ خواہ مدینہ ٹھہرو خواہ مکہ اور میرے اس مکان میں اب تم نہ رہو گے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ میری آنکھ تمھیں نہ دیکھے۔ بس یہی بہتر ہے۔ کہ تم چلے جاؤ جہاں چاہو۔

جب آپ کے پاس یزید پلید کا جواب پہنچا۔ آپ اسے اپنی ہمشیرہ حضرت سکینہ کے پاس لائے اور جو کچھ اس نے لکھا تھا وہ سنایا جواب سُن کر حضرت سکینہ نے فرمایا۔ بھائی بس اب چلو۔ چنانچہ اُسی وقت آپ نے تمام سامان باندھا اور سب کنبہ کو لے کر دمشق سے سمت مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور اپنے والد ماجد کے محل سرائے میں اُترے۔ سب سے پہلے آپ کے بھائی محمد بن الحنفیہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے نہایت اعزاز و اکرام سے آپ کو اتارا۔ سامان قرینہ سے لگا کر آپ سب سے اول سیدھے اپنے جد امجد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مقدس پر حاضر ہوئے۔ یہاں آکر اپنا تمام درد دکھ سنایا۔ اہل مدینہ کو جب اطلاع ملی تو تمام خدمت عالی میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے۔ جب شب ہو گئی اور سب کو رخصت کر دیا تو شہزادہ رضا نے جب اپنے بھائی محمد بن الحنفیہ سے تمام قصہ